

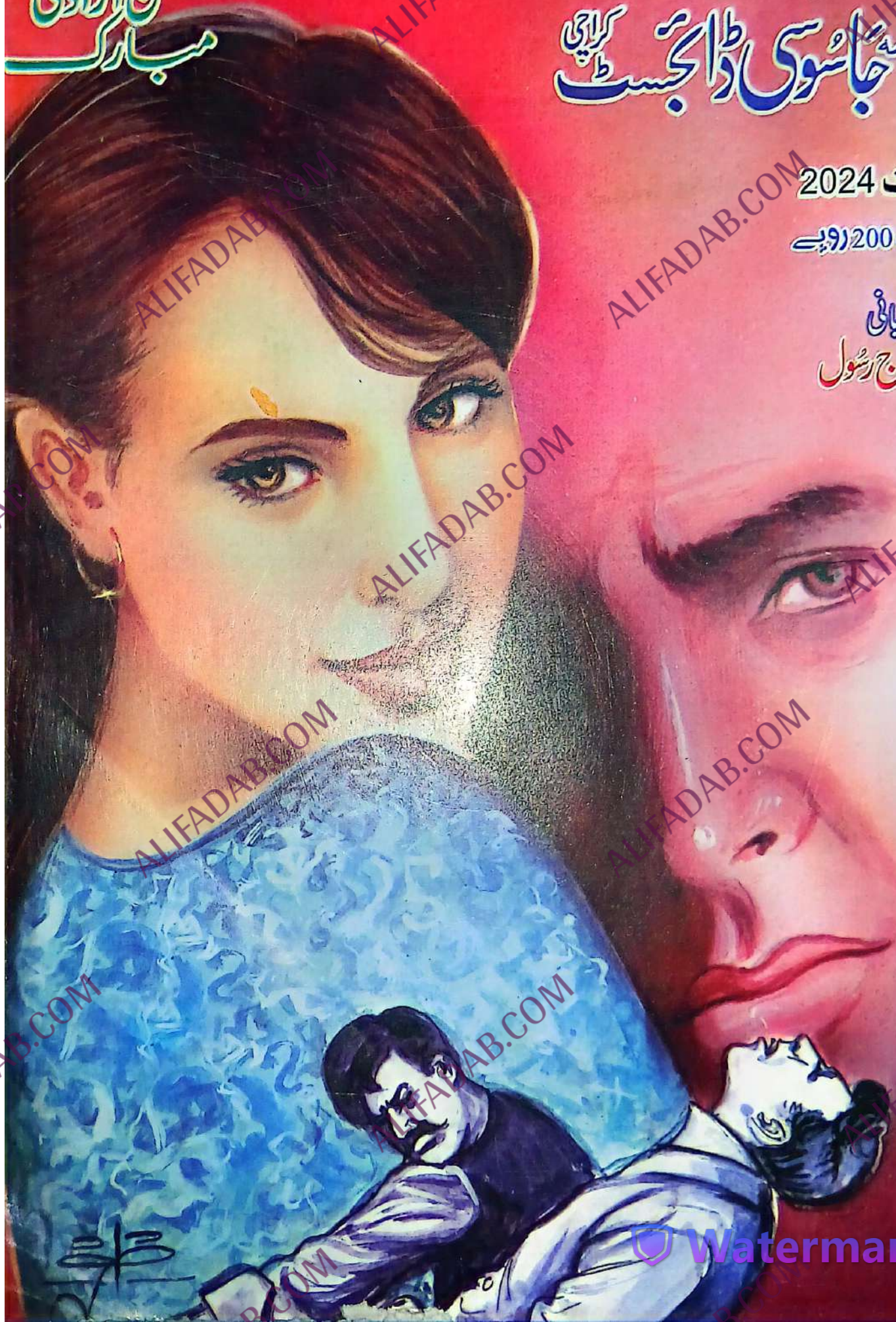
جشن آزادی
مبارک

دلچسپ اور نئی نثر کہانیوں کا مجموعہ
ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

اگست 2024

قیمت 200 روپے

بانی
معراج رسول





رمِ نجم برتنی برسات میں اگست 2024ء کا نگلنا شمارہ

گھر کے ہر فرد کے لیے

پاکیزہ

ماہنامہ

رفعت سراج کے نقشِ سلسلے دار ناول پلکوں سے اٹھاؤں اس کو کی مسکرت قسط

بشری مسرور نے کیے، کیے حوصلوں کی بیان کی داستان حوصلہ شرط و فائز ہر اس

شیریں حیدر کے کلم کے کرشمے بڑے کہانی اک محبت کی

افشاں آفریدی کے دلچسپ ناول کا آخری حصہ

یومِ آزادی کی مناسبت سے کائنات شمشاد، تہنیت آفرین کی خصوصی تحریریں

پاکیزہ کے مہمان میں

شائستہ زریں کھوج لائیں

نگہت عمران و عمران سانفر

کی گھریلو باتیں

سلسلہ شمع ہدایت میں پڑیے، معروف

اسلامی و اصلاحی اسکالر اختر شجاعت کا پروردگار مقالہ

مقصود زندگی... اطاعت الہی

روحِ کج حلال

سادن کے دگوں میں پہلی خوب صورت تحریریں جن میں ناہید سلطانیہ اختر،

خولہ سعید جاوید، ثریا انجم، نیلہ خان دیگر نام شامل ہیں

روک رنگ سلسلے... جس میں اعلیٰ معیار کی شاعری، ظریفانہ تراشے، گھریلو ٹوٹکے،

سن و محبت کی کاغذ پر باتیں و ان گنت دلچسپیاں صرف آپ جیسے باذوق قارئین کے لیے

آج ہی ماہنامہ پاکیزہ کے سالانہ خریدار بن جائیں اور رسالہ بروقت آپ کے گھر پر.....



100% خالص عرقیات
سے تیار کردہ!

Life Life
Refreshing



نمبر 1 بننے کے لیے 100% محنت اور
سچائی ضروری ہے، یہی بنیاد ہے
جام شیریں کی جو صندل اور گلاب
کے 100% خالص عرقیات سے تیار
کیا جاتا ہے، سچائی کے اسی 100%
یقین کی وجہ سے یہ پاکستان کا نمبر 1
فیورٹ ہے۔

www.qarshi.com
facebook.com/JamShirin
www.qarshihealthshop.com

Watch it on YouTube



جہاں انسانیت کی
گنتی ایک پرانے کی



چندوں میں زندگی ہل چکی ہے
میرا دل اس کی دھڑکیاں



محبت و افتخار میں انسانی
تہذیب کی دھڑکیاں



نفس پیرائے میں ایک
پتہ دکھانے والی دلچسپی



حوادث و جنگ کی دھڑکیاں
آزادی کی جدوجہد کا پتہ



ایک سہیلی کی دھڑکیاں
منظر دور کی پرکھتی رو



قاریں کی نرم لپٹیں اور سج ادا
نامہ و نام، نہیں مانتا کہ



لہذا ساتھان چھوڑ کر پائیں
دیکھنے والوں کے لیے ایک نیا



اچھوت بھرے لوگوں کے بعد
ملنے والی لذت و عنایت کا



گمراہی سے آگئی تھی
کے پیچھے سفر کی رو



غیر راتے داری... حسرت اور
خیانت کے مرکب و جو کا



انسانی معاشرے میں جنگ کے
خلاف ہر جہد کرنے والوں کی



مہر علی خان
عکس و سول



8 جلدیں
تاج پریس، لاہور



مارکیٹنگ و
سرکولیشن مینیجر

محمد شہزاد خان
0333-2256789



پبلشر و ایڈیٹر: علی زار رسول، مقام اشاعت: C-63، ایف 11 ایکس لینشن ٹیلیفون گروپ، لاہور۔
پرنٹر: جمیل حسن، مطبعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس، لاہور۔

جلد 54، شمارہ 08، اگست 2024ء، سالانہ 3000 روپے، قیمت فی پرچہ پاکستان 200 روپے۔
خط و کتابت کا پتہ: پوسٹ بک نمبر 229 کراچی 74200، فون: 35895313 (021)، E-mail: jdpgroup@hotmail.com



PREVENTION OF ELECTRONIC CRIMES ACT 2016

COPYRIGHT ORDINANCE 1962/2000

کے تحت کسی بھی قسم کی کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ ایف آئی اے اور دیگر متعلقہ اداروں میں بھی ان افراد/اداروں کے خلاف شکایات درج کرائی جائیں گی۔

جاسوسی ڈائجسٹ، سپینس ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیروز ایسٹیشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی مین کورنگی روڈ، کراچی

35804200-35895313. فون

ماؤ اگست کا شمار آپ کی بزر ہے۔ اہالیانِ پاکستان کو دشمن آزادی سارک ہو..... اگست کے شروع ہوتے ہی سرشاری کی کیفیات جسم و جان میں گردش کرتے پھرتے ہیں..... پوسٹلر کے اہم ترین اور تاریخ ساز رہنما قاضی اعظم نے ابتدا میں قومی سطح پر مسلمانوں کے لیے خصوصی آئینی مراعات کا مطالبہ کیا تھا اور جب کانگریس نے اس مطالبے کو رد کر دیا تو غصہ سے انھیں قاضی اعظم نے اسلامیت کو ایک قوم کی کل دے کر ایک علیحدہ مسلم ملک پاکستان کے قیام کا مطالبہ نہ صرف پوری شدت سے کیا بلکہ پاکستان تک رسائی حاصل کر کے دکھا یا۔ یہ کامیابی ایک لڑو کی شاعرانہ قیادت کا نتیجہ تھی..... اب پاکستان ہے مگر کبھی بھی شیخے یا ادارے میں کوئی قائدانہ خوبیوں کا مالک قائم نظر نہیں آتا..... ایک زمانہ تھا..... جب آزادی کی نعمت حاصل کیے رادہ مرصع ہوا تھا مگر بریک جاک پاکستان کا نام روشن دہایاں نظر آتا تھا۔ ہر مکمل کا میدان ہمارا تھا۔ پاکستانی اسکولز کے بہترین نمائندے کا قانع تھے..... ہاکی میں پاکستانی کھلاڑیوں نے دوسرے نمائندے کے چنگے چیرا دیے تھے اور اب ہاکی کے مکمل کو آج کا کچھ جاتا تک نہیں..... سیاست نے مکمل کے میدانوں کو بھی زبردستی کر کے زمین کی گود میں اتار دیا ہے۔ ایک تاریخ ساز لڈو کا زندگی نامہ ہمارے پاس موجود ہے..... اور زندہ قومیں اپنے اپنے مصنفوں اور رہنماؤں کے کارناموں کو نہ صرف یاد رکھتی ہیں بلکہ ان کے اصولوں پر عمل بھی کرتی ہیں۔ جس کی اس وقت شدید ضرورت ہے۔ امید واقعی ہے کہ ہماری نسل ملک کو بہتر طرز کے وہال سے نکالنے میں حباب ہو جائے۔

میری پراٹھ کوئی موسم گل ریز نہیں..... میری مٹی پہ چھڑکتا ہے کوئی آبِ فوس

کراچی سے محمد اقبال کے نکلی کے پچھوے "جولائی کا جاسوسی وقت پر لے کی بے انتہا خوشی ہوئی۔ ٹائٹل حسیا جی لگ رہی ہے۔ مرد حضرات مرد کا رٹون زیادہ نظر آرہے ہیں۔ ادارے میں ہمیشہ کی طرح آپ روشنی کی لوید دیتی نظر آتی ہیں اس لیے ہم سب آئین کہتے ہیں۔ کرنی نے تو اسی جھٹلا کر رکھ دیا ہے اس کا خزانہ یہ چمکتا پڑ رہا ہے کہ پورا ڈائجسٹ نہیں پڑھ سکا۔ نکلی کی آمد اور جادوت نے سارا سوڈا غارت کر رکھ دیا ہے۔ سولر کی نکلی سے آسودگی محسوس نہیں ہوتی سوڈا بجسٹ پڑھنے کا خزانہ بھی نہیں آتا۔ کرکٹ سے تو نفرت محسوس ہونے لگی ہے۔ سیاست دانوں نے ملک کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا ہے وہیں پر کرکٹ بورڈ نے کرکٹ فیم کا سواستیا نام کر کے رکھ دیا ہے اور کوئی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں۔ سب ایک دوسرے پر کچر اڑاتے نظر آتے ہیں۔ خیر و فخر کریں۔ محفل میں جنید علی اپنے خوب صورت تہنرے کے ساتھ پہلے نمبر پر وجود ہیں مبارکائی۔ دوسرے نمبر پر محمد حسین اپنے پرنسپل تہنرے کے ساتھ موجود ہیں، عمدہ تہنرہ ہے۔ افسین نسیم کی آلبہ بہت اچھی لگی۔ رما د آپ کی آمد کا انتظار رہے گا۔ کوثری سے محمد راجہ افسان احمد کے مختصر تہنرے بھی اچھے تھے۔ ارم راجپوت اور طلی امجد کی آمد بھی اچھی لگی۔ سرے سے بھی اچھے تھے۔ حامی بٹ کی دہرے شروعات کی۔ کرکٹ شپ "سی اسکپ" پر جام اور اورنگ کا سفر شروع ہو گیا جہاں کی دنیا ہی الگ ہے۔ اورنگ نے جام پر اپنا قبضہ جمانے کے لیے شادی کی آخری کرنی کر دی۔ جاسم نکلسن میں تھا کہ اورنگ کو کس طرح ونڈل کرے گا ایک نئی معصیت نکلتے پڑ گئی جو براخا عرف میڈم سارا لورین کی صورت میں نازل ہوئی۔ جاسم کی پچھلی مارا ماری نے یہودیوں کے جھکے خیر دیے تو اب وہ نئی بارہویوں کے ساتھ اور نئی ٹیم کے ساتھ جاسم کی سرکونی کے لیے نازل ہوئے ہیں۔ اورنگ شاید براخا کا شکار ہو گئی ہے اب آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ اسم کوٹ نام نہ ملنے والا ہے شاید۔ امجد جاوید کی سلسلے دار جنگل کی یہ قسط بھی بھری ہوئی۔ اسد اور عدم پوری کہانی میں مسلسل حرکت میں رہے۔ ہیری اور رانی بھی خوب سرگرم ہیں۔ دوسرے جمبلیوں کے ساتھ ساتھ اسد نے بالا اڑانے بھائی کا بدلہ لے لیا۔ شہزادی کی کمر توڑ دی۔ اور ہدیری کرامت کے نیچے تویر کو بھی خوب شیک شکا ڈیل دوسرا کر دیا۔ آخر میں چوہدری کرامت کو گھیر لیا ہے آگے دیکھیے کیا ہوتا ہے، ویلڈن ہد جاوید۔ بشری امجد کی وارث پڑھی۔ مختصر اور خوب صورت تحریر لگی۔ مختیار بخت کا بخت ہی خراب تھا۔ سلوٹ کے بدو گھر کو آئے کے بعد ان پھر وہیں پہنچ جانے کا اہتمام کیا جہاں سے رہا ہوا تھا۔ ماہو کی ایک مختصر ترجمہ کہانی آسان شکار مناسب رہی۔ سزہا میں کوکولونے لے خود ہی ایک دوسرے کا شکار ہو گئے۔ زویا معفوان خواب عذاب کے ساتھ حاضر ہوئیں۔ بہت سونق پڑو زویا معفوان نے خوب صورت چٹکا ہے۔ بہت عمدہ کی ہے کہانی کے تالے بانے ہے، ویلڈن زویا معفوان۔ جان لیوا محمد دیشان انخرالائے جاسوسی کے قارئین کے لیے۔ واہ واہ..... بہت عمدہ کی ہے کہانی ترتیب دی۔"

اگست 2024ء

حاسوبی ڈائجسٹ۔

مقام سے محمد حسین کی سادگی، ماسوی ڈانچسٹ کا ویدار اس بار ڈالیف ہوا۔ مٹان کی شدہ گری میں پڑے اردول کو بھین اور
 دوع کو سکون دینے کا سبب بنا۔ ایک بارش کے بعد یہاں پر گری کر رہی ہے۔ اپنے میں میں پندہ جاسوسی کی روش کیا گیا ہے کہ
 غنچک پہنچا رہی ہیں۔ ظفر صاحب پر تھپہ کاڑھ ہوا ہوا ہادی دکھایت کا لوٹس لیا گیا۔ بہر حال جو بھی ہوا اس بار ناکل لیتیت تھا۔ لڑکی اور
 جو بٹن برائی تھی لیکن جتنا بڑھت وٹھت ہوئے وہ سے اچھا ہوا۔ انگریز آگسٹوں والی جین پندہ آئی، پہلے والے کارٹون بھی اسے بڑے
 نہیں تھے لیکن اگر انہیں نہ مانگے پڑا دم چکری جانی تو اسری تاڑا اچھا رہا۔ جات کریں تو کئی کئی تو مٹان والے پہنچائے ہوئے
 تھے۔ جیند کو بھی پڑیشن سہارک ہو۔ میرا انٹیم پندہ آس پاس لیے ٹکر پہ لیکن جسے چھلکے ٹھکر سے سے ایسا لگتا ہے کہ چھڑا اب کیا گیا اس
 طرح خود سے نہیں پڑتا جسے پہلے پڑتا تھا کیونکہ اب کیا گیا پر بڑا ہی سرری ہنرہ ہوتا ہے۔ (کیوں بھی پندہ؟) اقبال صاحب نے
 بھی اچھا لکھ لکھا۔ آج کل اس کے قسط وار کیا گیاں پر تہرے بڑے شوق سے پڑتا ہوں کیونکہ بڑے کہانی ہیں اور سارے حالات کی پہلے
 ہی خوش گئی کر دیتے ہیں۔ (جی جی ہائل۔۔۔ اچھا کرتے ہیں۔ کیونکہ کا سونگ مل رہا ہے آپ کو۔) انجین صاحب کو جاسوسی میں دیکھ کر
 اخیر سے دو دلچپ تہرہوں کے ساتھ ابھی سامی نہیں کی۔ حیرا اور ارم راجھت لے گئی اچھا لکھا۔ ساوادل کی پہلی اچھا کا غلط پڑا کر
 ساوادل کی آبی آج بول یاد آئیں۔ وہ بھی ایسے ہی، انڈر کے اسلوب پر ہائیں کرتی تھیں نہالے کہاں غائب ہو گئیں؟ کوڑی کے آفاق
 نے غریب لیکن سنگ کا کردار ادا کیا اور بہر ہر کر تھیں گئیں۔ ابتدائی صلات پر اہل لسان شج کی مرگہا کہاں انقام پڑے ہوئی۔ جیز وٹار
 کہانی اچھے موڈ پر جا کر ختم ہوئی۔ جیز ہر لے چڑ کے ناول کا اچھا تر جہر فوش کیا گیا۔ کچھ غیر ضروری تفصیل بوریٹ کا سبب۔ جی لیکن
 اور آل ایک ابھی پیش کش تھی۔ امید ہے کہ یہ آئندہ بھی بہترین انکسٹر رائلز کی کہانیوں کا ترجمہ کرتے رہیں گے۔ منظر سلیم اچھے
 خصوص امداد سے ہٹ کر اس بار بھی کا کر کے نام سے حراجہ کہانی لے کر آئے۔ مزاح اور ادا کی قسم کا تھا جبکہ ایسی کہانیوں میں عوامی طرز
 کا مزاح زیادہ پسند آتا ہے۔ تحریر کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اوٹ ٹانگ والہات کے نہالے پڑا راجھت بنا کر جاسوسی کہانی میں
 سسٹمز اور مزاح کا کڑا کڑا کر فوش کیا گیا۔ نئے کرداروں کی پہلی کہانی بھی شاید اس لیے کچھ غیر ضروری تفصیلات بھی تھیں لیکن اگر ان
 کرداروں پر لکھنے کا سلسلہ برقرار رکھیں تو اچھا رہے گا۔ (آپ کا مشورہ پہنچا یا جا رہا ہے) اسے آرا انجوت نے مقابلہ میں خوب مقابلہ پس
 کر لیا۔ کہانی کے انگریزی ماحول کو ذرا دیکھ کر بھی بنایا گیا اس لیے کچھ ہائیں ماحول سے میل کٹاتی ہوئی نہیں لگیں۔ جیوی طور پر ایک اچھی
 کہانی تھی۔ قسط وار کیا گیاں پر تہرے سے پہلے ایک درخواست ہے کہ وہ پہلی قسط کا کام ازم ظلم ضرور دو دی کریں۔ دہری تو پھر بھی کچھ نہ کچھ
 سمجھ لگ جاتی ہے لیکن جنگل کا کچھ یادیں رہتا۔ دہری یہ قسط ابھی رہی۔ کردشپ پر سارہ کی آمد لے کہانی کو جاسوسی کے دہرے دہرے۔
 انکسٹن بھی ہمارے ہر دو جام پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب رہی ہے۔ اب دیکھتے ہیں اگلی قسط میں اس کا انقام کیا ہوگا؟ جنگل کی چوکی قسط
 بھی ایشین سے بہر پڑ رہی۔ اسد کبڑی میں اپنے کرن کا انقام لینے میں کامیاب ہوا لیکن کہانی کی تاہم لائن بہت جیل چل رہی ہے یا شاید
 اچھا جاوید صاحب جو علاقہ دکھا رہے ہیں وہاں پہلے ہر دو تین ماہ بعد ہی لگ جاتے ہیں۔ فہری کی انٹری پھر سے ہوئی لیکن بڑی ہی تھکی
 اور بے روٹی سی رہی۔ اسد اور فرنی کا دو باس اس بار معمول سے ہٹ کر تھوڑا تھک تھا کیونکہ اس بار فرنی نے بھی کچھ نہ کیا۔ (آپ کو بڑا
 انکسار ہے) کہانی آگے دیکھتے ہیں کیا سونڈ لگتی ہے۔ ٹکس قاطر نے امداد ہاسی کے نام سے ایک اچھا تر جہر پیش کیا۔ بڑھیا بہت چالاک
 لگی اور اپنی وکالت کے بدلے کلائنٹ کو ٹھگ کر پورا مکان ہی ریڈو کر دیا۔ بشری احمد کی وارث بھی اچھی رہی۔ بے وقوف قاتل
 ونڈر اور جنگل چھ کرتے ہوئے یہ بھول گیا کہ لکھا گیا اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ ماوولی آسان شکار تھی مگر اتنی اتنی ہی دلچپ اور چکا کادینے
 والے انقام کی حامل تھی۔ مختصر کہانیوں میں سب سے زیادہ پسند آئی۔ ایسی کہانیاں ہر ماہ شامل کیا کریں اور ایک سے زیادہ کیا کریں۔ محمد
 ذیشان اختر نے چھلے ماوولی کی کہانی دہی تھی لیکن ناکل اسٹوری لکھتے ہوئے ذرا گھڑا کر کے۔ کہانی کا ٹک اور امداد اختر پر اچھا
 تھا لیکن بیانیہ روانی کا مستثنیٰ رہا۔ ہر کردار نے اسے رنگ بدلے کہ انٹرن ڈراموں کی اچھا دھاری نہیں بھی تھیں بدلتی ہوں کی۔ بھی
 کروڑ پڑا دیوے ایشین سے گزرا تو کہانی میں بیان کے گئے پیچھے جاوولی کی ریڈی ضرور تلاش کروں گا۔ دو مٹان نے خواب غلاب کی
 رات میں پاکستانی قوم کے مستقبل بخار یعنی کرکٹ پر لکھا۔ تاوولی ٹوٹنی وولڈ لپ میں شکست کے حوالے سے انٹرن جیو جہر پیش کر کے
 ایک بہترین لکشن اسٹوری لکھی گئی جو پندہ کی کے معیار پر پورا اترتی۔ کہانی میں کام کے اجماع سے البتہ اختلاف ہے کہ ایسے اسٹریٹ
 کرائم میں اس کی موت نہیں ہونی چاہیے تھی۔ یہ تھا جو لائی کی بہترین کہانیوں پر میرا اسادہ سا تبصرہ۔ آگٹ کا شمار لے کا تو پھر امید ہے کہ
 اس پر سادگی سے بڑھ کر تبصرہ ہوگا۔ (یا اللہ رحم۔۔۔ کون نہر جائے اس سادگی پر۔۔۔)

کوڑی سے آفاق احمد کی پندہ یی "چھلانی گری میں جاسوسی کا حصول ایک مسئلہ بن گیا لیکن اپنے پندہ یہ ڈانچسٹ کے لیے یہ
 قربانی دینا ضروری تھی سو دی اور اتنا دلچسپ ڈانچسٹ حاصل کیا۔ گری کی طرف سے دھیان بنا کر تو جہر ڈانچسٹ پر مرکوز کر لی۔ ناکل پندہ
 آگٹ جہر بہت ساری لک رہی ہے۔ نیچے دو کردار حین کو ساڑ کر لے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے

ہیں۔ بہرست ابھی لگی۔ ادارہ بھی اچھا تھا۔ کرکٹ کے ٹیکل کو اب اتنی اہمیت نہیں دی جاتی ہے کہ وہ ادارہ کی لیت نہیں کیونکہ
 شہر خواد نے آپ کو اتنی باتیں ہی گرا پکا ہے کہ اس کو نظر انداز ہی کر دینا چاہیے۔ جیند ہمالی لیتا مختصر قسط کے ساتھ پہلے گری پر موجود ہیں
 سہارا کا بھی۔ جیند ہمالی کی کہانیاں ہر دوسرے گری پر وہ گری پیری نظر میں پہلے گری پر ہی ہیں۔ ارم راجھت اور انجین کی کہانیوں میں کی اچھا ہمار
 ابھی ابھی لگی۔ ام لے تو اپنے آپ کو گری پر جیڑی کی دوز سے دور رکھا ہوا ہے۔ کہانیوں کی ابتدا مرکب کہاں سے کی۔ جیو ویلے لے چن
 کے ناول کا محو کی تہرہ پڑوش کیا اچھا لکھا۔ بہت اچھی تحریر رہی وہ ویلڈن تھی۔ اس کے بعد حاسم بٹ کی دہر کا مطالعہ کیا۔ مطالعہ
 اس لیے کہ اس میں نئی نئی معلومات بھی ملتی ہیں۔ جیو جیڑی کے کردشپ۔ جس کی دیوای الگ ہے۔ اسی کردشپ پر حاسم کے لیے جیو دی
 اکابرین نے لیا جال پکا ہے۔ وہ بھی ایک خوب صورت جیند کے ذریعے جو سارہ بھی ہے جس کی ہے پناہ صلاحیتوں پر جیو دی کو تار ہے۔
 دیکھتے ہیں حاسم اس کو کس طرح عملی بناتا ہے۔ انکار ہے۔ گاڑا اچھا جاوولی کی جنگل میں اسد پہلے اپنے کرن کا انقام لے لیا ہے۔ اسد کو بھی
 جنگل میں منگل منانے کا خوب موقع مل رہا ہے۔ جیو لڑی، تو بھی لڑی کی لڑی کا کردار کچھ انجین پندہ کر رہا ہے۔ کہانی جوں جوں آگے
 بڑھتی ہے تو لڑی کا کردار واضح ہوگا کہ وہ کھائے ہے۔ خواب غلاب، دو ویلڈن کی موجودہ صورت حال پر بھی ایک خوب صورت تحریر
 لگی۔ کہانی میں سب کچھ ایسا موجود تھا۔ بہت اچھی رو یا معلوان۔ ماوولی آسان شکار و جیزان اختر کی جان لیا اچھا اور ٹکس قاطر کی امداد
 ہا بھی پندہ آئیں۔"

مٹان سے جیند علی کی تفصیلی رپورٹ "ویسے ہرے ملک میں گری گروٹ پر ہے اور ہر کوئی گری سے ٹک ہے مگر یہ بھی اللہ پاک کا
 موسم ہے جس کے بغیر گزارا نہیں کیونکہ مٹانوں کا کردار ارم کی اس موسم پر ہے اور اس موسم کے بہت سے لوازم بھی ہیں تو جو ہے جیسا ہے میں
 ہر حال میں شگری کرنا چاہیے اور تعمیری انداز میں سوچنا چاہیے اور بہتری کی کوشش کرنی چاہیے۔ جاسوسی کا تارہ شمار بہت ہی دلکش سرورق
 سے مزین ہے اور یہ سرورق بڑا کلاسیکل مٹ دے رہا ہے۔ ظفر صاحب بھی مختصر لکھی سے بہر پڑوش بھی بنالیا کیونکہ یاد کر صاحب کی
 کاوشوں سے ہی کوئی آئینہ لے لیا کیونکہ فیر بہرست ہر بات میں خوب صورت اور مفرد جاسوسی کی ہوئی ہے۔ اتنی ڈانچسٹ کی نہیں ہوئی۔
 جیو بھی میں اپنے پندہ یہ سلسلے کی انڈی ڈی وولڈر تھیں کتہ تھیں کرنے والوں کی جنگل میں اب جانا چاہیے جس کے شروع میں ایڈیٹر
 صاحب ہر ماہ کی طرح تخلیق کوئی گزار کر رہی ہیں مگر ساتھ تعمیری پہاڑ بھی واضح کر رہی ہیں۔ خود کو پہلے گری پر دیکھنا جاسوسی کی عقل میں
 کس قدر اچھا لگتا ہے۔ یہ آپ سب بھی بہتر جانتے ہیں۔ انجین ہم اور ارم راجھت صاحب کو جاسوسی میں خوش آمد ید کہتے ہیں اب سارہ
 حاضری پیش بنائیں۔ مختصر ملی اچھا کا غلط بھی ان کی تحریروں کی طرح دلچپ ہے۔ کوڑی سے جاسوسی کے دو دہرے سادگی اور تبصرہ واکار
 یعنی آفاق احمد اور میرا لکھتے جن کے بغیر ہادی یہ محفل ناممل ہے۔ ان کی حاضریاں بھی خوب رہیں اور ہوئی رہیں۔ ساحل سمندر کے دلش
 نکارے سے لطف اندوز ہونے والے اقبال ہمالی۔ اس بار بھی محفل کی لیت رہے ہیں اور سونہر مٹوے کی پیمان یعنی مٹان کے
 ہمارے ہمارے کے بقول ایڈیٹر کے پڑپش حلقے میں تو گھایوں کے پھول کی طرح لگے۔ مانک کارن کا خلا تاخیر کی وجہ سے شامل نہ ہو
 سکا جس کا اسوس نے ذرا جلدی سے ارسال کر دیا کیونکہ سسر چاہے مختصری تبصرہ ہو یا پھر سارے پرنڈی ہو پھر آپ بہتر دیش سے ہیں
 اور انور ہوسف دنی بھی کالی وقت سے طے حاضریں۔ سلمان نسیم اور اشتیاق الحق کی طرح جو تمام سادگی حاضری پیش بنائیں۔ مانکہ نصیر اس
 ماہ غیر حاضری ہیں جن کی ترجمہ شدہ تحریریں اپنا جہر و مقام رکھتی ہیں۔ ویسے اگر کہانی ہوتی جیو بھی ہم اس ماہ میں پڑھ سکتے تھے وجہ کے
 بتاتے ہیں۔ ٹکس قاطر شامل ہیں بہت خوب یہ بھی اچھا لکھتی ہیں۔ ماوولی جاسوسی میں اچھا اضافہ ہیں۔ نعمان احمد کی طرح اور اے آر
 راجھت دو یا معلوان کی تحریروں کی طرح پندہ ہیں۔ آپ سب تحریروں کے خالق عمران قریشی بھی غائب ہیں وجہ؟ سلسلے دار نالز کی اس
 ماہ کی انقام بھی خوب ہوں گی۔ اس ماہ کے آخر میں سید سید سلسلے کے فائلوں ہیں جن کی وجہ سے کوئی بھی کہانی نہیں پڑھ سکا کیونکہ تیاری کر
 رہے ہیں مگر سوچا شمار سے میں شرکت ہو جانی چاہے تو اس کے ماہ دو ماہوں پر طویل تبصرے کے لیے ایڈیٹر صاحب جگہ تیار نہیں تو لیتے ہیں
 اگلے ماہ تک کے لیے آپ ریلے اور ہنڈے پھلوں کے بادشاہ یعنی آسوس سے لطف اندوز ہوتی رہیں۔ جاسوسی ڈانچسٹ اور جاسوسی
 والے ذمہ ہاد۔"

بہاؤ پور سے ڈاکٹر حامد حسن کا اشتہار "سب سے پہلے تو معذرت کہ گزشتہ ماہ پشورہ درانہ معدولیات کے سب غیر حاضری تھا۔ شاید
 اسی سبب جولائی کے جاسوسی کی وجہ سے ہم میاں بھڑی میں جگہ سی ہو گئی کہ استری میں کروں گا/گی! وجہ یہ کہ جولائی کا پورا اسٹاک پانی
 میں تر بہاؤ پور ابھی پر پہنچا اور شمارے کا ہر صفحہ استری کر کے خشک کرنا پڑا۔ (اووہ۔۔۔) سرورق کی بھی شمارے کا سلامت نہیں رہا تھا
 اس لیے اس پر تبصرہ بالکل نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے مرکب ناگہاں کا دوسرا اور آخری حصہ پڑھا اور سترجم کے کمال کا مستحق ہو گیا۔
 مصنف کا اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ اصل ناول کہاں پڑھا، ہم تو سترجم سے واقف ہیں جس نے اسے اپنی دھارے سے کہانی کے نقش ترانے۔

سائبان

زویا مغنیاں

ایک طویل سفر کی خستگی گود سے اُٹے چہرے سے صاف عیاں ہو جاتی ہے... دور دیس میں بھلے والوں کی اپنی الگ دنیا ہوتی ہے... مسائل ہوتے ہیں... جہاں وطن عزیز میں بیٹھے رشتے دار سمجھ نہیں پاتے۔ دور سے ہر پہچانیں... ہر نقش بیت خوبصورت اور پُرکشش لگتا ہے... اصل حقیقت قریب جا کے کھلتی ہے کہ جسے ہم دلکش عمارت سمجھ رہے ہوتے ہیں دراصل کسی کینڈر کے مانند ہے... ایک ایسے ہی خاندان کی کہانی... وہ اپنے لائق فاتح بیٹے کو مغرب کے دیس میں بستا دیکھتا جا رہے تھے... انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اس مشینی معاشرے میں حلقہ رحمی... غلو و رنگرز اور مثبت تاویل جیسے اوصاف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کی پر خوشی... ہر مفاد صرف اپنی ذات تک محدود ہوتی ہے... حتیٰ کہ والدین جیسا قریبی رشتہ بھی مقطع ہو چکا تھا... بین، بیانی ایک دوسرے سے برس پیکار تھے۔ دل میں کدورتیں، رنجشیں تھیں... جذبات و محبت سے دور معاشرے میں جانے والے نرم خون جو ان کی دشواریاں... اپنیوں کے نارواصلوں نے اسے توڑ پیوز دیا تھا...

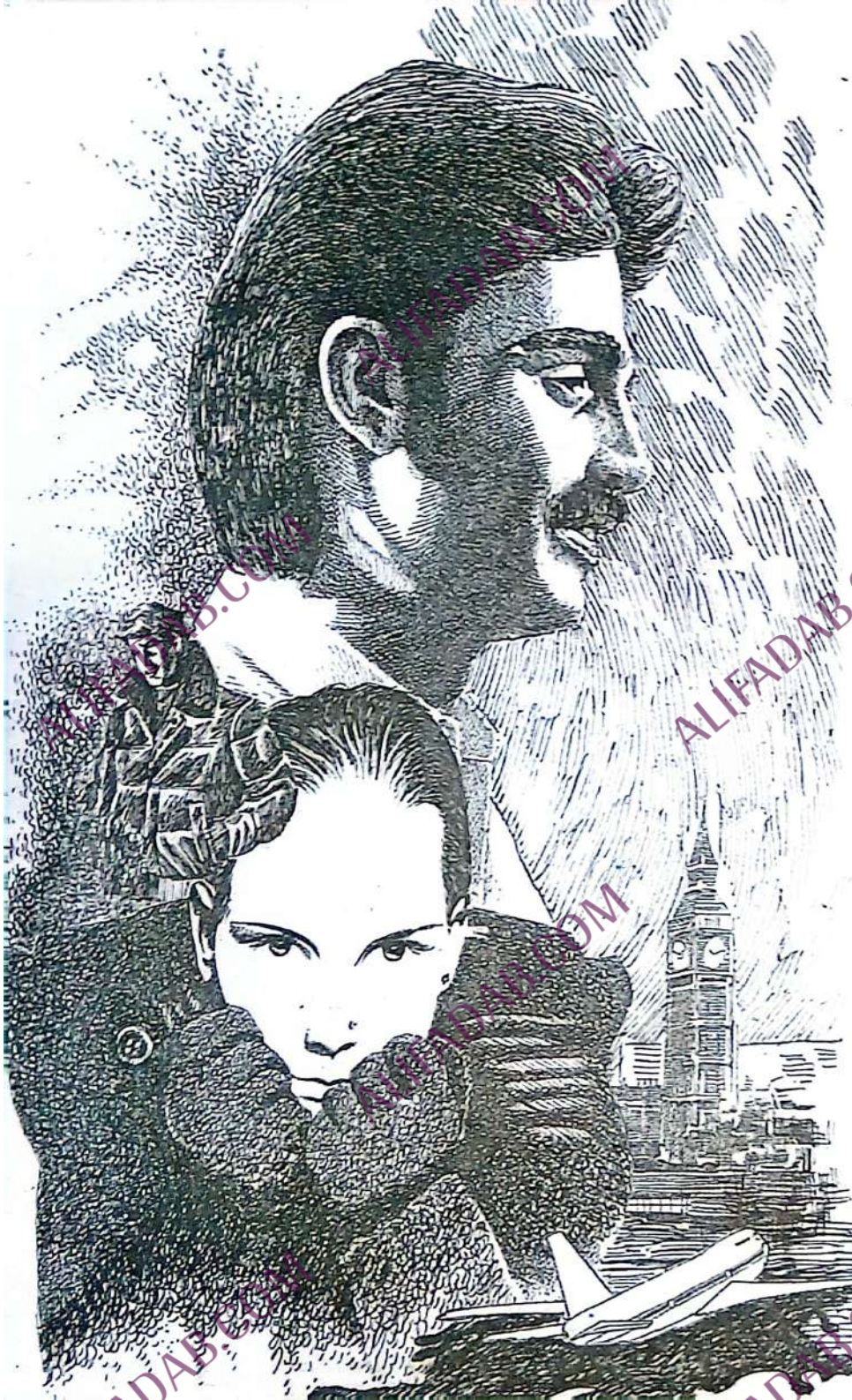
اپنا سائبان چھوڑ کر یار غیر میں بسنے کا

خواب دیکھنے والوں کے لیے ایک دل گداز داستان

”کیا میں مرجھا ہوں؟“
اس کے شعور میں روشنی کی پہلی رتس بیدار ہوئے تھے
ایک سوال نے دسک دی۔ اس کے اطراف میں تاریکی،
دشت اور مٹھن کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ ہاتھوں کو حرکت دینے
کے علاوہ اپنے جہیز بدن کو ہلکی سی جھلک دینے سے بھی قاصر تھا۔
رشتہ تھے بھئی کی مٹی کا احساس بدن سمیٹ لیے پر مجبور کر رہا تھا
لیکن ہمر پرورش کے باوجود بھی کوئی روزن دکھائی نہیں دے
رہا تھا۔ ایسے نگہ دار ایک مقام پر پختہ لینے کے احساس سے
ایک اور سوال نے ذہن پر دسک کے روپ میں ضرب لگا لی۔
”کیا میں کسی قبر میں ہوں؟“
”ہاں! شاید ایسا ہی ہے۔“ بدن میں مرائیگی کی لہر

”لیکن موت کے ساتھ تو سبھی احساسات ختم ہو جاتے
ہیں۔“ اس نے سوچا۔ ”پھر مجھے مٹی کی خوشبو اور مٹھن کی مخصوص
باس کیسے محسوس ہو رہی ہے؟“

ان سوالات کے جواب بننا نہ تھے۔
”اگر میں زندہ ہوں تو میں کسے آؤں؟“ اس نے سوچا۔
”یہاں اسے کسے پہچانیں گے؟ کیا وہ پہچانے گا؟“



پوچھنے پر مسرحتی۔
کچھ لمحوں بعد فہد نے قطار میں خود سے آگے کھڑے
افراد کی گنتی کی اور متاعیل مست میں خواتین کی اس قطار کو دیکھنے لگا
جہاں ان کے ہمراہ ہر عمر کے بچے بھی تھے۔ بچوں کے چہروں پر
بیزاری، تھکاوٹ اور بے چینی لہاں تھی۔ انتہائی کم عمر تو روضہ کو
اپنا احتجاج و یکار دکھانے سے بھی گریز نہیں کر رہے تھے۔
”بچوں کا ہی احساس کر لیں کم سے کم۔“ اس سے آگے
کھڑے شخص نے بھی خواتین کی قطار پر نظر دوڑاتے ہوئے
منظر پرانہ خود کلامی کی۔

دور درمیانی عمر کا قبول صورت اور ایک نرم خُراسان تھا۔
”لگتا ہے آپ کی ٹیلی بھی وہاں موجود ہے۔“ فہد نے
ازراہ تجسس دریافت کیا۔
”جی ہاں! اچھلے تین دن سے یونہی خوار ہو رہے ہیں۔“
اس نے جھنجھلا کر جواب دیا۔
”میرا تو خیر آج فرسٹ ڈے ہے۔ لگتا ہے ساری دنیا
سبیں ٹوٹی پڑی ہے۔“ فہد نے کہا۔

”ہاں تو پاکستان کے جو حالات ہیں، اس کے بعد یہی
آپشن بچتا ہے۔“ وہ شخص ٹھٹکی سے بولا۔
”واقعی! کچھ بھی نہیں رکھا اس ملک میں اب۔“ فہد نے
تاسف سے سر ہلایا۔ اس کی نگاہیں ایک بار پھر خود کار انداز میں
بزرگ کے آہنی دروازے کی جانب مرکوز ہوئیں جہاں ایک
کرخت صورت شخص کھڑا تھا۔ اس کی ٹھٹکی موچیں چہرے کی
سخت گیری میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔ وہ اپنی اسی کرختی، سخت
گیری اور مستحکم کے باعث طویل قطار کو نہایت کامیابی سے
منظم کیے ہوئے تھا۔

اسی اثنا میں ایک بانیک پر کسی نوجوان لڑکے اور بزرگ
کی آمد ہوئی۔ چہنچہن سال سے سچا وہ اس شخص کی ٹانگوں میں واضح
لرزش تھی۔
”کو بھئی! انہیں جانے دو پہلے اندر۔“ دربان نے تان
لگائی۔

”ایسے کیسے بھئی؟ یہ اچھی مصیبت ہے۔ ہم یہاں صبح سویرے
بچے کے لائن میں سڑے ہیں۔ اور یہ ہر بزرگ کو نور اندر بھیج
دیتے ہیں۔“ فہد سے پیچھے کھڑے شخص نے بیزاری دکھائی۔
”بھئی روز ہیں یارا!“ پہلے شخص نے پوچھل انداز میں بتایا
اور ایک جانب لگے پور ڈوکی جانب اشارہ کر دیا۔

ان سفید بوڑھے پر سیاہ اور سرخ روشنی سے ہدایت کندہ
کی گئی تھیں جن کے حلق آس پاس مڑلاتے کیسی کیسی لکڑی
کے جانے میں نہانے کی تھیں کے ساتھ بزرگ افراد کے لیے

ترجیحی داخلہ لازم تھا۔ فہد وہاں نصب تمام تر بورڈز اب تک کی
بار پڑھ چکا تھا۔
”پہلے تین دن نہیں آیا تھا آپ کا؟“ اس نے
پہلے شخص کو دوبارہ مخاطب کیا۔
”اگر یہی بہت لمبی تھی۔ دو بجے تک جتنے لوگ اندر چلے
جائیں وہی نہ لے جاتے ہیں بس۔“ وہ ہونٹ پیچھے ہوئے بولا۔
”آئی سی! فہد نے بھی ہونٹ کیڑے۔ ”راٹ میز
ایک بار انتہائی مل جائے تو کام کیا ہے پھر۔“

قطار میں اس سے آگے اب تین افراد رہ گئے تھے۔
”تین اندر جا رہے جتنا بھی رش ہو پھر۔ انتہائی ہو جائے تو
کام ہو ہی جاتا ہے۔“ اس شخص نے اپنے ”جڑے“ آگاہ کیا۔
”کہاں جانا ہے ہائی دی دے آپ نے؟“ فہد نے
منگھٹو آگے بڑھائی۔
”اپنی ٹھٹکی کے ساتھ عمرے پر جا رہا ہوں۔“ اس کے
چہرے پر عقیدت و محبت کے رنگ چمکے۔
”ماشا اللہ! پروردگار مبارک فرمائے۔“ فہد نے خلوص

دل سے جواب دیا۔
اسی اثنا میں آہنی دروازہ ایک بار پھر کھل گیا۔ قطار
میں واضح ہلچل پیدا ہوئی تھی۔ بیزار چہروں پر امید خوشی
چمک اٹھی۔
”آپ لوگ آج ایسے اندر!“ کرخت صورت نے فہد
سمیت پانچ افراد کو اشارہ کیا۔
فہد کے بدن میں سناہٹ، جوش، امید اور خوشی بیک
وقت حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس نے بھرپور اعتماد سے آہنی
دروازے کے اندر قدم رکھ دیا۔

☆☆☆
”حسن جاوید اپنے دفتر سے واپسی پر گھر داخل ہوتے ہی
ایک غیر معمولی توانائی کی لہر محسوس کرتے تھے۔
”لگتا ہے آج بھی صاحب کا خنڈا اچھا ہے۔“ انہوں نے
سر کھجاتے ہوئے خود کلامی کی۔

ان کی سوچ بالکل بجا تھی۔ درخت، درخت گھر میں داخل
ہوتے ہی ٹائلنگ کی بیزار آوازیں ہی سماعت میں پڑتی تھیں۔
انہیں ایلہ کی زبان سے ادا کردہ فقرے تو اب ازبر ہو چکے تھے۔
”ارے موصدا! چھوڑ دو اس موبائل کی جان اب اچھے
بازار سے سامان لا دو جا کر۔ نہیں تو میں خود ہی چلی جاتی ہوں۔“
”کیا یار ماما؟ ابھی تو پکڑا ہے موبائل۔“ اٹھارہ سالہ
موصدا کی جھنجھلاہٹ آواز آئی۔
”جب بھی پوچھا جائے ابھی کہتے ہوں۔ ابھی تو پکڑا

ہے۔“ ٹائلنگ بیٹے کی لعل اتارتی۔

”سامان ایک ہی بار کیوں نہیں منگوا لیا کرتیں آپ؟“ وہ
مزید جھنجھلاتا۔ ”دن میں دس بجے لگوائے ضروری ہوتے ہیں
کیا؟“
”ہاں ہوتے ہیں۔ میرا آپ گھر سے تنگ ذرا منت
نہیں بھیجتا مجھے۔“ ٹائلنگ کا جواب موصول ہوتا۔ ”میں دن نوکری
لگ جاؤں گے ناں مہینہ بھر کی گھر مری لا دیا کرتا۔ پھر پھر
لگواؤں گی۔“

”یہ کیا شور مچا رہا ہے ماما؟“ انیس سالہ مایاں تان
لگاتی۔ ”سکون ہی نہیں ہے قسم سے ایک منٹ بھی۔“
”مہارانی صاحبہ! سکون صرف قبر میں ہوتا ہے۔“ ٹائلنگ
طنز کا آغاز کرتی۔
”ہاں! وہ بھی اس صورت میں کہ اعمال اچھے کیے
ہوں۔“ موصدا بھی چلتی پر چل کا کام کرتا۔
”چپ کر اڑے کیڑے! مایاں اپنے بڑے ہوئے
کاروبار بھائی۔“

”ہاں! چپ کر جاؤ۔ ہماری مہارانی کمرے کی تین
الٹیں اور دو ٹھٹکی چلا کر اپنے جہنم کا سامان تیار کر رہی ہے۔ سربل
دیے کے لیے کی لٹاری لٹکی کی ہماری۔“
ٹائلنگ کا اٹھارہا اس قدر بھرپور ہوتا کہ مایاں بلبلاتا کر رہ
جاتی۔

کئی برسوں سے جاری اس ”معمول“ میں آج پہلی بار
تبدیلی نے حسین کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کیا تھا۔ کو مایاں کے
خالی کمرے میں تینوں لائٹس اور ایک پنکھا چلتا دکھائی دے رہا
تھا۔ اس کے باوجود ٹائلنگ کا خوش مزاج اور مختصر ڈانگ روم
میں بیٹھے چاروں افراد کی خوش گیلیاں بھی مثبت توانائی کا واضح
عندیہ تھیں۔

”یہ لو! اٹھارے پاپا بھی آگئے۔“ ٹائلنگ کی نظر پھر پھر
پڑی۔

”کیا بات ہے بھئی؟ آج سورج کدھر سے نکلا تھا؟ کمرے
میں ایسا سلوک اتفاق! کدوں کی لائٹس بھی جل رہی ہیں۔ کیا
داہن والوں سے کوئی ٹک ٹک کر لیا ہے؟“ انہوں نے اپنے
مخصوص نرم انداز میں چوٹ کی۔
مایاں ہلچل ہو کر کمرے کی جانب بھاگی۔
”بس یہ موصدا ابھی اکیلے ہی سے واپس آیا تھا تو فہد سے
بات کر رہا تھا۔“ ٹائلنگ نے وضاحت دی۔ ”آپ بیٹھے میں
چائے لے کر آتی ہوں۔“

”ہاں بھئی! وہ فہد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ”ہو آئے
یہ بھئی! وہ فہد کی جانب متوجہ ہوئے۔ ”ہو آئے

سانچا

پھر پاسپورٹ آفیس سے؟ کیا مانا؟

فہد کو اپنے وجود میں ظاہر کا احساس ہونے لگا۔ وہ گھر
واپسی کے بعد تینوں افراد کو یکے بعد دیگرے ساری داستان
سنا چکا تھا۔ اس کے باوجود اس کی داستان کی دہرائی پر پہلا فرد
نہ صرف از سر نو اس سرگزشت کا حصہ بن جاتا بلکہ اس کے ہاتھ بھی
ہولنے کی صورت میں تقہ دیتے ہوئے لے کر وہ بات یاد کروا
دی جاتی۔
”کر تو دیا ہے اپلائی۔“ فہد نے حسرت سے بات کا
آٹھال کیا۔

”بھائی! تارہا تھا کہ بہت دیر تھا وہاں۔ صبح سات بجے
جانے کے باوجود اس کا نوکین گھر ”کیس“ تھا۔“ مایاں نے
کمرے سے برآمد ہوئے ہوئے لہجہ دیا۔

”بہت دیر تھا۔ جتنے لوگ اندر تھے۔ اس سے ذیل باہر
تھے۔“ فہد وہ منظر یاد کرتے ہوئے گھر بھر گیا۔
”حالات ہی کچھ ایسے بن گئے ہیں۔ ہر کوئی ملک سے
باہر جانے کے درپے ہے۔“ حسین نے لہجہ آہ بھری۔

”ہاں تو اس ملک میں رکھا ہی کیا ہے اب؟ مہنگائی،
کرپشن، لوٹ مار کے سوا کیا ہے یہاں؟“ ٹائلنگ نے شوہر کو
چائے کا کپ تھمایا۔

”وہائی مہنگائی تو برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ جیڑوں
کے ریش پھر بڑھ گئے ہیں۔“ حسین نے بتایا۔

”بس تو پھر ہر چیز کو بھی آگ لگ جائے گی۔“ وہ جڑے
ہو گئے۔

”رش کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ لوگ عمرے کے لیے بھی
پاسپورٹ بنوانے آئے تھے۔“ فہد نے بتایا۔ ”کچھ البتہ
دوسرے دائرین تھے۔“

”ایسے ہیں بھی لوگ! ایسے یہ دنیا مہنگائی مہنگائی روٹی
سے لیکن اندر خانے سب لے اپنے بیک بھرے ہوتے ہیں۔“
ٹائلنگ نے منہ بنایا۔

”اللہ پاک سبھی کو اپنے در پر بلانے کی توفیق عطا
فرمائے۔“ حسین نے پوچھل انداز میں کہا۔

”فہد! میرے چاند اتم کو یو کے جاکر پہلا کام بھی کرنا
ہے۔ اپنے پاپا اور مجھے عمرہ کر دانا ہے۔“ ٹائلنگ نے آس بھری
نظروں سے بیٹے کو دیکھا۔

”جی اللہ! اللہ! میں نے بھی یہی سوچ رکھا ہے۔“ وہ
مسکرایا۔

”اس کے بعد جسے سہا لے کر کیجیے گا۔ میں نے وہاں کی
یوہر شیز سرچ کر لی شروع کر دی ہیں۔“ موصدا نے کہا۔

”ٹھیک ہے اذیکہ لیں گے۔ ویسے اسامہ کے لیے ماہین کا جو رخصتی تھا لیکن چلو خیر اہم پروتی تو اپنی بیٹی کی پریشانیوں سے بچنے کے لیے۔“ وہ جبر ہوا۔

”میرے ذہن میں بھی یہی بات تھی۔ لیکن پھر علم ہوا کہ اسامہ نے لومبرج کی ہے۔ ان کے کسی کاروباری دوست کی واقف کار بھی تھی۔“ شائلہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

”ویسے ایک کام تو اب بھی ہو سکتا ہے۔“ حسین نے ایک توقف کے بعد کہا۔

”آپ کا مطلب ہے مناشا اور فہد کی شادی۔“ شائلہ کی آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں لرز رہی تھیں۔ ”لیکن اس سے پوچھ لیتے پہلے۔ ظاہر ہے کہ لائف پارٹنر کے لیے اس کے ذہن میں کوئی نہ کوئی کچھ تو ہوگا۔ اگر مناشا اس پر پوری نہ اتاری تو؟“

”تمہاری بات اپنی جگہ ٹھیک ہے۔“ انہوں نے تائید کی۔ ”میں فہد سے بات کر کے اسے کچھ چیزیں سمجھا دوں گا۔ اللہ نے چاہا تو یہ چیزیں مل جائے گا۔ اس کے بعد فہد بھی بچے کے سہیل ہو کر مکمل حالات بدل سکتا ہے۔“

لیو چر بن جائے گا اُس کا۔“ شوہر کی اس تجویز پر شائلہ نے اثبات میں سر ہلادیا۔ حسین نے چند ہی روز بعد اپنی بات بچے کے گوش گزار دی۔ فہد اس پیشکش پر متذبذب ہو گیا۔

”دیکھو بیٹا! ارشد بھائی نے ساری زندگی بچے کے میں گزار دی ہے۔ بہت کچھ بنا رکھا ہوگا۔ بچے بھی برلن میں ہو لڈر ہیں۔ جنہیں وہاں سینٹ ہونے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ لائف بن جائے گی۔ ہاں اگر کوئی اور پسند ہو تو بھی بتا دو۔ نہیں کوئی اعتراض نہیں۔“ وہ رمان سے بولے۔

”پسند تو خیر کوئی بھی نہیں۔ اس اینٹھل پر آج تک کوئی پوری نہیں اتری۔“ فہد ایک توقف سے کہنے لگا۔ ”لیکن وہ اس رشتے کے تیار ہو جائیں گے کیا؟“

”اسامہ بہن سے چھوٹا ہے۔ اس کی شادی پہلے کرنے کی صورت میں وہ کہیں نہ کہیں پریشانیوں میں پڑے گا۔ ان کے دل میں گھر کرنے کی یہی پریکٹ ٹائٹنگ ہے۔ تم بس سوچ سمجھ کر ہر قدم اٹھانا۔“ انیس کی بھی سوچ پر اپنے اصل ارادے کی ہینک نہ لگنے دینا۔ کسی بھی لمحہ ابروؤں کی ٹھٹھکیں اور اپنے ملک کی برائی مت کرنا۔ ورنہ انہیں یہی امپریشن ملے گا کہ تم بھی عام لڑکوں کی طرح باہر سیٹ ہونے کے چکروں میں ہو۔ مناشا سے ایک فاصلہ رکھنا۔ زیادہ فری ہونے کی صورت میں وہ پہلے ہی ٹھیک ہو جائے گی۔“ حسین نے مزید سمجھایا۔

”جی! اچھا! اتفاقاً اندازہ ہے کہ ابروؤں کی ٹھٹھکیں بہت کم ہونے لگی ہیں۔“ اس نے اپنے کتابی علم کی بنیاد پر کہا۔

”لیکن ہوتی تو خیر لڑکیاں ہی ہیں نا؟“ شائلہ خاموش نہ رہ سکیں۔ ”ہر لڑکی کو پیار اور پردا کرنے والا سچی چاہیے ہوتا ہے۔“

”تمہاری بات ٹھیک ہے۔“ حسین نے تائید کی۔ ”لیکن یہ بھی ہے کہ وہ لوگ خود فہد کی جانب متوجہ ہوں۔ یہ بات بھی بن سکتی ہے۔“

فہد نے بھی انداز میں سر ہلادیا۔ اس کے بعد ارشد جاوید کی آمد ہوتے ہی شائلہ نے محنت مٹا کر آدھا کاغذ ہر کیا۔ فہد نے شادی کی ہر تیاری میں ان کا ہمراہ ساتھ دیا۔ شوخی قسمت اس دوران تعلیمی اداروں میں بھی سرما کی تعلیمات تھیں۔ وہ بے لگاری سے اپنے شب و روز ان کے مختلف کاموں کے لیے مختص کر رہا تھا۔ ارشد اور لوس کے اخلاق و عادات کے گردیدہ ہو چکے تھے۔ اپنے ملک کے لیے خلوص اور بے غرضی بھی ایک پلس پوائنٹ ثابت ہوئی تھی۔

ایک ماہ کا چشمِ دون میں بیت گیا۔ شادی کی ہر تیاری یادگار ثابت ہوئی۔ فہد نے مناشا سے خاصا لیا دیا ورنہ اختیار کیا ہوا تھا۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے مناشا کو کچھ خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ اپنے سوشل اکاؤنٹس پر ایک سے بڑھ کر ایک پور میں تصویریں اپلوڈ کرنے والی مناشا حقیقی زندگی میں خاصی بے کیف جسمانی ساخت کی حامل تھی۔ اس کے نقوش و ظریف اور فیکٹن تھے تاہم نسوانی حسن سے محروم بہر حال مسلمہ تھی۔ اپنی اسی کمزور اور استخوانی جسامت کے باعث فہد کو اس میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوئی تھی۔

”کوئی بات نہیں اب سب کچھ پریکٹ تو نہیں ملتا۔ کر لیں گے نزا۔“ اس نے خود کو گھمایا۔

شادی کی تقریبات کے اختتام پر حسین نے بڑے بھائی اور ہم دلف کے لیے دعوت کا اہتمام کیا۔ وہ بھی اس ٹیکٹ نوٹیکڈ کے لیے بہت پُر جوش تھے لیکن قسمت کو کچھ اور اسی منظور تھا۔ پاکستان آمد کے بعد تمام تر ہیز بالائے طاق رکھ کر شب و روز مریض اور چٹ پٹے کھانوں کے ارشد کی طبیعت میں جان لیوا لگا پیدا کر دیا۔ ان کے لیے دل کا پہلا دورہ ہی مہلک ثابت ہوا تھا۔ بڑے بھائی کی اس حالت نے حسین کو بڑا کر دکھ دیا۔

”بھئی بھائی! یہ فائدہ ہے۔ اس طرح کیسے کر سکتا ہے کوئی؟ آپ کو بالکل ٹھیک ہوتا ہے۔“ وہ اسپتال میں ملاقات کے دوران اپنے آسودوں پر قابو نہ رکھ پائے۔

”مجھے تھوڑا سا دبا لے یہاں بھی کھینچ کر لائی تھی۔“ انہوں نے بدقت کہا۔ ”میں نے زندگی میں بہت محنت کی ہے حسین! کروں کے اس ملک نے بہت لچھڑا ہے مجھے۔ اللہ کا

شکر ہے۔“

شکر ہے۔ بس ابھی کڑی گئی۔ بیٹا اپنے گھر کا ہو گیا۔ بیٹی کی لگتی۔ اب وہ بھی نہیں رہے گی۔ میری بیٹی کو اپنے بیٹے کے لیے قبول کر لو۔ میں چاہتا ہوں میری کوئی تو اولاد یہاں قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے موجود ہے۔“

”حسین! گھر کے لیے ساکت ہو گئے۔ ان ناکاحات میں اُن کا دل بھی شدت سے دھڑکنے لگا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں! وہ سنبھل کر بولے۔ ”لیکن مناشا تیار ہو جائے گی کیا؟“

ارشد کی دیران آنکھوں میں اندیشوں کی پرچھائیاں لرزنے لگیں۔ وہ دلی طور پر مناشا اور فہد کا نکاح کر دینے کے خواہش مند تھے لیکن تقدیر کچھ اور ہی منظور تھا۔ والد کی بستر مرگ پر خواہش نے مناشا کو متعرض ہونے کا موقع دیا نہ ہی نکاح کی نوبت آسکی۔ ارشد دل کے بے روپے مزید درودوں سے جانبدار نہ ہو سکے تھے۔ رسمِ قتل کے بعد ان کی روانگی کا وقت چلا آیا۔ مناشا نکاح کی تجویز پر خاصی نہیں بچیں تھیں۔

”میں بچے کے چھوڑ کر یہاں سنبھل نہیں ہو سکتی۔“ وہ دونوں کہنے لگی۔

”لیکن بیٹا! تمہارے پاپا کی آخری خواہش تھی۔“ حسین نے دوا لائی حیرت زما۔

لوں! خاموشی شائلہ کے لیے ناقابل فہم نہیں تھی۔ وہ اپنی جہاندیدگی کے باعث بھانجی تھیں کہ نور بھئی کو نظروں کے سامنے ہی رکھنا چاہتی ہے۔ شائلہ مہر و سکون سے بیٹی کے تھیلے سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگیں۔

”تو ٹھیک ہے نا! کروں کی شادی۔ لیکن یہ شادی یہاں نہیں ہو سکے گی۔ فہد کو ہاں آنا ہوگا۔“ اس نے بے لچک انداز میں کہا۔

فہد اور حسین پر گویا شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ ”اگر فہد کو کوئی اعتراض ہو تو بھی کوئی ایسا نہیں۔“ نور نے لب کشائی کی۔ ”گھر کا بچہ ہے۔ تمہارے بھائی دل و جان سے اسے اپنا بیٹا بنا چاہتے تھے۔“

حسین مرحوم بھائی کے ذکر پر آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ فہد نے منانت بھری تجویز کی۔ مناشا کی یہ تجویز قبول کر لی۔

نے اطمینان سے جواب دیا۔

”مجھے وہ مناشا کوئی اتنی خاص نہیں لگی۔“ ماہین نے سنجیدگی سے کہا۔ ”بھائی کے سامنے بس مسووی ہے۔ یہ بھل بچے کا تو نہیں۔“

”تو ابھی بات ہے ناں! فہد کے سامنے ذرا دبا کر رہے گی۔“ حسین نے اپنے تجربے کی بنیاد پر کہا۔

”آئی ڈونٹ تھنک سوا! وہ مزید تنجید ہوئی۔ ”جتنائیں نے اسے تنج کیا ہے وہ بہت شارپ ریز روز اور ٹیکلو لڈ لڑکی ہے۔ صاف کوئی تو اگلے کو ڈس لیں ہی کر کے رکھ دیتی ہے۔“

”ارے فہد بھائی سب سینٹ کر لیں گے۔“ موصد پرجھٹن تھا۔ ”کتابیں پڑھ پڑھ کر بہت اچھا لکچرل ہو چکے ہیں۔ الفاظ کی میٹھی مار سے سب سنبھل کر لیں گے۔“

”ہو پ سوا ویسے میں نے سنا ہے کہ اسامہ کی سزا کا ویزا پراسس چل رہا ہے۔ وہ اسے بولائے گا بہر۔“

”اس کے بعد فہد کو بھی بولائیں گے۔ وہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ حسین کی آنکھوں میں خوابوں کے چمک چمکے۔

فہد بھی اُس وقت کے انتظار میں گھبرا کر رہا تھا۔ وہ مناشا کے لیے دیے ہوئے کے باوجود دستاویز انداز میں رابطہ برقرار رکھے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے قریبی احباب میں سے کسی کو بھی اس سیزر ریشے اور اپنی مکمل روانگی کے متعلق کچھ بھی نہیں لگنے دی تھی۔

ارشد کے انتقال کو تین ماہ کا عرصہ بیت گیا تھا۔ نوکی جانب نے خاموشی کے گھر بھر میں تشویش کا سماں پیدا کر دیا تھا۔ وہ اُن گنت اندیشوں کا شکار ہونے لگے تھے۔ اس اذیت و کشمکش کا خاتمہ بالآخر نور کی فون کال سے ہو گیا۔

”کیسی ہو نور؟ تم تو بھول ہی گئی تھیں داہیں جا کر۔“ شائلہ روایتی انداز میں شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

”نہیں! بھولنا کیوں ہے؟ یہاں روشن ہی بس ایسی ہے۔ زندگی ٹھوڑا کر رکھ دیتی ہے۔“ انہوں نے پوچھل سے انداز میں بتایا۔ ”پھر جب میں فری ہوئی ہوں تو پاکستان میں آؤ گی رات ہو چکی ہوتی ہے۔“

”لو بھلا! کیا ہم سے بھی زیادہ مصروفیت کی کوہو گی؟ دن بھر سکون کا سانس لینے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔“ شائلہ نے بہن کی بات چٹکیوں میں اڑادی۔

”ہاں! لیکن تم نہیں سمجھو گی بہر حال پاکستانی عورت واقعی بہت خوش قسمت ہوتی ہے۔ اسے گھر کی چادر یواری میں رہ کر سب کچھ سنبھال کر رہنا ہوتا ہے۔ یہاں عورت کو گھر اور جواب دونوں ہی دیکھنے ہوتے ہیں۔“ نور نے ایک توقف سے کہا۔

”تو کیا تم نے عدت پوری نہیں کی؟ اب بھی جاب کر رہی ہو؟“ وہ حیران ہو گئیں۔

”یہاں یہ سب مذہبی فرائض چھوٹے سمجھے جاتے ہیں۔ جاب تو بہر حال جاب ہے۔ ان کے بغیر گزارا ہی نہیں۔“

نور کی اس تاویل پر شائلہ نے نا بھی سے کندھے اچکا دیے۔ وہ حقیقتاً ان لوگوں میں سے تھیں جن کے لیے بیرون ملک زندگی آسائشات اور سہولیات کی بھرمار کا دوسرا نام ہوتی ہے۔

”میں تم سے ایک ضروری بات کرنا چاہتی تھی۔“ نور کے سنجیدہ انداز پر شائلہ کی تمام تر حسیات چوکنا ہو گئیں۔ وہ ہر تن گوش ہو گئیں۔

”میں جانتی ہوں کہ تم لوگ بھی ایک عام انسان کی طرح کسی بھی قادر کثرتی میں زندگی جنت سمجھتے ہو۔ ایک لحاظ سے شاید شک بھی ہے۔ یہاں بہت سی سہولیات اور تحفظ ہے لیکن برکھوت تحفظ اور آسائش کی کوئی نہ کوئی قیمت ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کو یہ قیمت تو چکانی ہی پڑتی ہے۔ ارشد اور میرے یہاں آنے کے بعد سے اب تک حالات بہت تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہم دونوں نے جاب کرتے ہوئے کچھ کا نظام سیٹ کیا۔ اس سلسلے میں پہلی پلاننگ بھی طویل ہو گئی۔ خیر! یہ سب باتیں کرنے کا مقصد بہر حال یہ ہے کہ تم لوگوں کو کچھ فیکٹس بتا دینے چاہئیں۔ مجھے پتا ہے پاکستان میں بیٹھے لوگ یہی سوچتے ہیں کہ یہاں پیسوں کے درخت اگتے ہیں جس سے جب اور جتنا دل چاہے پیسہ اتارا جاسکے۔ نہیں! ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ میں صرف اپنی بات کروں تو شروع کے پانچ چھ سال کرایہ بھرنے کے بعد ہم نے اپنا گھر مورچ پر لینے کا فیصلہ کیا۔“

”مورچ مطلب؟“ شائلہ نے پوچھا۔

”ہم حکومت کو ہر ماہ فکسڈ رقم بے کرتے ہیں۔ وہ ہمارے گھر کی قیمت ادا ہوتی رہتی ہے۔ ارشد بے اماؤنٹ بے کر دیا کرتے اور میں گھر کی سب کچھ بلز وغیرہ ہم دونوں مل ملا کے دے دیتے تھے۔ بچوں کی ایجوکیشن کا البتہ اتنا ایڈوانس نہیں ہوا۔ ایک خاص عمر تک گورنمنٹ ہی بچوں کا خرچہ دیتی ہے۔ تو ہم نے جو کیا یادہ زندگی کی گاڑی بھینسنے کے لیے لگائی دیا۔ اس کے علاوہ پاکستان ورت بھی ان فیکٹ ایک ایجنسی ہی ہوتا تھا۔ ٹیکس کا خرچہ وہاں ہر ایک کے لیے کچھ لیکن دین کا سامان اکٹھا کرتے بچت مفر پر آجاتی تھی۔ اب یہ بات تو ہمیں بھی پتا ہی ہے کہ باہر سے آنے والوں پر بھی کی نظریں ہوتی ہیں کہ وہ کس کے لیے کیا لگا رہے ہیں؟ جس کے لیے کسی کی رو بٹائے اس کے ساتھ ساتھ وہاں رہتے ہیں رہا کرتا۔“

نور کی ان پلاننگ باتوں نے شائلہ کو بڑبڑ کر دیا۔ انہیں بے اختیار ہی وہ لحاظ یاد آئے تھے جب ان دونوں کی واپسی کا سانسے ہی فرمائشوں کا ایک ڈھیر ارسال کر دیا جاتا تھا۔ یہی ان کی سوچوں سے بے خبر نور نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

”گورنمنٹ کے بعد یہاں حالات بہت بدل چکے ہیں۔ کوسٹ آف لائف بڑھ کر نا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ ہر چیز کی قیمت آسمان سے باتیں کرتی ہے۔ وہی سہی کسٹروکین اور روس کی جنگ نے پوری کر دی ہے۔ اب یہی وقت سیونر کے نام پر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ جو کچھ تھا اسامہ کی شادی پر لگ گیا۔ وہ بھی اسی کی ضد تھی کہ شادی پاکستان میں کرنی ہے ورنہ یہاں لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی۔ اپنی سز کو بوائے کے لیے خرچہ بھی وہی کر رہا ہے۔ اب بچویشن کچھ ایسا ہے کہ ہم جنہیں کسی خجولی آس پر نہیں رکھنا چاہتے۔ فہد کو یہاں آنے کے لیے سارا خرچہ خود ہی کرنا پڑے گا۔ تاشا کی بھی یہی ضد ہے کہ فہد خود ہی سب کچھ کرے تو ہی یہ رشتہ ہوگا ورنہ سچ کہہ رہی ہوں یہاں رشتوں کی کمی بہر حال نہیں ہے۔“

نور کی اس صاف گوئی پر شائلہ ساکت رہ گئیں۔ ان کے خوابوں کے شیش محل میں واضح دراڑ پیدا ہوئی تھی۔ وہ بھی یہ گمان کیے بیٹھے تھے کہ اسامہ کی طرح تاشا بھی فہد کے تمام تر اخراجات خود برداشت کرے گی۔

”ہاں! تو یہ سب فہد نے ہی کرنا تھا۔ ہم نے تو پہلے ہی یہ مانٹو بنالیا تھا۔ ارشد بھائی زندہ ہوتے تو بھی فہد نے ہی یہ اسٹیپ لینا تھا۔“ انہوں نے فوراً بات بنائی۔

”اس کی یہی خودداری ہمیں پسند آئی تھی۔ بہر حال تاشا باقی معاملات اور پراسیس اُسے سمجھا دے گی۔“ نور نے حتمی انداز میں کہا اور لودائی کلمات کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

اس شام موجودہ صورت حال سے آگاہی کے بعد حسین اور فہد مضطرب ہو گئے تھے۔

”یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ یہی کی طرح انکار ہی کر دیتیں خالہ!“ اس نے سر جھٹکا۔ ”آپ نے بھی تو دانا ہی بھری۔“

”تو اور کیا کرتی؟ سوچنے کا وقت مانگنے کا تو یہی مطلب ہوتا کہ ہم انہی کی آس پر بیٹھے تھے۔ نقصان کس کا ہونا تھا؟ کیا ایسا سامع دوبارہ ملنا تھا؟“ وہ تڑخ گئیں۔

”تمہاری ماں نے بالکل شیک کیا ہے بیٹا!“ حسین نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ”تم نے ان کی بات پر غور نہیں کیا۔ تاشا کی یہی مرضی ہے کہ تم سارا خرچہ خود کرو۔ مطلب وہ

جنہیں آزمانا چاہ رہی ہے۔ بھائی کی وہ تقریر بھی ایسی لیے ہو گی کہ ہماری برداشت آزمائی جاسکے۔ یہ وقت بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کا ہے۔ مجھے یقین ہے ایک ہمارا تاشا تمہاری نیت سے اس میں ہو گئی اس کے بعد ضروری سارا خرچہ اٹھانے کی ہاں بھر لے گی۔ یہ تو میں مان ہی نہیں سکا کہ ان کے پاس کوئی سیونگ نہیں ہوگی۔ باہر والوں کے یہی ڈرا ہے ہوتے ہیں۔“

”مجھے بھی یہی لگتا ہے۔“ اس نے تاکید کی۔

”تمہارے پاس کتنی کے جتنے بھی پیسے رکھے ہیں فیکٹ میں وہ استعمال کرلو۔“ حسین نے تجویز دی۔

”ایسا ہی کرنا ہوگا۔“ فہد نے فحش آہ بھری۔

”تم بہر حال تاشا سے بات کر لینا آج۔“ شائلہ نے یاد دہانی کروائی۔

”کر لوں گا۔ مجھے پتا ہے کیسے ونڈل کرنا ہے اُسے؟“ وہ پھر اعتماد تھا۔ الفاظ کی بخت کاری میں اسے جھٹکا ملکہ حاصل تھا۔ نصف شب کے قریب تاشا کی فون کال موصول ہو گئی۔

”آئی ایم سوری فہد! میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“ اس نے رساں سے بات کا آغاز کیا۔

”اوہ! ٹو ناٹ ایٹ آل۔“ فہد نے خوش خلقی سے جواب دیا۔

”آج پاکستان میں تو کافی رات ہو گئی ہوگی۔ یہ بیٹا ناٹم ہوتا ہے۔ لیکن میرے پاس بھی ناٹم ہوتا ہے بات کرنے کے لیے۔“

”ہم... لیکن میں لیٹ ناٹم ہی سوتا ہوں۔“ اس نے فوراً آگاہ کیا۔

”تو کیا؟ جہاں تک مجھے ناٹم ہے تم ڈیل جاب کرتے ہو۔ اس کے بعد تو ہمیں جلدی ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ تو یہاں نو یا کر بے تک سوجایا کرتے ہیں۔“ تاشا حیرت زدہ ہوئی۔

”ٹیکسٹ ڈے بچکر دی تیاری بھی تو کرنی ہوتی ہے۔ اتنا ناٹم تو لگ ہی جاتا ہے۔“ فہد نے بے نیازی سے جواب دیا اور موضوع منتقل کر کے کرنے کے لیے کہنے لگا۔

”وہیے ایک بات تو ناٹم ہی پڑے گی۔ تمہاری اردو بہت اچھی ہے۔ آئی ٹی تم سے بات کر کے کوئی بھی آئیڈیا نہیں لگا سکتا کہ یہ کسی برٹش بورن کی اردو ہے۔“

”یہ می اور پاپا کا کمال ہے۔ ہم بچپن ہی سے گھر میں صرف اردو میں بات چیت کرتے تھے۔ اگر روانی میں کوئی انگلش کا فقرہ استعمال کرتے تو پاپا ایسے ہی پو پو کرتے تھے کہ کچھ سنا ہی نہ ہو۔ اپنی وہ بات اردو میں تنگ تنگ پاپا میں ٹوٹل اکتور موڈ پر دیکھتے تھے۔“ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے بتایا۔

سانباز

”تایاچی گریٹ آدمی تھے۔ اُن کا کوئی جواب نہیں۔ پروردگار انہیں ہر کردت جنت نصیب فرمائے۔“ فہد نے اس کی یاسیت برائے پور اور دبی بتائی۔

”آمین! سنکس۔“ تاشا نے دھیرے سے کہا اور خود کو سنبالتے ہوئے سلسلہ کام کا آغاز کیا۔

”میں کچھ اپورٹ ہاٹیں ڈکس کرنا چاہتی تھی تم سے۔ ہم ایک دوسرے کے لائف پارٹنر بننے والے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ کچھ چیزیں کبیر ہو جائیں۔“

”میں شیدرا“ فہد کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔

”دیکھو فہد! میں نے پاکستان میں اُسے کے دوران جو لائف سٹائل دیکھا ہے اس کے بعد صرف یہی کہہ سکتی ہوں کہ میں ان چیزوں سے فحش سٹائل ڈگری کے اےنگل پ ہوں۔“ وہ صاف گوئی سے بولی۔

”ہاں! مجھے علم ہے۔“ اس نے رساں سے جواب دیا۔

”آئی ایم سوری! مجھے تم لوگوں کے اسٹیلرڈز سمجھ ہی نہیں آسکتے۔ ایک طرف لڑکچہ پروہ کرتی ہیں ہاڈاروں سڑکوں پر خود کو کوز کر کے جاتی ہیں۔ ان کی ایونٹ پروہ پروہ کنڈم غائب ہو جاتا ہے۔ اس وقت سٹیلرڈس کو بیک سب کچھ پھتا جاتا ہے۔ گھروں میں جن سے پروہ کیا جاتا ہے وہاں انہی کے سامنے ڈانس آئمز ہوتے ہیں۔ خیر! یہ تمہارا کچھ ہے لیکن اس پر زیادہ کچھ نہیں کہوں گی۔“ تاشا نے اتنا کہہ کر ایک توقف کیا۔

”اُس آل راء بتا شائلہ! میں تمہیں ڈریسنگ پروہ پاسکی بھی چیز کے لیے فورس نہیں کروں گا۔ تم اپنی لائف اسی طرح جیو کی جیسے جیتی آئی ہو۔“ فہد اس کا دھماکہ پ کر کہنے لگا۔

”میں! ڈونٹ یو ڈریسنگ! وہ صاف گوئی سے بولی۔

”ایک چیز اور! میرے لیے شادی کا مطلب ایک دوسرے کے ساتھ فیئرہ کرکوت شب ہے۔ میرے ساتھ کسی ڈیل کرال مت کرنا۔ بھی بھی فیک بن کر مت رہنا۔“

”ڈونٹ دری! میں بھی ایسا ہی سوچتا ہوں۔“ وہ رساں سے بولا۔ ”جس عمارت کی ٹیکٹی ایٹ ہی کسی جموٹ اور بد ٹیکٹی کی بنیاد پر ٹیڑھی رکھی جائے گی وہ کیڑہر کی شیب بن رہی ہوگی ہے پھر۔“

فہد کی اس مثال نے تاشا کو کافی سٹائر کیا لیکن وہ اپنے تاثرات ٹیکٹی رکھنے کی عادی تھی۔

”اوہ! اگد ہو گیا۔“ اس نے تھوپی انداز میں سر ہلایا۔

”اب اگلی بات کرتے ہیں۔ اپنے ٹیول ڈاکویشنس بنوانے اسٹارٹ کرو۔ تم یہاں ٹیکٹی کی ویزا پر آؤ گے۔“

”ٹیکٹی ویزا؟“ وہ حیرت زدہ ہوا۔ ”ٹیکٹی بارسن رہا

ہوں یہاں۔
 ”آہاں! اس رنج۔“ مناشا بھی حیران ہوئی۔ ”خیر اس کی ڈیٹلو گورنٹ ڈاٹ یو کے ویب سائٹ پر سرچ کر لیتا۔ فیس اور پروجیکٹ کچھ وہاں مینشن ہے۔ پاسپورٹ وغیرہ کے لیے بھی اپلائی کرو۔“
 ”اوکے! ہمارا نکاح فون پر ہو گا چلے؟“ اس نے استدعا کیا۔
 ”نہیں! یہاں کالاء اب ایسی شادی نہیں مانتا۔ تم فیانی دیز اپراؤ گے۔ ہماری شادی یہیں ہوگی۔ ڈیٹلو خود دیکھ لیا آرام سے۔ رات بہت ہو گئی ہے وہاں۔ اور میں بھی تھک چکی ہوں۔“ مناشا نے جھانکی لیتے ہوئے کہا۔
 فہد نے بھی دباؤ سے اجتناب کرتے ہوئے خوش خلقی سے الوداعی کلمات کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔ مناشا کی بتائی گئی ویب سائٹ کھنگالتے ہوئے اس کے چہرہ میں روشن ہو گئے تھے۔

☆☆☆
 ”فیانی دیز! اب یہ کیا ہوتا ہے بھی؟ ہم نے تو آج تک ایسا نہیں سنا۔“ گنگی نے مناشا کی ہنسی پر حیرت میں کہا۔
 اس لمحے وہ سبھی ہنسنے کے لیے مناشا سے ہونے والی گفتگو سے مستفید ہو رہے تھے۔
 ”میں نے سرچ کیا ہے کل رات۔ جو کہ میں دیکھنے والے اپنے مختصر کو بلائے کے لیے یہ دیز اپلائی کرتے ہیں۔“ فہد نے بتایا۔
 ”اس کا مطلب ہے پیسہ وہی لگائے گی؟“ مناشا نے فوری نتیجہ اخذ کیا۔
 ”نہیں! ہمارا مال! پیسہ تو مجھے ہی لگانا ہوگا۔ میں اس سے ایسی کوئی بھی بات کر کے اپنے پاؤں پر کھپاڑی نہیں مارنا چاہتا۔“ وہ جھنجھلا یا۔
 ”میں تو سوچ رہا تھا فون پہ نکاح شکاح ہو جائے گا۔“ انہوں نے منہ بنایا۔
 ”لہذا نہیں مانتا۔ فیانی کے لیے بھی بہت روئے ہیں۔“ اس نے ہنستے ہوئے اور مابین موصد سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔
 ”اسامہ کی شادی میں پہلی اور سولو فون تو وہوں گے تم لوگوں کے پاس؟“
 مابین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
 ”یہ بھی ثبوت دیتا ہوگا کہ ہم یہاں کسی تقریب یا آؤٹنگ میں اکٹھے رہے ہیں۔“ اس نے مزید بتایا۔
 ”تو ہمارا شادی میں ہم ہی شریک نہیں ہوں گے جاسوسی ڈائجسٹ

کیا؟“ مناشا کو ایک نئے دکھ نے صدمہ کیا۔
 ”اب آپ سنی مت ہو جانا۔“ فہد بد مزہ ہوا۔ ”کچھ پانے کے لیے بہر حال کچھ کھانا پڑتا ہے۔ میری شادی کے لیے جس نے جوار مان بجائے تھے وہ موصد کی دفعہ پورے کر لیں۔“
 ”تو میرا کیا؟ میں کس کی شادی پہ ارمان نکالوں گا؟“ موصد نے غرا کر انکار دیا۔
 ”دوکر لیں۔ دوسری میں خود ہی دو کھانے بھائی بھی بن جائے۔“ فہد ہنسا۔
 ”تم دو پوائنٹس ایجنسی میں کر رہے ہو۔“ حسین کی پیشانی پر بھگنوں کا جال ابھرا۔
 فہد نیچر کے والد کی سمت متوجہ ہو گیا۔
 ”پہلی بات تو یہ کہ ان لوگوں نے یہ بات دوبارہ چھیڑنے میں تین ماہ کیوں لگا دیے؟ ہم تو یہی سوچے بیٹھے تھے کہ نور بھائی اپنی عدت کے بعد بات آگے بڑھائیں لیکن وہ تو عدت کر ہی نہیں رہیں۔“
 ”مجھے یہ پوچھنا مناسب نہیں لگا۔ میں ایسا اپنا پیش کیوں دوں کہ ان کے رسپانس کے لیے مجرا جا رہا تھا۔“ فہد نے منہ بنایا۔
 ”ٹھیک ہے!“ حسین نے چائے کا کپ میز پر رکھا۔
 ”دوسری بات یہ کہ کتنا پیسہ لگے گا؟“
 فہد نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہاں موجود چاروں افراد پر طائرانہ نگاہ دوڑائی اور پوچھل انداز میں کہنے لگا۔
 ”مجھے سے آٹھ لاکھ کی رقم سمجھ لیں۔“
 ہنسنے کی میز پر کچھ بھڑکی ہی سنا جھا گیا۔
 ”اس طرح تو ہوتا ہے پھر اس طرح کے کاموں میں۔“ موصد نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کی غرض سے ہلکا چھلکا انداز اختیار کیا۔
 ”اللہ کا نام لے کر شروع کرو پھر!“ حسین اپنی نشست سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔
 ☆☆☆
 بستر پر نیم دراز بے چینی کے کوئیں بدلے فہد کا ذہن ان تمام تر خیالات سے پرہیز نہیں ہو پا رہا تھا۔ ناشی قریب کی پیر ہزار گت مناشا کے اچھے ہوئے رویے سے گم ہو جاتی تھی۔
 مناشا ایک صاف گواہ رہے باک لڑکی تھی۔ اس کی بات میں کبھی کوئی دروازہ نہیں ہوتی تھی۔ اسے عام لڑکیوں کی طرح رات گئے تک فون پر کھین لڑانے کا بھی خبہ نہیں تھا۔ فہد نے دیک انڈر پروڈیو کا لڑکے کے لیے فرمائش کی تو توڑ کھل خاصا حیران

کن تھا۔
 ”کم آئن میں! ہم دونوں ہی ٹین ایجر نہیں ہیں۔ لی میچور!“
 فہد کے لیے مناشا کا حال ایک پہیلی تھی۔ ایسی پہیلی جسے سلجھانے میں وہ خوب حد تک محنت کیا تھا۔ مناشا عام لڑکیوں کی طرح رومان پسند ناز و انداز کی حامل نہیں تھی۔ فہد کے لیے یہ بات نامکن امر تھی کہ کوئی بھی لڑکی میچورٹی میں اس حد تک بھی بڑھ سکتی ہے۔ رومان پسندی، ناز و انداز اور خوابوں کی دنیا سب کچھ تو ہر عورت کا پسندیدہ مشغلہ ہوتا ہے۔ فہد اسے ایک عورت کی ڈیٹاٹسٹیک کہا کرتا تھا۔ ان عوامل کے پیش نظر مناشا کا یہ رویہ حیرتنا قابل فہم تھا۔
 ”کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ یہ شادی مجبوری میں کر رہی ہے۔“ اس کے ذہن میں سوچ ابھری۔
 ”نہیں! وہ جس ٹائپ کی لڑکی ہے اسے مجبور کون کر سکتا ہے بھلا؟“ فہد نے فوراً اپنی ہی سوچ مردکی۔
 ”پھر وہ مجھے ٹیسٹ کر رہی ہے۔“ اس کے ذہن نے ایک اور نکتہ بیان کیا۔
 ”ہاں بالکل یہی بات ہوگی۔ اسے ایسا ہی لگ رہا ہوگا کہ میں اسے پوز کر رہا ہوں۔ وہ اس طرح بی ہو کر کے میرا امیر اور برداشت کر رہی ہے۔“
 ”خود کو دیکھیں!“ فہد نے مناشا جیسا طرح مخاطب اختیار کیا۔ ”مجھے تو عشق کے استحال اور بھی ہیں۔ اتنی جلدی آگیا گئے۔ منزل کے متعلق سوچیں! ایک بار وہاں پہنچ جاؤں۔ اس کے بعد دیکھی جائے گی۔“
 ان خیالات سے اُلجھے وہ بالآخر نیند سے ہم آغوش ہو گیا۔
 ☆☆☆
 حسین اس ابرا آلود شام کو گھر داخل ہوئے تو غیر معمولی چہل پہل نے فہد کے پر مجبور کر دیا۔ باورچی خانے سے کھانا پکانے کی مخصوص خوشبو مناشا کی گھر کیان تا موصد اور مابین کی فحش بازی موقوف دکھائی دے رہی تھی۔ فہد البتہ وہاں غار و تھا۔
 ”کیا بات ہے؟ آج سورج کہاں سے نکلا تھا؟ بڑے خوشگوار موڈ میں دکھائی دے رہے ہیں سب۔“ انہوں نے ایک نشستی صوف پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتارتے ہوئے کہا۔
 ”وہ بس ابھی بھائی کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کھانا مت بنانا۔ بازار سے ریڈی میڈ لے آئے گا۔“ مابین نے فوراً آگاہ کیا۔
 ”خیریت؟“ حسین کو اچھا ہوا۔
 جاسوسی ڈائجسٹ

سانیاں
 ”ہمارا تھا کوئی سر پر اڑے۔ اس کے بعد فون بند کر دیا اس نے۔“ مناشا نے کہا۔
 ”پاسپورٹ کی کوئی اپڈیٹ ہوگی۔“ ان کی آنکھیں چکیں۔
 ”اللہ آپ کی زبان مبارک کرے۔ اب تک کتنے چکر تو لگا چکے ہیں میرے چارہ بچہ!“ مناشا نے تاسف سے کہا۔
 ”بس کرویں یا رانا!“ موصد نے اپنے مخصوص انداز میں والدہ کو مخاطب کیا۔ ”آپ کا وہ بے چارہ بچہ اس محنت اور چکروں کے بعد ہی میو بھی کھائے گا۔“
 ”اللہ بھاری بھی زبان مبارک کرے۔“ انہوں نے بے ساختہ جواب دیا۔
 ”میرے لیے ایک اسٹراٹگی چائے لے آؤ مابین!“ حسین نے بیٹی سے فرمائش کی۔
 ”اگر بھائی آجائے تو کوئی بات شروع مت کیجئے گا۔ میرے سامنے ہی کتنا سب باتیں۔“ وہ چلی۔
 مابین کے چائے پلانے تک فہد بھی سامان سے لدا پسند ہ گھر چلا آیا۔ مناشا نے اس سے شاپر زخم سے اور بات پات میں رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔
 ”جلدی آ جاؤ! فہد سے ساری اسٹوری سننے ہیں۔“
 والدہ کی طرح مابین کا چہرہ بھی جوش سے دھنک لگا۔ فہد کے سنری مراحل میں کوئی بھی پیش قدمی ان کے لیے کسی حوالہ سے کم نہیں ہوتی تھی۔
 ”ہاں بھی! کیا سر پر اڑے؟“ حسین نے بھی آس بھری نظروں سے بیٹی کی سمت دیکھا۔
 فہد نے چاروں افراد پر نگاہ دوڑائی اور اپنے مخصوص بیگ سے ایک بھری مائل چڑی شے نکال کر ڈرامائی انداز میں کہنے لگا۔
 ”دھن..... ڈھن.....“
 ”پاسپورٹ.....“ وہ سب ایک زبان چلائے..... ”مل گیا؟ واؤ.....“
 ”اٹھی! اتیرا کھڑے۔ میرے بچے کا پہلا مرحلہ تو مکمل ہوا۔“ مناشا کی آنکھیں ڈھبیا گئیں۔
 ”ہاں جی! فانی..... مل گیا۔“ بھینش کے لیے الگ بورڈن تھا ویسے۔ لیکن بہت لمبی لائن تھی آج بھی دیننگ میں۔ کئی لوگ بے چارے مایوس ہی لوٹے..... اس نے داستان کوئی کا آغاز کیا۔
 ”دکھانا زور بھائی!“ مابین نے جوش سے کہا۔
 فہد نے سنہری خراف پر مشتمل بڑھل جاس کی جانب بڑھا

لگا ہوں کامرکز بن چکا تھا۔
 "آج کیا سر پر اترتا ہوا بھائی؟" مود نے جمالی لی۔
 "سر پر اتر رہا ہے کہ۔۔۔" اس نے ادا کی انداز اختیار کیا۔
 "میرا بی بی ٹیسٹ بھی کب ہو گیا ہے۔"
 "ہائے ہائے اللہ معاف کرے۔ اللہ کی دھن کو بھی یہ بیماری نہ دے۔ کہیں کب ہوا تھا یہ مسئلہ؟" شائلہ بول نکلیں۔
 "مجھے یہ مسئلہ نہیں ہے۔ یہی چیز تو ان کو روک کر بھی ثابت کرنی تھی۔ کل اسکیٹنگ کروائی گئی۔ آج سرٹیفکیٹ مل گیا ہے۔" فہد نے رمان سے بتایا۔
 "اور تمہیں بالکل بھی ہجک نہیں لگنے دی۔" ماہین نے منہ بنایا۔ "دیکھ لیں ماما! آپ کا بیٹا ابھی سے بدل گیا ہے۔" ماہین کی اس بات پر فہد کھری سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ اہل خانہ سے یہ مرحلہ بھی رکھنے کا متفقد کسی کو بھی نہیں سمجھا سکتا تھا۔ ٹیسٹ کی تین اور اس کے بعد سفری مراہل کے بارے میں اس بھرے استفسارات اسے کہیں نہ کہیں تاؤ زدہ کرنے لگے تھے۔
 "نہیں تھی ہی اس اسکیٹنگ کی؟"
 "حسین کی جانب سے اس سوچ سوال پر وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔
 "پندرہ ہزار روپے۔" اس نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے باقی انگلیاں چٹائی۔
 "اور کروایا کیا ہے تم سے؟" شائلہ کو تم کی مقدار سن کر حسب توقع دھچکا لگا تھا۔
 "پہلے وہی انتظار۔۔۔۔۔" وہ سر جھٹک کر کہنے لگا۔ "نوکن نمبر آنے پر ایک کمرے میں لے جا کر خصوص لباس پہننے کے لیے تھما دیا۔ اس کے بعد ایک مشین کے سامنے گنڈ بچھ کر بورڈ پر گردن رکھوا دی۔ پھر واپس بیٹھ دیا۔"
 "بس۔۔۔۔۔" حسین کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے کے قریب تھیں۔ "اتنے سے کام کے لیے پندرہ ہزار انگوٹھے؟" ان کی حیرت اب حد سے ڈھلنے لگی تھی۔
 "تو کہیں سے کہیں کر ہزار پندرہ سو میں سرٹیفکیٹ دیا۔" شائلہ نے اس کی حماقت پر ماتم کیا۔ "تمہارا وہ ایک دوست میواہپتال میں ہوتا تھا جس نے کروٹا دیکھی نہیں کے کارڈ بنوا دیے تھے۔ اس سے کہہ دیتے۔ پندرہ ہزار ضرور اجاڑتا تھا۔"
 "کیا یا ماما؟ آپ بھی ناں؟" مود نے سر پیٹا۔
 "آپ ان کو روک کر کبے توقف چستی میں کیا؟ وہ اپنے سرٹیفکیٹ اداروں کے سرٹیفکیٹ ہی مانتے ہیں۔"

کا۔" وہ چوہ گئے۔
 "خدا ہی جانے۔ میں نے پوچھا بھی تھا لیکن بتایا نہیں اس نے۔" شائلہ بھی جھٹکتی تھیں۔
 "مودادار ماہین کہاں ہیں؟" انہوں نے دریافت کیا۔
 "سورہ ہیں۔ فہد جاتے تو انہوں کی۔"
 "یہ کون سا وقت ہے سو نے کا؟ پھر وہی رات جاتے رہتے ہیں۔ سو بائز کی جان نہیں چھوڑتے۔"
 "شوہر کی ناکواری پر وہ پہلو بدل کر رہ گئیں۔
 "میں چاہے بنا کر لاتی ہوں آپ کے لیے۔" وہ نظریں چرائی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
 "شائلہ کی یہ گوشالی کوئی نئی بات بہر حال نہ تھی۔ تینوں بچوں کے باعث ان دونوں میں کشش اور بحث و مباحثہ ایک معمول تھا۔ فہد کے متوسط نمبر ماہین کی حد سے زیادہ آرام دہ تھی۔ گھر داری کی جانب سے بے پروائی اور مود کا لالباہی پن انہیں ہمیشہ یونی کپڑے میں لاکھڑا کرتا تھا۔
 "اونہ! ساری زندگی بظاہر ہی رہیں گے۔" شائلہ نے چائے کے لیے برتن چولہے پر پڑھا۔ "جس طرح ان کی ماں چار بچوں میں اولاد کو ڈھیل کر کے رکھ دیتی تھیں مجھ سے بھی سب بچے ہیں۔ بتائیں کب تمہیں گے کہ اب اولاد سے فریڈٹی ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ ان کی ماں کی چلنا پڑتا ہے۔"
 "شائلہ کی ان سوچوں سے بے نیاز حسین صوفے کی پشت سے سر نکلتے کڑھ رہے تھے۔
 "عجب ہی زندگی ہے میری بھی۔ بیوی نے کبھی مانی نہ ہی اولاد نہ۔ ایک بیٹی ہے جسے گھر داری کی الفب بھی نہیں پتا۔ ماں نے ابھی بھی بیٹی ہی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ بیٹا ہر وقت موبائل اور لپ ٹاپ میں گھس جاتا ہے۔ ایک ہم تھے کہ اس عمر میں باپ کے ساتھ کمانے لگ گئے تھے۔ بس فہد سے ہی کچھ امید ہے اب۔"
 "ان کی ذہنی رو فہد کی جانب منتقل ہوئی تو خود کا انداز میں مرحوم بھائی کے تصور نے بھی آڑوہ کر دیا۔ چند لمحوں کے بعد دروازے کا خود کا قفل کھلنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ شائلہ کی چائے کے کپ اور فہد کی پرجوش مسکراہٹ کے ساتھ بیک وقت آدھ ہوئی گئی۔
 "یہ سامان سیٹ لیس جلدی۔ بریانی لایا ہوں آج۔"
 "اس نے والدہ کو مخاطب کیا۔
 "میں ان دونوں کو بھی اٹھا لاتی ہوں۔" شائلہ سنستی سے بے حال تھیں۔
 "کچھ ہی لمحوں میں فہد ایک بار پھر ان چاروں کی بے تاب

تو پھر یہ کھانا لانے میں اتنے پیسے کیوں ضائع کر دیے؟ سنبھل کر خرچ کر دیتے ناچے؟" حسین بھی تشویش زدہ ہوئے۔
 "بس کر دیں یا راپا! ۱" مود بلبلیا۔ "بھائی مہمان ہے اب یہاں۔ اگر ہم غریب غرباء کو کچھ کھلا پلا دے گا تو دعا میں ہی ملے گا۔"
 "وہ بھی کھرب متوجہ ہوا اور خصوص سا ملانہ انداز میں کہنے لگا۔
 "سنبھا! تیری ہر مشکل آسان ہو۔ تیرا سفر مبارک ہو۔ تیری شادی خاندان آبادی ہو۔ ہم غریبوں کا خیال کرتے رہنا۔"
 "ہاں جی! ایسا غریب جس نے ابھی خود چالیس ہزار کا سام سنگ موبائل لیا ہے۔" ماہین نے تان لگائی۔
 "ان فخرے بازوں، باہم خیال آرائیوں اور مختلف اندیشوں میں سب نے کھانا ختم کیا تو فہد سخت تھکاوٹ اور ذہنی تازہ محسوس کر رہا تھا۔
 "رات کو اٹھنے کے لیے الارم لگا لیتا ہوں۔ اپنے آپ کو فون نہیں کرے گی وہ۔"
 "تمہا کے دیتے کا تصور اسے جزیرہ کر رہا تھا۔
 ☆☆☆
 اس کی پلگوں پر شدید بوجھ آیا تھا۔ شعور اس قدر سہا ہوا تھا کہ بے ہوشی کی انگوٹھ سے نکلنے کے لیے تیار ہی نہ ہو پارا تھا۔ کندھے سے گھرنائیں اور بازو عجیب سی آہٹیں کا شکار تھے۔
 "کہاں ہوں میں؟ کہاں ہوں؟" اسے اپنی آنکھوں سے سیال بہتا محسوس ہوا۔
 "کیسے آیا ہوں میں یہاں؟" سیال کنپٹیوں پر چپکے گئے۔
 "مجھے لگتا ہے۔ مجھے نکال دو۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔ کوئی تو ن لوہری آواز۔" اس کے کانوں میں جتے سیال سے لگی گونگد کی آواز۔
 "اگر نہ نکال پاتا تو کیوں دھکے لے لے آتا تو؟"
 اس زہریلے سوال کے ڈنک سے شعور ایک بار پھر سم کر گھپ تاریکی میں چپ گیا۔
 ☆☆☆
 "آج بھی کچھ نہیں پک رہا کیا؟" حسین کاٹس روز بھی گھر آتے ہی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہو گیا۔
 "جی نہیں! فہد نے منع کیا تھا۔ کہہ رہا تھا سر پر اتر رہا ہے۔" شائلہ نے بتایا۔
 "اب کیا سر پر اتر رہا ہے؟" آئینٹس تو کبھی ہو گیا تھا ناں

دی۔
 "وہاں سے ابھی پکن سے آئی ہو۔ کوئی آگلی نشان وغیرہ مت لگا دینا اس پر۔" شائلہ نے فوراً ٹوکا۔
 "ماہین نے بھی فوراً اپنے ہاتھ دوپٹے سے مگڑ لیے۔
 "اب اس کے بعد کیا کرنا ہے بھائی؟ ویزا کب لکوا دے؟" مود نے دریافت کیا۔
 "اتنی جلدی نہیں لگنا ویزا۔" فہد نے چھوٹے بھائی کی نا سبھی پر استہزاء کیا۔ "ابھی تو ہی اٹھال پاسپورٹ لے کر بیوی کی دی وین کی ٹیسٹ کر دے آئی ہوں۔"
 "اب یہ کیا بی بی بلا ہے؟" شائلہ نے ان ہوئیں۔
 "آپ کو کیا لگتا ہے ماما؟" فہد نے تاسف سے والدہ کی جانب دیکھا۔ "یہ گورے اپنے ملک میں اتنی آسانی سے کسی بھی ایرے غیرے سے خوشخبری کو کہنے کی پرمیشن دے دیتے ہیں؟ یو کے وی وین ایک ٹیسٹ ہوتا ہے۔ اس سے انگش اسپیکٹک اور لسٹک چیک کرتے ہیں تاکہ انہیں اعزازہ ہو سکے اہلانی کرنے والا وہاں جا کر خود کیوینٹ کر سکے گا یا نہیں؟"
 "پہلے تو نہیں تھا یہ رول۔" وہ انہیں اور شوہر کی جانب دیکھ کر کہنے لگیں۔ "اپنے ارشد بھائی اور زور کو کتنی انگش آتی تھی۔ ایک آنکھیں ٹپ اور دوسری ردھو کے شکرک پاس۔ وہ تو بڑے آرام سے چلے گئے تھے۔"
 "وہ پہلے کبھی وقت تھے جب یہ آسانیاں تھیں۔ اپنی لیے تو ہر کوئی منہ اٹھا کے کھنچ جاتا تھا وہاں۔ تمہا بھی بتا رہی تھی مجھے کہ پہلے ان گوروں کو انگش سے ناواقف لوگوں سے کیوں کیشن کے لیے ٹرانسلیٹر ہانڈ کرنے پڑتے تھے۔ ظاہری بات ہے انہیں نے بھی کیا جاتا تھا۔ اپنی لیے اب یہ ٹیسٹ لازمی کر دیا گیا ہے۔ اس کے اعزاز میں فخر دیا۔"
 "مطلب اس وقت کے ٹرانسلیٹر زکوئی مٹی پلیر اب ہمارے سر منڈھ رہے ہیں۔" حسین کو قنقن ہوا۔
 "یہی تو بڑا ٹرس ٹرس ہیں ان کے۔ ایسے ہی اتنی ترقی نہیں کر لیتا کوئی۔" فہد استہزاء پر ہنسا۔
 "ہاں! امیر سے ایک کلاس فیلو نے بھی اسٹوڈنٹ ویزا اہلانی کیا تھا۔ لیکن آئینٹس میں کلیر نہیں ہو پایا تھا۔ نہیں بھی ضائع ہی گئی۔ ویسے آپ نے کتنی ٹیس دی ہے؟" مود جھٹکتا ہوا۔
 "چالیس ہزار۔" فہد نے ہونٹ بچھنے۔
 "ہائے میں مری! شائلہ نے دہل کر کہا۔ "چالیس ہزار؟"
 "فہد نے بے ہوشی سے چپکے چپکے۔"
 جاسوسی ڈائجسٹ

DAB.COM

ALIFAD

ADAB.COM

Markly

ہوتی تھیں۔

”تم اپنے معاملات میں آزاد اور خود مختار ہو۔ میں کچھ کہنے والی کون ہوں؟“ وہ شکلی سے کہنے لگیں۔

”نہیں! میں اپنا اچھا بھلا کرتا ہوں۔“ اسامہ فخر سے مسکرایا۔

”بالکل! لیکن ایک بات بھول رہے ہو شاید۔ بڑے شہر کی ضروری ڈیلرز نا قابلِ یقین سمجھے جاتے ہیں۔ ویڈیو رک اور دوں۔ اس لیے اپنی منظم سٹوری اور لائف پارٹنر پر غور و مت کرنا۔ یہ کسی بھی وقت دھوکا دے جاتی ہیں۔“ وہ خطرے کے بغیر نہ رہ سکیں۔

”اب آپ بدو عادی رہی ہیں مجھے۔“ اسامہ ہلکا گیا۔
نور کی بیان کردہ مثال میں بالکل دورائے نہ تھیں۔ موسمِ ملازمت اور مصنفِ مخالف کی بے وقائی اس خطہ زمین پر مسلط سمجھی جاتی تھی۔

”ماں بھی اپنی اولاد کو بدو عادی نہیں دیا کرتی۔ کبھی بھی نہیں۔“ ان کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ ”ماں باپ اپنے تجربات کی روشنی میں اولاد کو کسی بھی کھائی میں گرنے سے بچانا چاہتے ہیں۔“

”یہ کوشش اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے کر لیجیے تو بہتر ہے۔ مجھے تو بہترین لائف پارٹنر مل گیا ہے۔ آپ کی بیٹی کا حیا اپنی ٹیوڈ ہے اسے کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔“ وہ استہزاء کیے کہنے لگا۔
نور اس داڑ پر ایک بار پھر ہلکا گئیں۔

”ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ وہ تم سے وینڈل ہی نہیں۔“ انہوں نے چند لمحات میں کی بی بات کا حوالہ دیا۔
اسامہ حیرت ہو کر رہ گیا۔

”ٹھیک ہے! لائف میں آپ اینڈ ڈاؤن تو چلے ہی رہتے ہیں۔ کچھ باتیں میری سمجھ کی۔ کچھ باتیں میں سمجھ لوں گا۔ ہمیں پتا ہے اپنی لائف کس طرح بیچ کرنی ہے۔“
”اللہ پاک تمہارے حق میں بہتری فرمائے۔“ ان کا دل

دکھ سے بوجھل ہو گیا۔ ”کب سو ہو رہے ہو؟“
”ابھی تو تم سب فریڈ زلڈن کے لیے نکل رہے ہیں۔ واپسی کے اگلے ہی روز سو ہو جائیں گے۔“ اس نے اطمینان سے آگاہ کیا اور بے نیازی سے کسی بھی الوداعی کلمات کے بغیر باہر نکل گیا۔

نور اپنی دشت و دشمن میں گھری کتنی ہی دیر ساکت بیٹھی رہیں۔

☆ ☆ ☆
اس تقریب کے لیے جانے کتنا وقت بیت گیا تھا۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے صدیوں کی مسافت طے کر لی ہے۔ اس مسافت نے مزاحمت کے لیے وہی سہی امت بھی ختم کر دی تھی۔ اسے اپنے ہونٹوں پر چہرے یاں جتنے اور کتنے منہ کاٹنے اگلے کا احساس ہونے لگا۔ خیال کی شدت نے بکھری آنکھوں میں غلہ حال کر دیا۔

پانی پلا دو کوئی۔ پلینز۔ پانی پلا دو کوئی۔ اس نے پکار کر کہا جانا۔
اگلے ہی لمحے احساس بے بسی نے وجود پر شدید پکڑ لگا دی۔ یہ پکار اس کی اپنی مسافت تک ہی پہنچ نہیں پاری تھی۔ کسی دوسرے تک رسائی تو چھٹی دالوں۔

”کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے مجھے؟ میں نے کی کیا گناہ؟“

ڈوبے ذہن میں ابھرتی یہ سوچ نہایت چُر تھارتھی۔
”پانی۔ پانی۔ پانی۔“

یہ صدائیں ہونٹوں تک بھی پہنچ کر آ رہی تھیں۔
☆☆☆☆

تمنا اس رات حسب سابق خاصی تاخیر سے گھر کوئی ٹولسٹ گاؤں میں نور کو سونے پر بیٹھے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

”کیا بات ہے ماں؟ سب ٹھیک ہے؟ ابھی تک یہیں بیٹھی ہیں؟“ اس نے تشویش سے دریافت کیا۔
نور خالی الذہنی کے عالم میں اسے دیکھ کر کہہ گئیں۔
”سہم سے کوئی انٹرویو ہوا ہے کیا؟“ وہ پل بھر میں ہی صورت حال بجا نہپ گئی۔

نور کے پاس اس سوال کا بھی خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ تھا۔
”کہاں گئے ہیں وہ دونوں؟“ تمنا نے لمحاتی توقف کے بعد دریافت کیا۔ ”سہم کی گاڑی نہیں ہے باہر۔“

”ابھی گئے ہیں۔“ انہوں نے گہری سانس بھر تے ہوئے جواب دیا۔
”بائے روز یا بجے کریں؟“ وہ چوکی۔
”میں نے پوچھا نہیں۔“ نور نے دکھائی سے کہا۔
”کم آن نام؟“ وہ جڑ ہوئی۔ ”پوچھنا تو چاہیے تھا۔“
”کس حق سے پوچھتی کہ کہاں اور کیوں جا رہے ہو؟“

ان کی دکھائی برقرار رہی۔
”آل رائٹ!“ تمنا نے تھکی اعجاز میں سر ہلایا۔
”مطلب کوئی ایریس ایٹو ہوا ہے اسی لیے آپ ایسے ہی ایک کر رہی ہیں۔“
”گھر بھی چھوڑ رہا ہے وہ۔ اپنے لیے کوئی روم وغیرہ دیکھ

لیا ہے اس نے۔“ نور کی آنکھوں سے آنسو اُبلنے لگے۔
تمنا کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تو وہ طور پر خاموش ہو گئی۔ اسامہ کی اس گھر سے منگلی کا مطلب یہی تھا کہ وہ کوئی دن تمنا کے ساتھ رہا جائے۔

”سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

لیا ہے اس نے۔“ نور کی آنکھوں سے آنسو اُبلنے لگے۔
تمنا کو صورت حال کی سنگینی کا احساس ہوا تو وہ طور پر خاموش ہو گئی۔ اسامہ کی اس گھر سے منگلی کا مطلب یہی تھا کہ وہ کوئی دن تمنا کے ساتھ رہا جائے۔

”سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

”تم سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

”تم سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

”تم سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

”تم سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

”تم سہم کی بیٹی کی بھی یاد ہے۔“ تمنا نے والدہ کی ذہنی کیفیت کے پیش نظر رمان سے کہا۔
”ہاں! اب سہم ہی تو نہیں ہوتی۔ بہت بڑے ہوئے مجھے ہو۔ باپ پہلے دل کو روک لگائے دینا سے چلا گیا۔ اب رہ گئی ماں؟ تو ابھی بھی معترب یہ من انساں قبر تک پہنچا دیں گی۔“ وہ ترنہ گئیں۔

”کم آن نام! اب آپ خواہ خواہ سستی ہیں۔ مجھے اس مسئلے میں کیوں مکیٹ رہی ہیں؟ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سہم نے کیا ہے۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہے؟“ اس نے حتی الامکان جذبہ کا دامن تھامے رکھا۔

”تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں پاگل ہو گئی ہوں۔“ وہ یکدم بھڑک گئیں۔
تمنا شائستہ و نرم سے ماں کی جانب دیکھنے لگی۔
”نہیں! امیرا یہ مطلب بالکل نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ سچائی بہت بڑی ہوتی ہے۔ آپ سہم نہیں پائیں گی۔“

”سہم لوں گی۔ شوہر کی جدائی سہ لڑ بچے کی بدزبانی برداشت کر لی۔ تمہیں بھی جو کہنا ہے کہہ لو۔“ انہوں نے ہڈیانی انداز میں کہا۔ ”کہہ دو کہ تم نے سہم کی اور کو پسند کر رکھا ہے اپنے لیے۔“

”کم آن نام! اب اسٹاپ!۔ جسٹ اسٹاپ!۔ اس کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔“ آپ سچ سننا چاہتی ہیں نا۔؟ اوکے! فائن! تو سچ یہ ہے کہ میں کسی ایشین سے شادی میں کھنجر بھیل نہیں ہوں۔“

تمنا شکی اس بات سے نور کے دل پر ایک گھونسا لگا۔
وجود میں یکدم ہی اہل وطن کے لیے فطری ترپ سوچن ہو گئی تھی۔

”کیوں؟ تمہارے لیے آسمان سے کوئی کھانا اترے گا کیا؟“

”آئی ڈونٹ نو! کھانا ہو یا کوئی بھی ایکس والی ہو۔ مجھے بس کسی ایشین سے شادی نہیں کرنی۔“ اس نے اپنی مخصوص بے نیازی سے جواب دیا۔

”تم بھول رہی ہو تاشی! کہ تم بھی پاکستانی والدین کی اولاد اور خود بھی ایک پاکستانی ہی ہو۔“ نور کے جڑے سے بیچ گئے۔

”میں برٹش سٹیزن ہوں۔ ویش!۔ تمنا نے ہاتھ اٹھا کر قطعیت سے کہا۔ ”میرا اس ملک یا وہاں کے لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔“

”بشیر سے کس بات کا تیر ہے تمہیں؟“ انہیں بیٹی کی منطقی سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔
”سچ بہت کڑا ہوتا ہے ماں! سن نہیں پائیں گی آپ۔“ اس نے چپا چپا جانا۔

”اللہ نے بہت حوصلہ دے رکھا ہے مجھے۔ زندگی بھر انہوں سے دور رہ کر برویس میں زندگی گزار سکتی ہوں شوہر کے بعد خود کو سزا تک نہ سکتی ہوں تو کچھ بھی برداشت کر سکتی ہوں۔“ نور خود ہی میں جھجھکی۔

”انہوں سے دور رہ کر زندگی گزارنے کی چوائس آپ کی اپنی تھی۔ اس مائیکریشن کے لیے آپ دونوں کو کسی نے بھی نورس

جاسوسی ڈائجسٹ 31 اگست 2024ء

تو نہیں کیا ہوگا۔" اس کا زلی منہ پھٹ انداز میں آیا۔ "آپ دونوں یہاں سوہوئے؟ انہوں نے دور در کے زندگی گزارنے لگے تو اس میں کس کا فائدہ تھا؟ کسی نے ذبردستی دیکھے دے کر تو نہیں نکالا ہوگا؟"

"ہماری قسمت میں بس یہاں کا دانہ پانی لکھا تھا۔" نور نے تاویل دی۔ "اس میں باقی ایشیز سے کیا ایشیز ہو گیا ہے؟"

"او کے فائن ال" تاشا نے اثبات میں سر ہلایا اور ایک توقف سے کہنے لگی۔ "میں سیم یا کسی بھی دوسرے برٹش پاکستانی کی بات نہیں کروں گی۔ میں صرف اپنا ہاؤس آف دیو بتاتی ہوں۔ پاکستان سے میرا پہلا انٹروڈکشن آپ لوگ تھے۔ آپ ایک طرف اپنے ملک کو یاد کر کے سنبھلی ہوئے تھے تو دوسری طرف وہاں سے نکل آئے پر خدا کا شکر کرتے دکھائی دیتے۔ یونو واٹ نام؟ میرا سارا بچپن اسی ملک میں گزر گیا کہ آپ دونوں کا ریل نہیں کیا ہے؟ آپ کے اسٹینڈرڈ ڈاٹن ڈیل ٹریل کہاں ہیں؟ میرا آدمے زیادہ دن اسکول میں گزارتا تھا۔ وہاں میں چلائی، ایمانداری اور اصول و ضوابط کی پابندی سکھائی جاتی۔ گھر آتے ہی آپ لوگوں کے جھوٹے ایمانی اور بددیانتی کے طور پر لیتے دیکھ کر سوچ میں پڑ جاتی کہ مجھے آخر کسے فالو کرنا چاہیے؟ آپ کے ملک میں جان کر تو میں اور بھی حیران ہوئی تھی۔ مجھے ان لوگوں کی زندگی میں جھوٹ اور بددیانتی کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ان کے لیے ہم لوگ ایک گھٹ شاپ تھے۔ انہیں اس بات سے کوئی تشرن نہیں ہوتا تھا کہ ہم وہاں کتنی ہیبت زدگی گزار رہے ہیں۔ انہیں صرف ایک ہی بات کی فکر ہوتی تھی کہ کس کے لیے کیا لائے ہیں؟ ان میں سے کسی کو باہر ریٹ کر دیا جاسکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری طرف آپ لوگوں کا بھی کوئی جواب نہیں تھا ویسے سارا سال بخت کے پیسہ کماتے تھے تاکہ اپنے ملک میں بیٹھے رہتے داروں کو نکالیں دے کر یہ بات ثابت کر سکیں کہ یو کے کسی جنت سے کم نہیں ہے۔ ہم تو کوں کو یہاں گھر میں سختی سے اردو دیکھنے اور بولنے پر مجبور کیا جاتا اور وہاں ہی کے ٹپ سے پہلے خاص طور پر سمجھایا جاتا کہ وہاں سب سے انہیں میں بات کرنی ہے۔ اپنے رشتے داروں میں ہماری برٹش انگلش آپ لوگوں کے سرخسر سے بلند کرتی تھی؟ رات؟"

نور حیرت و اضطراب سے بیٹی کی باتیں سنتی رہیں۔

"بمیر بڑھنے کے ساتھ ساتھ میرے ذہن میں سوالات بھی بڑھتے گئے۔ کچھ سال کے بعد اعجاز ہوا کہ اس ملک میں صرف میں ہی نہیں اسکول کے اور بچے بھی جانتے تھے۔ انہیں بھی اس بات کی سمجھ تھی کہ ان کے خاندان کے لوگ ان کے

دل و دماغ بھی اسی دھک سے پوچھ رہے تھے کہ والدین کی زندگی کیوں جی رہے ہیں؟ یہاں رہنے ہوئے اپنے ملک کو یاد کرتے رہنا؟ ان سو بہانوں دہی رہتا، عیدوں اور ہماروں کے دوران پر دیکھی ہونے پر غور کسی میں جھلکا رہتا اور وہاں ہمارے گزراے گئے نام میں اس ملک کی ترقی موسم سمجھتے اور دھن یاد کر کے بے چین رہتا۔ میں کسی اور کی بات نہیں کرتی۔ صرف اپنی مثال دوں گی۔ مجھے تو یہ منافقت آج تک سمجھ نہیں آ سکی۔ کان اور یونیورسٹی تک آتے یہ آجروشن میں بیٹھ ہو گئی۔ میری نظروں کے سامنے کئی کلاں فیلڈ اور پھر کھیتی باڑی شادیاں وہاں ہو گئیں۔ میں نے کسی کو بھی ایک مکمل اور مکمل پر مشتمل زندگی گزارتے نہیں دیکھا ہے۔ وہ سب آج بھی اسی سرکل میں جی رہے ہیں۔ یہاں رہ کر اپنے وطن کو یاد کرتا اور دوسری طرف وہاں سے ملے آنے پر خود کو کوئی خلائی مخلوق سمجھ لگتا۔ پتا نہیں کیوں؟ ایشیا کے ملک کا ہر ایک شخص یہاں آجائے کے بعد پیچھے والوں کو کھارت سے کیوں دیکھنے لگتا ہے۔ اور پیچھے والے بھی کون سا کم ہیں؟ انہیں یہاں بیضا ہر شخص کی پابندی لگا کر رہا ہے۔" وہ پلاٹکان ہنسی مچاتی تھی۔

تاشا کے وجود میں برسوں سے بکھوڑے لیے رہنے والی تھی آج مکمل طور پر سامنے آ گئی تھی۔ یہ مکمل ذہنی اذیت اور کئی صرف اسی پر موقوف نہیں تھی۔ اپنے والدین کے اس طرز زندگی اور انداز فکر نے اس سے کتنے ہی افراد کو اپنے آہنی ملک کے لیے بے حس مردہ بنا رکھا تھا اور سبک دیا تھا۔ انہیں اس آہنی ملک کے حوالے پر شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ وہ برطانوی سر زمین کو ہی غریب طور پر اپنا ملک تسلیم کرتے تھے۔

"اب یہ مت کہیے گا کہ مجھے غلامی ہوئی ہے۔ بچپن سے دکھائے گئے وہ خواب بھی زندہ مت کیجیے گا کہ آپ کے ہم وطن بہت باشعور و محب وطن حساس اور دنداد و تخلص ہیں۔ دین کے بہت پابند ہیں۔ انہوں نے ایک طویل جدوجہد کے بعد برطانیہ سے آزادی لی تھی اور اس نعمت کی بہت قدر کرتے ہیں۔ آئی ایم ریکی سوری نام اوہاں آپ کی کچھ بات پر ماتم کرتی ہے کہ ان کے بزرگوں نے برطانیہ سے آزادی لی ہی کیوں گئی؟ وہ برٹش پاسپورٹ لینے کے لیے کسی کی جانک جانے کے لیے تیار ہیں۔"

نور کے پاس تاشا کے ان سوالات اور مشاہدات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اضطراب سے پہلو بدل کر کہنے لگیں۔ "انہیں انکلیاں ایک بھی نہیں ہوتیں۔"

"مجھے کیا پتا؟ میں نے تو سب کو ایک جیسا ہی دیکھا ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"تو کیا صرف اتنی سی بات پر تم کسی ایشین سے شادی نہیں کرنا چاہتیں؟" وہ ایک بار پھر اس کے دے پر آئیں۔ "اتنی سی بات؟" تاشا نے تاحف سے ماں کو دیکھا۔ "یہ آپ کے لیے اتنی سی بات ہے؟" نام آئی ایم سوری نام آپ اب بھی ڈیل اسٹینڈرڈ ڈاٹن ڈاٹن ہیں۔ ہم نے پاکستانی لڑکی سے شادی کی ضد کئی تو آپ دونوں نے آسان سمجھا لیا۔ اس وقت آپ ہی کا کہنا تھا کہ یہاں کی ہفت لائف میں کوئی پاکستانی لڑکی ایڈ جسٹ نہیں کر سکتی۔ تو پھر میرے لیے یہ چوں کیوں؟"

"نہد ہمارا خون ہے تاشا!" نور نے تڑپ کر کہا اور اپنی ہی بات میں پھنس گئیں۔

"بہن! تو پر اہم ہے؟" نام آوہ آپ دونوں کا خون ہے۔ آپ لوگوں جیسا ہی ہوگا۔" اس نے بالائی لا جواب دیا۔

نور اس بدلی غمی پر دنگ رہ گئیں۔

"تمہیں اس سے بہتر کوئی لائف پارٹ نہیں مل سکتا۔ میری بات لکھ لو۔ اس کی پہلی تمہاری بہت قدر کرے گی۔" انہوں نے ایک توقف کے بعد کہا۔

چوچہ میں نے وہاں دیکھا ہے اس کے بعد مجھے کوئی بھی خوش نہیں ہے۔ آپ کی پراہم ہے یہ کہ آپ نے آنکھوں پر رشتوں کی پٹی باندھ لی ہے۔ نہد یہاں آکر بھی بھی ایڈ جسٹ نہیں ہو سکے گا۔ میری یہ بات لکھ لیں۔" اس نے بھی ہر ایک لفظ پر زور دیا۔

"کیوں ایڈ جسٹ نہیں ہو سکے گا؟" ایڈ جسٹ ہے۔ ابھی جا رہے۔ مجھے شک ہے کہ بتایا تھا کہ اس کی سٹری بہت پیڑم ہے۔ یہاں رہ کر بھی اسے بہت اچھی جا رہی ہے۔" انہوں نے بہن کی فراہم کردہ معلومات کا انکشاف کیا۔

"مام! اس پلو پیا میں رہتی ہیں آپ؟" تاشا نے ایک بار پھر تاحف سے انہیں دیکھا۔ "آپ کی بہن نے جو آپ نے مان لیا۔ میں آپ کے سامنے ایک سواک جوت لا کر رکھ سکتی ہوں کہ پاکستان میں اس وقت کسی لکچر کا بے اسکیل کیا ہے۔ آپ کو ایک سامنے کی بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی کہ وہ شخص ایک 'لڈیا کر' ہے۔ اس کا 'میلیئر' بہن بھی 'ایورن' سے اوپر نہیں آئے گا۔"

"میری بہن مجھ سے جھوٹ کیوں بولے گی؟ اس کی سٹری سیکس فکر نہیں ہی ہے۔" وہ مضمحل رہیں۔

"آئی سی! تاشا مفلون ہوئی۔" کیا آپ اپنی بہن سے جھوٹ نہیں بولتیں؟ اور دوسری بات اس کی سیکس فکر سٹری یہاں کس کام کی؟ اگر وہ اپنی کوئی سینیئر یہاں لائے گا تو وہ

سانبان

برٹش پاؤنڈ میں کھڑے ہوئے ٹی بی ہر ہے ہی نہیں گے۔ اس کے بعد آپ یہ کیوں بول رہی ہیں کہ وہ لای کی وجہ آپ کا ہے۔ اس وجہ آپ کو رک پر مٹ نہیں لگتا۔"

تاشا کے بیان کردہ ان حقائق کا نور کے پاس بالکل کوئی جواب نہ تھا۔ ان کی رنگت خستہ ہونے لگی۔ سر دوسم کے باوجود بدن کا ہر ایک سام پینا مٹنے لگا تھا۔

"مام! آپ آل رات؟" تاشا کی نظری تشریش عود آئی۔

نور نے کچھوں تک کھری سانسیں لیتی رہیں۔ اس کے بعد ہڈیانی انداز میں بیٹی کے قدموں میں جا بیٹھیں۔

"تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا واسطہ ہے تاشا! ایسا مت کرو۔ میرے ساتھ ایسا مت کرو۔"

"مام! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ انہیں یہاں سے بلینز! وہ بولکھا گئی۔"

"نہیں! مجھ سے پر اس کو۔ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی۔ میری زبان کی عزت رکھ لو۔" تاشا نے انکار یا اس روپے کے بعد میری بہن ہمیشہ کے لیے چھوٹ جاتے کی ہر ان لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ میرے رشتے مت پہنچا۔ میں اسکی ہوجاؤں گی۔ فارگا کا ایک الہی یہ منہ چوڑو۔ میں نہیں کھڑی دیتی ہوں کہ نہد بہت اچھا شوہر ثابت ہوگا۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔" انہوں نے ہڈیاں میں تاشا کے پاؤں تھام لیے۔

تاشا کو اپنے وجود پر انکاروں کی کسی طعن محسوس ہونے لگی۔ وہ ایسے کسی بھی جذباتی استحصال کے لیے ذہنی طور پر تیار ہونے کے باوجود اس لمحے کا تناؤ برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کی ذہنی پہنچی اپنے قدموں پر پھٹنے والے ماں کے آنسوؤں کی کمی سے نابور ہوئی تھی۔

"او کے مام!" وہ شکست سے گویا ہوئی۔ "لیکن ایک بات یاد رکھیے گا۔ آپ کو بہت جلد اپنے اس فیصلے کی جلد بازی اور غلطی کا احساس ہو جائے گا۔"

"ایسا بھی نہیں ہوگا۔ تم دیکھ لیتا۔ بس تم دیکھ لیتا۔" نور ایک ہی آخری کی گردان کرتی رہیں۔

تاشا کے جڑے منہ گئے۔ آنکھوں میں کھری سوچ اور خدشات کی پرجھائیاں لرزنے لگی تھیں۔

☆☆☆

پانی کے لیے تڑپتے بھی گویا صدیاں بیت چکی تھیں۔ زبان خشک ہو کر تالو سے اس طرح چٹکی چٹکی کر نکلتا ہونے کی صورت میں منہ چینی طور پر ہلان ہوجاتا۔ لعاب بننے کا عمل تو کب کا موقوف ہو چکا تھا۔ طبع کے کانٹے اب دھیرے

دیر سے وجود میں سرائت کرنے لگے تھے۔

”ب.....ن.....ی.....“ اس نے ایک بار پھر پکارنا چاہا لیکن مداح میں ہی گٹ کر رہ گئی۔

بے بسی اذیت اور شکست کے علاوہ ایک اور مانوس بوجھ بھی وجود میں اضطراب پیدا کر رہا تھا لیکن پیاس کی وہ شدت اس بوجھ کا فائدہ سمجھنے ہی نہ دے رہی تھی۔ کچھ اٹاک کے بعد اسے اپنی انگلیوں میں کسی سیال کا احساس ہوا۔ لہ کے ہزاروں حصہ میں سیال کی حقیقت سمجھ میں آگئی۔ اس نے اضطرابی طور پر وجود کو سمجھتے ہوئے اس سیال کا فوری اخراج مسدود کیا اور اپنی منہ میں سمونے کے بعد کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے حلق میں انڈیل لیا۔ یہ عمل نصف درجن بار دہرانے کے بعد اس کے مکمل وجود پر ایک لرزش طاری ہو گئی۔

”یہ میں نے کیا کر دیا؟ اللہ! یہ میں نے کیا کر دیا؟“

اس نے اپنا سر دائیں بائیں جھٹکا۔

”کس منہ سے یہ پاک نام لوگے اب؟ تمہارا وجود تو اندر تک پائاک ہو گیا ہے۔“

ذہن میں سرگرتے اس خیال پر رسید ہونے والے تازیانی کی ضرب نہایت کاری تھی۔ اس نے حلق میں انگلی ڈالے تے کرنے کی کوشش کا آغاز کر دیا لیکن فضا بہت اس قدر شدید تھی کہ کئی بار کوششوں کے باوجود کاسیانی نہ مل سکی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ لگے۔

”کہیں یہ بھی ذہنی سیال تو نہیں؟“ اسے ایک خیال نے لرزادیا۔

چہرے آنکھوں اور کنپٹیوں کے آس پاس آتشیں جلن محسوس ہونے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

”بھائی! ابس نہیں آیا ابھی تک کیا؟“ موحد نے جھاتی لیتے ہوئے شامک سے استفسار کیا۔ وہ ابھی نیند سے بیدار ہوا تھا۔

”نہیں! کانی دیر ہو گئی ہے۔ میں بھی انتظار ہی کر رہی ہوں۔ کتنی بار فون بھی کر چکی ہوں۔ ریسو ہی نہیں کر رہا۔“ وہ مضطرب ہو گئی۔

فہد چار کھٹے قبل ’جیری آفس‘ میں اپنا پاسپورٹ جمع کروانے گیا تھا۔ سفری کاغذات کے اس اختتامی مرحلے پر وہ سبھی بے حد خوش و خرم جوش تھے۔

”کیا یار مارا؟ آپ بھی نا۔ حد کرتی ہیں۔“ موحد زوج ہوا۔

”اب میں نے کیا کر دیا ہے؟“ شامک نے تلخی سے دریافت کیا۔

”آپ کو پتا بھی ہے ایسی جگہوں پر موبائل فون باہر کر دانا پڑتا ہے۔ پھر بھی وہی حرکت۔“ اس نے تاسف سے سر ہلایا۔

شامک کا چہرہ خفت سے سرخ ہو گیا۔ انہوں نے مسرور کو بھی جواب دینے سے گریز ہی کیا۔ گھڑی کی سوئیاں نہایت تیزی سے اپنا سفر طے کر رہی تھیں۔ ماہین بھی کسلندی سے بیدار ہو کر کھد کے انتظار میں شریک ہو چکی تھی۔ اس انتظار خاتمہ بالا خڑیر بھٹکے بعد ہوا۔ اس بار بھی حسین اور فہد کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

”بھائی! آج کوئی فریڈ نہیں دینی کیا؟“ ماہین نے اس کے خالی ہاتھ دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

”ایک کپ چائے بنا دوں! اما! میرے سر میں درد بہت۔“ اس نے ماہین کی بات نظر انداز کرتے ہوئے شامک کو مخاطب کیا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نا؟ کوئی مسئلہ تو نہیں؟“ انہوں نے بیٹے کا ہاتھ اوپر دیکھ کر دریافت کیا۔

”ہم..... ٹھیک ہوں۔“ فہد نے صوفے کی پشت سے سرگٹائے آنکھیں موند لیں۔

”ٹھیک گیا ہو گا تم چائے وغیرہ کا بندوبست کرو اور پھر کھانا لگو دو۔“ حسین نے کہا۔

”کھانا تو میں نے بنایا ہی نہیں۔ مجھے لگا اس بار بھی کچھ نہ کچھ لے کر ہی آئے گا۔“ شامک نے پہلو بدلا۔

فہد بے اختیار ہونٹ سمیٹ کر رہ گیا۔ وہ اس لمحے سے ذہنی تناؤ کا شکار تھا۔ ویزا لگنے کے لیے پاسپورٹ کی حوالگی جوش ’جیری آفس‘ کی مخصوص گہما گہما انتظار بازیو میز پرک کے مراحل اور ویزا انیس جمع کروانے کے مراحل بنے اسے ایک عجیب ذہنی دباؤ اور جدوجہد میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ اپنی قسمت کی یاد دہانی پر جوش تھا تو بینک ٹیلنس سے محرومی پر اضطراب بھی اعصاب کا موطنی گرفت میں لیے ہوئے تھا۔ اس متضاد و ناقابل برداشت صورت حال سے اسے بیزاری اور پڑنزدگی میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ کھانا نہ پکائے جانے پر عجب عادت تڑخ کر کوئی نیا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ حسین نے اس کی گہما گہما سے بچنے کے لیے مسودہ کو مطالب کرتے ہوئے کہا۔

”آرڈر کر دو کھانا۔ پیسے میں دے دوں گا۔“

”بھائی! میں نے ایک بات پوچھنی تھی آپ سے۔“

ماہین نے ایک توقف کے بعد فہد کو مخاطب کیا اور اسے آنکھیں کھولنے دیکھ کر مزید کہا۔

”وہ نا میری ایک فریڈ کا کزن بھی یو کے میں ہوتا ہے۔“

”وہ کہہ رہی تھی آپ نے میری ڈنٹ دینا کیوں نہیں لگوا یا؟“

”تو اس کا مطلب ہے تم لوگوں نے سارے جہان میں انکار ڈالنا شروع کر دی ہے۔ یہی براہیم سے بس یہاں سب کی۔ کسی کے بھی پیٹ میں بات نہیں رہی۔“ فہد یکدم بھڑک گیا۔

ماہین فنی چہرہ لیے اس کا رد عمل دیکھنے لگی۔

”مجھے یہ بتاؤ! تمہاری فریڈ کس خوشی میں یہ مشورے دیتی پھرتی ہے؟“ وہ دہاناز۔

”وہ اپنے کزن سے اسے سنجیدہ ہے۔ شادی ہونے والی ہے تو وہ اس کا ویزا پر جائے گی۔ اس لیے..... وہ..... پس.....“

ماہین منتہائی۔

”کزن اس کا..... شادی کسی تیسرے گھر میں..... ویزا ایٹھوں لوگوں کا..... میرا ذکر کہاں سے آ گیا بیچ میں۔ میں نے منع بھی کیا تھا کہ باہر کسی سے کوئی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن سب کے پیٹ ہلکے ہیں۔“ فہد کے لیے اپنا پیش ضبط کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

”سوری بھائی! میں تو وہ بس۔“ ماہین سے کوئی بات بن نہ پڑی۔

اسی اٹال میں شامک بھی چائے کا کپ لیے چلی آئیں۔

”بھائی! ٹھیک ہی کہہ رہا ہے ماہی!“ انہوں نے ملاحت سے بیٹی کو مخاطب کیا۔ ”لوگوں کی نظریں بہت پتھر پھاڑ ہوتی ہیں۔ اچھا خاصا کام رک جاتا ہے۔ میں نے تو کونک کفرم ہونے تک کسی سے بھی ذکر نہیں کرنا۔“

”ارے ہاں یار!“ حسین نے ماحول کی تلخی ذائل کرنے کے لیے ہلکے جھٹکے سے اعزاز میں کہا۔ ”کونک کس انڈلائن کی کروانی ہے؟ اب تو سنا ہے لکینڈ فلائش کی جاتی ہیں۔“

فہد کے دماغ پر کسی نے یکدم تھوڑا رسید کر دیا۔

”میں کچھ دیر سونے کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے بھوک نہیں ہے۔“ وہ بیزاری سے کہتا ہوا کھڑا ہوا۔

دماغ میں رورہ کر درد کے بکولے اٹھ رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

مناشا نشست گاہ کے صوفے پر نیم دراز کی گہری سوچ میں مگن تھی۔ اسامہ کی گھر سے منتقلی کے بعد وہ اپنا ضروری سامان لیے یہیں چلی آئی تھی۔ نوری ذہنی حالت کے پیش نظر وہ انہیں تنہا چھوڑنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ گزشتہ چند روز سے اس معاملے پر سوچ بچار کرتے رہنے کے بعد اس نے اپنی شکستہ عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جلد یا بدیر سچائی ان خود آشکار ہو جائے گی۔ نوری آنکھوں پر

سانسباز

بندگی رشتوں سے خلوص و محبت کی پٹی کا فطری انداز میں اتارنا ہی بہتر تھا۔ اس کی جانب سے کسی جارحانہ یا سختی برعکس کے بعد نوری کی ذہنی کیفیت مزید پراگندہ ہو سکتی تھی۔

مناشا نے اپنے ذہن میں پروردہ منصوبہ کی تمام تر جزئیات طے کرنے کے بعد ایک گہری سانس لی اور فہد کو دیکھنے کا لالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی نظریں لمحہ بھر کے لیے موبائل پر منعکس ہونے والی گھڑی پر جا ٹھہریں۔ اس وقت شام کے چھ بجے تھے۔ نوری کو ابھی تک وہ اطمینان سے بات چیت جاری رکھ سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

فہد اپنے کمرے میں موبائل فون تھا سے شدید ذہنی انتشار کا شکار دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی گھنٹوں سے مختلف ہوائی کمپنیوں کی کنکوں کے اخراجات کا جائزہ لیتے ایک عجیب تصکات میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ اس وقت برطانیہ کے لیے سستی ترین ٹکٹ کی قیمت بھی ایک لاکھ ترقی ہزار روپے سامنے آئی تھی۔ فہد کے پاس اب بینک میں بچت کے نام پر کچھ بھی موجود نہ تھا۔ اس کے اعصاب میں شدید پرخندگی اور بوجھل پن طاری ہونے لگا۔ خوابوں کا شیش محل نوٹس کی اذیت سواہان روں محسوس ہوتی تھی۔

”کیا کروں؟ کہاں سے اس بیچ کروں پیسے؟“ اس نے اپنی پیشانی مسلتے ہوئے خود کو دکھائی۔

رات اپنا سفر تیزی سے طے کر رہی تھی۔ گیارہ بجتے ہی فہد مزید جھنجھلا گیا۔ اس نے اگلے روز کی پھر ذکی بالکل تیاری نہیں کی تھی۔ یاسیت کوفت جھنجھلاہٹ اور آرزو کی اب دماغ کو نیند کی دوا دی میں دھکیلنا چاہ رہی تھی تاکہ اس صورت حال اور خاردار سوچوں سے وقتی فرار ہی ممکن ہو سکے۔ فہد نے بستر پر لیٹ کر بیزاری سے موبائل فون ایک جانب پٹخا ہی تھا کہ کسی ویڈیو کال کی مخصوص گھنٹی نے چونکا دیا۔ اس نے خالی الذہنی کے عالم میں اسکرین پر دیکھا اور مناشا کا نام جگمگاتے دیکھ کر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا۔ مناشا نے آج پہلی بار سے فون کیا تھا۔ اس کا دل تمام تر یاسیت فراموش کیے یکدم ہی ملیں اچھلنے لگا۔

”میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا تمہیں؟“ وہ ملاحت سے مستفسر ہوئی۔

”شیوری ناٹ!“ فہد نے خوش خلقی سے جواب دیا۔

”میں اس وقت تک جاگ ہی رہا ہوتا ہوں۔“

”پاسپورٹ بسٹ ہو گیا پھر؟“ مناشا نے اگلا سوال کیا۔

”ہاں! اگر دیا تھا میں۔“ اس نے گہری سانس لی۔

”ہم..... چھوٹے اٹھ ہفتے تو کچھ ہی جا رہے اب۔“

اگست 2024ء

35

جاسوسی ڈائجسٹ

اگست 2024ء

34

جاسوسی ڈائجسٹ

اگست 2024ء

سلاخ کا کٹاؤ ایلٹ میں چٹا اور تن لن کرتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

آٹھ بیٹے کا عرصہ چشم زدن میں بیت گیا تھا۔ اس دوران تاشا نے فون پر بات چیت بھی بلا غفلت جاری رکھی۔ تاشا کے روپے میں واضح تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ وہ فہد پر ترقی ملکیت جاتی اس کی پریشانیوں کا احوال سنتی اور برطانیہ میں قیام کے خواب دکھایا کرتی۔ فہد کا ذہن اب یکسو ہو چکا تھا۔ وہ یقین تھا کہ تاشا کے دل میں گھر کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اس کا تحمل اپنا بیت محبت اور شیریں الفاظ نے تاشا کا دل بالآخر موم کر دیا ہے۔

گھر میں ماحول میں ہنوز ایک سرگرمی اور جتنی رہتی تھی۔ موحدا اور ماہین اس کے سامنے آنے سے گریزی کرتے۔ موحدا نے ایک اکیڑی میں برہنہ سے مڈل جماعت کے بچوں کو پڑھانے کا آغاز کر دیا تھا۔ ماہین نے البتہ گھر کا بیرونی کمرہ مہندی لگانے کے لیے مختص کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ عطائے ہی کے ایک بیوٹی پارلر سے بیوٹیشن بننے کے اسرار و رموز بھی سیکھنے لگی تھی۔ فطری رخمان کے سبب اس کے بچنے کی رفتار بہت شاندار تھی۔

فہد گھریلو اخراجات میں عدم تعاون کے روپے پر بدستور قائم تھا۔ اس کے لیے اب اپنے مستقبل کی منصوبہ بندی زیادہ اہم تھی۔ ویزا لگ جانے کے بعد پاسپورٹ ملنے پر بھی کسی قسم کے اضافی خرچ سے گریزی کیا تھا۔ دوست سے 'تین لاکھ ادھار لینے کے بعد ہی روزگاری کی جنگ کروائی اور اہل خانہ کو کسی طور پر مطلع کر دیا۔

"میرے پاس کچھ سوٹ وغیرہ رکھے ہیں۔ ساتھ لے جانا۔ شرمین اور تاشا کو میری طرف سے گفت دے دینا۔ خالی ہاتھ جاتے ہوئے اچھا نہیں لگتا۔" تاشا نے پیشکش کی۔

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تاشا نے منع کر دیا ہے۔ کہہ رہی تھی یہاں کے کپڑے ان کے موٹی حالات سے مواقت نہیں رکھتے۔ اس نے تو مجھے بھی کچھ لانے سے منع کیا ہے۔ میرے سارے کپڑے سوئیزرڈ چیلنس، شوئیز میں موحدا کے لیے چھوڑ کر جاؤں گا۔" اس نے بیہ نازی سے جواب دیا۔ "تھینکس!" موحدا نے دھیرے سے کہا۔

"میرے لیے کیا چھوڑ کر جائیں گے؟" ماہین کی آنکھوں میں گداز کی نمی چمکی۔ بڑے بھائی سے پہلی بار اتنی طویل دوری کا احساس اسے فطری طور پر ہی رنجیدہ کر رہا تھا۔

ماہین کی نم آنکھوں نے فہد کے دھڑکنے والے دل میں ایک غلش پیدا

ہوئے چائیں۔ نئے چادروں کی بو ریاں لگتی ہیں۔" تاشا کے اس مطالبے نے فہد کی مشکل اخذ دہی آسان کر دی۔ وہ ہونٹ ہنچ کر کہنے لگا۔

"میرے پاس اس وقت پہلی کڑی بھی نہیں ہے۔ سب کچھ لگ گیا ہے۔ ابھی لکٹ کا خرچہ سر پر لٹا ہے۔ میں اب سٹری میں سے کچھ نہیں دے سکوں گا۔ اگلے مہینے کی سٹری بھی جمع کروں تو لکٹ کے پیسے پورے نہیں ہوں گے۔" تاشا نے فہد کے اس کورے جواب پر دھڑکی دیکر رہ گئے۔ تاشا کو کچھ بھر میں ہی اپنا سرگھوسا محسوس ہونے لگا۔ فہد کی تجووا سے دونوں بچوں کی سسٹرنس کے لیے ماہانہ تناسب اور ہلکی پھلکی گروہری کی شاپنگ کے اخراجات نکل آیا کرتے تھے۔

"کیا بیکو اس ہوئی بھلا؟" وہ حسب عادت تریخ تھیں۔ "لکٹ کے لیے تاشا سے بات کر لیتے؟" اتنا تو کہہ ہی سکتی ہے۔ وہ۔ "حسن کی پیشانی بھی شکن آلود ہوئی۔

"وہ یہ سب کیوں کرے گی؟" فہد طیش زدہ ہوا۔ "پوچھیے ذرا ان سے۔ انہوں نے میری جاب اور سٹری کو لے کر لیا۔ کیا جھوٹ بول رہے ہیں ان لوگوں سے؟ پوچھیے ذرا؟" اس نے تاشا کی سمت اشارہ کیا۔

"کیا کہا تھا تم نے ان سے؟" حسین نے سخت نظروں سے اہلیہ کو گھورا۔ تاشا کی پیشانی عرق آلود ہو گئی۔ انہیں اپنی حماقت کا احساس ہوتے ہی من چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ "میں بتا دیتا ہوں۔" فہد اس خاموشی پر مزید تاؤ میں آیا۔ "وہ لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ میں یہاں لاکھوں میں کماتا ہوں۔ اکیڑی میں فٹنی پرسنٹ پارٹنرشپ ہے۔ میرا بینک بینکس فارون کا خزانہ ہے۔ اسی لیے تو وہ سب اس بات پر رنجے ہیں کہ سارا خرچ میں خود اٹھا سکتا ہوں۔"

فہد کے اس انکشاف پر وہاں سناٹا چھا گیا۔ "آئی ایم سوری پاپا! پر میرے لیے اب گھر میں کچھ بھی دینا پاسل نہیں ہے۔" اس نے دونوں کو جواب دیا اور موحدا ماہین کی جانب اپنی نگاہ سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"یہ دونوں اب تجھے کا کہتے ہیں۔ انہیں اپنی ذمے داریوں کا خود احساس ہونا چاہیے۔ سارا دن موبائل میں کھسے رہتے یا یوٹیوب سنی سے واپسی پر سوئے رہنے کے بجائے کوئی آن لائن کام کر لیں۔ گھر میں ٹیوشن پڑھائیں۔ میرے ہاتھ فی الحال کھڑے ہیں۔ میں وہاں جا کر ٹیوشن ہونے کے بعد ہی کچھ کر سکوں گا۔"

ماہین اور موحدا کے چہرے بھی فنی ہو گئے۔ ماہین نے

"اب سب کچھ تمہاری است پر ہی ڈھونڈ کر رہا ہے۔" تاشا نے اپنا بیت سے کہا۔ "آئی ایم شیور تمہارے پاس ٹھیک ٹھاک سیونگز ہوں گی۔ خالہ نے بتایا تھا کہ تمہاری سٹری وکسنگ ٹگر ڈس ہے۔ یہاں آنے سے پہلے بینک میں آناؤنٹ چھوڑ کر آنا کہ ہم شادی کے لیے اپلائی کرکشن۔ اس کے بعد تمہارا ساؤڈر ویزا سوچ کر بنا ہو گا۔ وہ سب کچھ مل لاکر کر لیں گے۔ وقت بہت کم ہے۔ اپنی فیملی کو اس بات کے پیشگی ریڈی کر دینا کہ ویزا لگتے ہی چند دنوں میں لٹائی کرے گا۔"

فہد کی رنگت لمحہ بھر کے لیے متغیر ہو گئی۔ اسے تاشا سخت تاؤ محسوس ہوا تھا تاہم خود کو گھسیٹتے ہوئے رمان کہنے لگا۔

"ہم! ڈونٹ وری! میں کروالوں کا لکٹ۔ بس وہاں سب کے لیے شاپنگ میں ہی نام لگے گا۔ لیکن وہ بھی کوئی اثر نہیں۔ میں ابھی سے شروع کر دیتا ہوں۔"

"کسی کے لیے کچھ بھی لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے کپڑے وغیرہ بھی وہیں چھوڑ آنا۔ وہاں کے ڈریسز یہاں کے موسم کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اپنی سینگز خراب مت کرنا۔ پلیز!" اس نے مزید پابندیت و ملامت جتائی۔ فہد کی فنی ہوئی رنگت نے اس کا اندازہ بالکل درست ثابت کر دیا تھا۔

"ایسے کیسے بھلا؟ کچھ تو لانا ہی ہو گا نا؟" اچھا تو نہیں لگتا نا؟ "وہ جیز ہوا تاہم دلی طور پر اس خرچے سے بھارت پر اطمینان بھی محسوس ہوا تھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ جو بھی لیتا ہوا ہم یہاں اسٹے شاپنگ کر لیں گے۔" وہ مسکرائی۔ فہد کو اپنی تمام تر پریشانی اور تاؤ زائل ہوتا محسوس ہونے لگا۔ وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد فون پر ہنر کے ہی بسز پر لیا تو اخراجات کا بھوت اس کے گریہ و بانہ اور دل سے کہنے لگا۔

☆☆☆

اگلی صبح ناشتے کی میز پر ماہین نے حد خاموش دکھائی دے رہی تھی۔ موحدا البتہ اپنے مخصوص نمبر تجیدہ روپے سے بے پروا ہانٹے میں مصروف تھا۔ حسن بھی کی گہری سوچ میں غرق تھے۔ تاشا نے فہد کو دیکھ کر چوکتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟ ساری رات سوئے نہیں کیا؟" "میریں رو رہے بس!" اس نے ہال دیا۔ اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ فہد کی آواز اس طرح کیوں ہے؟

"تمہاری سٹری آگئی ہو گی اب تک تو۔ مجھے ٹھونڈے

شرمین کی دفعہ بھی اتنا ہی نام لگتا تھا۔" وہ پرسوج انداز میں کہنے لگی۔ "ہاں! میں نے بائو میٹرک کرواتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کہ تین مہینوں کا وقت تو مانڈ میں رکھنا ہی ہو گا۔"

"تین مہینے....." تاشا نے اپنی پیشانی مسلی۔ "بہت زیادہ نام ہے۔"

تاشا کی گہری سوچ میں دکھائی دینے لگی۔ فہد کو اس کی یہ تشویش اور استفسارات بہت اچھے لگ رہے تھے۔ اسے پہلی بار تاشا سے رشتے کی 'محسوس' محسوس ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے؟ سب ٹھیک تو ہے؟ کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو؟" اس نے اپنا بیت سے دریافت کیا۔

"ہم..... پریشانی تو ہے..... ظاہری بات ہے کہ تمہارے سوا کسی سے کہہ بھی نہیں سکتی۔" وہ مزید ملامت سے گویا ہوئی۔

فہد کو اب جو بے حد معتبر محسوس ہونے لگا۔ حیات یکدم ہی چوکتا ہو گئی۔

"ویزا لگنے کے بعد لکٹ لینے میں زیادہ دیر نہ کرنا۔ یہاں حالات بہت تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ ایگریشن پاسی کے لیے ایک نیا بل پیش کیا گیا ہے۔" اس نے پوچھل سے اعزاز میں بتایا۔

"کیا بیل؟" فہد مضطرب ہوا۔

"اب تک تو اٹھارہ ہزار پاؤنڈ سالانہ سٹری والا کوئی بھی شخص اپنی فیملی کو اس قدر سکر کے یہاں بلا سکتا تھا۔ لیکن اس بیل کے اپروڈل کے بعد سٹری ریٹروائٹس ہزار پاؤنڈ سے بھی بڑھ گئی ہے۔ بیل اپلائی ہو جانے کے بعد میں کچھ نہیں کر پاؤں گی۔ میری اتنی سٹری ہی نہیں ہے بلکہ میری کیا؟ یہاں سب سے زیادہ سٹری پیج ڈاکٹر کو ملتا ہے۔ ان کی ریٹو بھی تھرتی..... تھا ڈنڈ سے کم ہی ہوتی ہے۔"

"لیکن ہم نے تو اپلائی کیا ہوا ہے نا؟" فہد الجھا۔ تاشا نے اس الجھن کو تاہم سانسف بھری نظروں سے دیکھا اور گہری سانس بھرتے ہوئے کہنے لگی۔

"فہد جی! آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ ہم نے ابھی یہاں شادی کے لیے بھی اپلائی کرنا ہے۔ اس کے بعد بھی بہت سے اسٹپس ہیں۔ لیکن خیر! وہ تو خیر ہم مل ملا کر ہی لیں گے۔ ابھی جتنی جلدی ہو سکے لکٹ کنفرم کروالینا۔"

فہد کو اس کا اندازہ تھا۔ اور اس کی بار بار اپنے تعاون کی پیشکش نے اسے دل میں جکڑنے لگی۔

کر دی تاہم اس نے اپنے اعصاب مجتمع کرتے ہوئے جواب دیا۔

”تم پر فہم نہ کرنا۔ مجھے پتا ہے تمہیں جینٹس پر فہم لگانے کا کتنا کمر ہے۔“ وہ مسکرایا۔

ماہین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حسین نے موضوع گفتگو تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

”کچھ تو لے کر جانا چاہیے بیٹا! ایسا کرتے ہیں غلطی خائیاں اور چاچا بسا کی مٹھائی منگوا لیتے ہیں۔ اپنے دس کی سوغات لے جانے سے محبت و اپنایت بڑھتی ہے۔“

”نہیں پاپا! خائیاں ٹوٹ جائیں گی اور مٹھائی کا شیرہ بھی نہیں سوٹ کس خراب نہ کر دے۔ اب وہ خود بخود کر رہی ہے تو کیوں اپنا خرچ بڑھا رہے ہیں؟“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

”تو لے کر کیا جانا ہے آخر؟“ شامک زج ہو گئی۔ ”یہ نہ ہوکل کلاں کچھ یہ طعنہ سننا پڑے کہ بہن اور اس کے بچوں کو کچھ بھیجا ہی نہیں۔“

”اپنا بیٹا بیچ کر دے دی ہیں۔“ موحد نے کندھے اچکائے۔ شامک کی آنکھوں سے کئی آنسو بہہ نکلے۔ بیرون ملک منتقلی کے خواب سجانے کے بعد اب بچے کی رخصتی جانے کیوں دل میں گداز پیدا کر رہی تھی۔

”میں بہت تھک گیا ہوں۔“ فہد نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا اور کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

اس قبر نما جگہ کی وحشت اب ہمت نکل چکی تھی۔ وجوہ میں پیدا ہونے والی ناپاکی کا احساس رگ و پے کے لیے آٹھیں جلن پر پائے ہوئے تھیں۔

”میں کر دے میرے مالک! اب بس کر دے!“ اس کا تنہا بھاری ہوا۔

”میری مشکل آسان فرمادے۔ میں یہاں کیسے آیا ہوں؟ مجھے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا؟ اس آزمائش کا خاتمہ فرمادے۔“ وہ مگر گڑبڑا۔

اسی لمحہ سماعت میں ایک جھنجھٹا ہٹ سی گئی۔ اس جھنجھٹا ہٹ میں کچھ مانوس الفاظ بے حد حیران انگیز تھے۔

”شاید کوئی باہر آیا ہے۔“ وہ ہیجان زدہ ہوا۔ ”لیکن کون آیا ہے؟ یہ تو گشتی نما جھنجھٹا ہٹ آخر کس کی ہے؟“

اس بار وہ کافی اونٹ ہو گیا۔ نہ تھا تاہم قریب ہی کسی دوسرے ذی فہم کی موجودگی تاریکی میں امید کی جلیلی کرن

ثابت ہوئی تھی۔

☆☆☆

ایزپورٹ پر یورڈنگ کا مرحلہ مکمل ہوتے ہی فہد مزاج کی تریک سوار ہو گئی۔ اس نے اپنے بائیں ہاتھ پر پاپورٹ اور یورڈنگ کا ڈھنگ کر لیا۔ ٹاپ بیگ پر غور کرنا شروع کیا اور دائیں ہاتھ سے تصویر لیتے ہوئے اس نے اسٹیشن آفٹاں گرام اور فیس بک اسٹور پر پاپورٹ کر دی۔

”الوداع اسلامی جمہوریہ پاکستان۔۔۔۔۔“ اس سرشاری سے عبارت لکھی۔

اس عبارت سے قبل بھر چلی ہی تینوں پلیٹ فارمز پر پاپورٹ کا ٹاٹا بندھ گیا۔

”سفر بخیر ہو جائی! ہمیشہ خوش رہیے۔“ ماہین نے زکریا سے کہا۔

”پروردگار تمہیں سدا کامیابیاں نصیب فرمائے! حسین نے بوجھل دل سے دعا کی اور سال کیس۔“

”میرے لیے کوئی نیم ڈھونڈنا مت بھولے گا بیٹا! موحد نے آنکھ میچنے کی سادگی سمجھتے ہوئے فرمائش جزی کی۔ ”مبارک ہو جناب! اپنے دوست کو بھول مت جاوے گا۔“

”ارے آپ کیسے بھول سکتے ہیں؟ آپ کا احسان زندگی بھر یاد رہے گا۔ آپ سے جلد ہی وہاں ملاقات ہوگی۔ فہد نے جواب دیا۔

دیگر احباب کے بھی حیرت و بے یقینی پر مشتعل جواب دہ اسے محفوظ کرتے رہے۔ انکی جوابات در جوابات کے دوران جہاز میں اپنی نشست پر آ بیٹھا۔ وجود میں توانائی کا ایک لاشعور اور دلکش سمندر موجزن تھا۔ اسے کھڑکی سے باہر دکھائی دے رہا تھا۔ افریقہ کی ترم آئیریموس ہور ہے تھے۔ جہاز کے نو میں بیٹھنے والے ہی فہد نے غور سے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

سولہ گھنٹے پر مشتمل مجموعی سفر اور تھکے عرب امارات میں وقتی قیام فہد کے لیے یادگار تجربہ ثابت ہوا تھا۔ اس نے ہر ایک لمحے کی تصویریں یوٹیوب پر موبائل فون میں محفوظ کر لی تھیں۔ خواہ جوش کا یہ عالم تھا کہ نیند ایک لمبے کے لیے بھی آنکھوں پر وارونہ ہوئی تھی۔

ایزپورٹ پر اترتے ہی اس کا دل نئی تریک سے دوچار ہو چکا تھا۔ درمیانے طبقے کے ایک مختصر کمرے کا لڑکا برطانوی سرزمین پر روانہ اور شادی کا مجاز ہو چکا تھا۔ فہد کا دل جاہر تھا کہ موبائل فون پر موصول کی تھا پ لگائے

دیوانہ وار رقص کرنے لگے۔ اس مستی و سرشاری میں پہلا غلغلہ اس وقت پیدا ہوا جب ایک کرخت صورت اور چوڑے چکلے چہرے کے حامل ایگریشن آفسر نے اس کا پاپورٹ دیکھ کر بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

”ایک اور ایجنٹ کی شادی کے لیے آئے۔ خدا جانے یہ سر زمین کتنے لائسنس کو پائے گی؟“

فہد لمحہ بھر کے لیے الجھ گیا۔ اسے الکار کا خلاصہ برطانوی لب و لہجہ مکمل طور پر سمجھ نہیں آیا تھا۔ مقامی تلفظ کے مطابق لفظ ایجنٹ کا ”شور و حقیقت“ بطور ”ز (ایجنٹ)“ ادا ہوا تھا۔ فہد اپنی ازلی کمزوری کے تحت فیکٹری لب و لہجہ مکمل طور پر سمجھ نہیں پاتا تھا۔ ”سوری! میں آپ کی بات سمجھ نہیں پایا۔“ اس نے شامک سے جواب دیا۔

”مجھے تو یقین بھی یہی تھی۔“ الکار نے طنزیہ مسکراہٹ اچھالی اور ایک توقف سے کہنے لگا۔ ”اسپا سرکب سے تمیم ہے یہاں؟“

فہد نے بھرپور ذہنی ارتکاز سے اس کی بات سنی اور جواب دیا۔

”اوکے!“ اس نے ابرو اچکائے اور پاپورٹ پر اسٹپ لگاتے ہوئے ایک زہریلی خودکلامی سے باز نہ آیا۔

”چند ماہ سے زیادہ نہیں چلے گی یہ شادی۔“ فہد کا وجود شل ہو گیا۔ اہانت نے تمام تر سرشاری و جوش سرد کر دیا تھا۔ اس نے ہونٹ میچتے ہوئے پاپورٹ لیا اور اپنا واحد سوٹ کیس لینے لگی اور میں داخل ہو گیا۔ اسی لمحہ موبائل کی گھنٹی نے ان کی خیالات سے چونکا دیا۔ فہد نے ایزپورٹ کی حدود میں داخل ہوتے ہی موبائل فون کو ڈال کر فیکٹری کی فراہم کردہ اہل خانہ اور مشائخ کو اپنی بخیریت آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ اس وقت دوسری جانب مشائخ بھی۔

”کتنا نام لگ سکتا ہے اور؟ کوئی آئیڈیا؟“ اس نے مصروف سے انداز میں دریافت کیا۔

”بس سامان لینے کھڑا ہوں۔ زیادہ رش نہیں ہے بہر حال۔ صرف ایک ہی فلاح فیک آف ہوئی ہے شاید۔“ فہد نے بتایا۔

”اوکے! میں کیب بک کروا دیتی ہوں۔ نمبر بھی سینٹر کر دوں گی تمہیں۔“ متاثرانہ جگت میں کہا۔

”کیا مطلب؟ تم لوگ کہاں ہو؟“ اسے دچکا لگا۔ ”میں تو ابھی ایک میٹنگ میں جا رہی ہوں۔ اسامہ کا آنا بھی مشکل ہے۔ شرمین کی ڈائنامک اپائنٹمنٹ ہے۔ اسے لے کر

سابقہ

کیا ہوا ہے اور ماہ بس تھوڑی دیر تک کلوننگ کر کے پتھیں گی گھر۔ تم ان کے آنے تک وہیں باہر تھوڑا دیکھ کر لینا۔“

”یار! تم لوگوں کو چار دن پہلے سے پتا تھا میری فلاحت کا۔“ وہ شکوہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔

”سرفہد! یہ تمہارا ملک نہیں ہے جہاں جب دل چاہے کوئی بھی ایکسکے ذکر کے آف لے لے۔“ وہ سپاٹ انداز میں بولی۔ ”میں اور ماہ اپنی پیڑا پلڑا بڑا سامان کی شادی پر پوری کر چکے ہیں۔ اس کے بغیر پتھنی کے لیے کتنے ہیں۔ این ایچ ایس کی بلڈ پیسٹ اپائنٹمنٹ کے لیے بھی ہمنوں تک ویت کرنا پڑتا ہے۔ میرا اب یہاں رہو کہ تو خود ہی جان لو کہ سب کچھ۔“

متاثرانہ رابطہ منقطع کرنے پر فہد کا وجود میڈل ہو گیا۔ اسے متاثرانہ انداز میں ایک مختصر اور ”سچ“ واضح محسوس ہوا تھا۔ ایزپورٹ سے باہر قدم رکھتے ہی سچ بت ہوانے اس کا چہرہ تن کر دیا۔ کندھے، کمر اور ٹانگیں بھی جمند ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔ شوخی قسمت کا مٹی کا انتظار زیادہ طویل ثابت نہ ہوا۔ گاڑی کے رواں ہوتے ہی وہ خود کار انداز میں بیرونی مناظر کا جائزہ لینے لگا۔ صاف ستھری سڑکوں کے کنارے درخت، منظم ٹریفک، خاموش و پرسکون فضا اور یکساں طرز تعمیر پر مشتمل گھروں کی دیدہ زیب ساخت اسے خواہ مخواہ محسوسیت میں مبتلا کر رہی تھی۔

یہ جائزہ و مرغوبیت اگلے بیس منٹ تک یونٹی جادی رہی۔ گاڑی سے اترتے ہی سرد ہوا ایک بار پھر مزاج پوچھنے کے لیے تیار تھی۔ اپنا سوٹ کیس اور لیپ ٹاپ بیگ گھر کے دروازے کے پاس رکھنے کے بعد اس نے دونوں ہاتھ میٹوں میں گھسائے اور چہرہ جیکٹ میں چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔ فہد نے پاکستان اور عرب امارات کے موبائل حالات کے مطابق ہی جیکٹ کا انتخاب کیا تھا۔ اس شل کردینے والی سردی کا تصور ہی اس کے لیے ناممکن تھا۔ اگلا ایک گھنٹا اپنے وجود پر طاری ہونے والی کپکپاہٹ اور جسم کے کھلے اعضاء میں سونپوں کے مانند جھپٹنے والی ہوا سے نبرد آزما ہوتے بیت گیا۔ اپنے گرم جوش استقبال کے تصورات کی یہ سرد دنیا تاش کے پتوں کا کل ثابت ہوئی تھی۔

فہد نے وقت گزری کے لیے موبائل فون تھا تاؤ انٹرنیٹ کی عدم دستیابی نے مزید جھنجھٹا ہٹ میں مبتلا کر دیا۔ وہ اپنی سرخ پڑتی ناک رکھتے قرب و جوار کا جائزہ لینے لگا۔ متاثرانہ کچھ گھر ایک صاف ستھری سڑک پر واقع تھا۔ اس سڑک پر موجود بھی گھروں کی طرز تعمیر یکساں تھی۔ اکثر سفید چوبی دروازوں کے سامنے گلے رکھے گئے تھے۔ چند ایک مقامات پر اس مختصر رش

کردی تاہم اس نے اپنے اعصاب مجتمع کرتے ہوئے جواب

☆☆☆

از رپورٹ پر یورپک کارحلہ مکمل ہوتے ہی
 خزان کی ترک سواتر ہو گئی۔ اس نے اپنے ایک
 چہرے اور یورپک کارڈ قلم کر لپ اپ بیک پر
 ادوبہ بنایا اور دلائل ہاتھ سے تصویر لیتے ہوئے دلائل
 پلیٹیں انسٹال ہوا دلائل بک اسٹور میں پر اپلو کر دی۔
 ”الوداع اسلامی جمہوریہ پاکستان۔“ اس
 سرشاری سے عبارت لکھی۔
 اس عبارت سے علی بھٹو کی انہیں پلیٹ فارم
 ”عہدہ“ کا نام بندہ گیا۔
 ”سنہریہ ہو بھائی! ہمیشہ خوش رہیے۔“ ماہین نے
 تھا۔

”پروردگار ہمیں سدا کا میاں بنالیں عیوب فرمایا
 حسین نے بوجھل دل سے دعا کی اے ارسلان کبیر۔
 ”میرے لیے کوئی قیم و حوض نہ بنتا ہو لے گا میرا دل
 موجد نے آنکھ میچ کر سنا لی جیتے ہوئے فرماؤ کاش جڑی تھی۔
 ”مبارک ہو جناب! اپنے دوست کو بھول مت بنایا
 گا۔“
 ”ارے! آپ کو کیسے بھول سکتے ہیں؟ آپ کا احسان
 زندگی بھر یاد رہے گا۔ آپ سے جلد ہی وہاں ملاقات ہوگی۔
 فہر نے جواب دیا۔

دیکھا احباب کے بھی حریت دے سکتا ہے۔ پہلے جہاز
اے معطل کر کے رہے انہی جہازات درجہ جہازات کے دوران
جہاز میں اپنی نشست پر آجیسا۔ وجود میں تو انہی کا ایک لاشعہ
اور درکنش سمندر موجزن تھا۔ اے کھڑکی سے باہر دکھائی دے
دار لے کر انہی جہازات حرم آئیں محسوس ہو رہے تھے۔ جہاز کے نو
میں بلند ہوئے انہی جہازات کے آئیں محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆

سرا رکھے۔ مصلحتوں کے لئے اور متحدہ عرب امارات میں
وفاقی قیام نہ دے کے یا اگر گرجے بہت ہو گا۔ اس نے ہر ایک
لئے کی تصویریں لے کر وہاں کی فون میں محفوظ کر لی تھیں۔ خوش
جوش کا یہ عالم تھا کہ نیند کی بجائے بے جا بھی آنکھوں میں
دار نہ ہوئی تھی۔

انٹرنیٹ پر ملتے ہی اس کا دل ہی ترنم سے
 دوچار ہو چکا تھا۔ اور مینے ہفتے کے ایک صحت بخش کھانے کا
 لڑکا برطانوی سرزمین پر داخلہ اور شادی کا مجاز ہو چکا تھا کہ
 کا دل چاہ رہا تھا کہ وہاں کون سے موزوں کی کتاب لکھے اور

”تم پر فخر رکھ لیتا۔ مجھے پتا ہے تمہیں جسٹس پر فخر لگانے کا کتنا کڑ ہے۔“ وہ مسکرایا۔

ماہین کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حسین نے منسوب لنگھتو بد مل کرتے ہوئے کہا۔

”کچھ تو لے کر جانا چاہیے بیٹا ایسا کرتے ہیں خلیفہ کی خائیاں اور چاچا ایسا کی مٹائی مٹوا لیتے ہیں۔ اپنے دس کی سوغات لے جانے سے محبت اپنا نیت بڑھتی ہے۔“

”نہیں بابا! خائیاں ٹوٹ جائیں گی اور مٹائی کا شہرہ بھی کہیں سوٹ کیس خراب نہ کر دے۔ اب وہ خود بخود رہی ہے تو کیوں اپنا خرچ بڑھا رہے ہیں؟“ اس نے بے نیازی سے کہا۔

”تو لے کر کیا جانا ہے آخر؟“ شمسک زنج ہو گئیں۔ ”یہ نہ ہو کل کا دن سوچے۔ یہ طعنہ سننا بڑے کہہ بدور اس کے بچوں کو کچھ بھیجنا ہی نہیں۔“

”اپنا بیٹا بھیج کر ہی ہیں۔“ مودعہ نے کندھے اچکائے۔

شمسک کی آنکھوں سے جی آنسو بہہ نکلے۔ بیرون ملک منتقلی کے خواب سنانے کے بعد اب بچے کی رخصتی جانے کیوں دل میں گداز پیدا کر رہی تھی۔

”میں بہت تھک گیا ہوں۔“ فہد نے اٹھرائی لیتے ہوئے کہا اور کسی کے جواب کا انتظار کیے بغیر اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

☆☆☆

اس قبر نما جگہ کی وحشت اب ہمت نکل چکی تھی۔ دچر
میں پیدا ہونے والی ناپاکی کا احساس رگ دپے کے لیے آتشیں
جلن برپا کیے ہوئے تھا۔
”بس کر دے میرے مالک! اب بس کر دے!“ اس
کا خفس بھاری ہوا۔

”میری مشکل آسان فرمادے۔ میں یہاں کیے آیا ہوں؟ مجھے کچھ بھی یاد کیوں نہیں آ رہا؟ اس آزمائش کا خاتمہ فرمادے۔“ وہ گڑ گڑایا۔

اسی لمحہ ساعت میں ایک مجنوناہٹ سی کھچی۔ اس
مجنوناہٹ میں کچھ مانوس الفاظ بے حد پیمانہ انگیز تھے۔
”شاید کوئی باہر آیا ہے۔“ وہ پیمانہ زدہ ہوا۔ ”لیکن کون
آیا ہے؟ یہ سرگوشی نما مجنوناہٹ آخر کسی کی ہے؟“

ان سوالات کا فی الوقت کہیں جواب نہ تھا تاہم قریب ہی کسی دوسرے ذمی نفس کی موجودگی تاریکی میں امید کی چمکی کرن

دیوانہ وار قہقہے کرتے تھے۔ اس سستی و سرشاری میں کہا کہ اللہ
اس وقت پیدا ہوا جب ایک گرفت صورت اور چہرے سے اٹھے
چہرے کے حال انگریز شہنشاہ نے اس کا اہستہ دیکھ کر
بڑبڑاتے ہوئے کہا۔
”ایک اور ایشین کی شادی کے لیے آئے نہ اس کے لیے
زمین کہتے دیکھ کر کوہا لے گی؟“
فہم نہ ہو کر کے لیے اٹھ گیا۔ اسے ایک کڑا خاصا بریٹن لوی
اب دلچسپ عمل میں پرکھو نہیں آتا تھا۔ مقامی تھک کے ساتھ
ایشین کا شہر حقیقت بطور (ایجنڈا) لایا ہوا تھا۔ فہم اپنی
ازلی کردہ کی سخت فہم کی گلاب دلچسپ عمل میں پرکھو نہیں آتا تھا۔
”سوری! میں آپ کی بات سمجھ نہیں پایا۔“ اس نے
شائستگی سے جواب دیا۔

”مجھے توقع بھی کیا تھی۔“ ابا کا رنے طنز سے مسکراہٹ اچھالی اور ایک توقف سے کہنے لگا۔ ”اسپانسر کب سے مقیم ہے یہاں؟“

فہد نے مجھ پر ہوشی ارتکاز سے اس کی بات سنی اور رشتہ کے کہا۔

”اوکے“ اس نے ابرو اچکائے اور ہاسپتھ چر اسٹپ لگاتے ہوئے ایک ذہنی خودکامی سے ہارنہ آیا۔
”جداہ سے زیادہ نہیں طے کی رہنمادی“

فہد کا وجود ٹھس ہو گیا۔ امانت نے قہار ترسہ شادی و جوش سرد کر دیا تھا۔ اس نے ہونٹ پیچھے ہوئے پاسپورٹ لیا اور اپنا واحد سوت کسی لینے اگلی رومس داخل ہو گیا۔ اسی لمحہ موبائل کی گھنٹی نے ان کی خیالات سے جھکا دیا۔ فہد نے انٹرپوٹ کی حدود میں داخل ہوتے ہی موبائل فون کو رائی غالی کی خیرد ک فرما کر ہم کے اہل خانہ اور نیا شا کو ہتہ خیریت اس کے اطلاع دے دی تھی۔ اس وقت دوسری جانب نیا شا اٹھ تھی۔

”کھانا تم لگ سکتے ہو اور کوئی آئیہ یا؟“ اس نے مصروف سے انداز میں دریافت کیا۔

”بس سامان لینے کھڑا ہوں۔ زیادہ دیر نہیں ہے بہر حال۔ صرف ایک ہی فلائٹ ایک آف ہوئی ہے شاید۔“ فہم نے بتایا۔

”او کے ہمیں کیس بک کروا دیتی ہوں۔ ہر جی سیٹ کر دوں گی تمہیں۔“ متاثرانہ غلٹ میں کہا۔

”کیا مطلب؟ تم لوگ کہاں ہو؟“ اسے دھچکا لگا۔

”میں تو ابھی ایک میننگ میں جا رہی ہوں۔ اسامہ کا آنا بھی مشکل ہے۔ ٹرین کی ڈاکٹر اپائنٹمنٹ ہے۔ اسے لے کر

[illegible]

یہ جانکر ضرورتاً اگلے دن صبح تک کوئی جہاز
 نہ ملے گا۔ ٹی سی اے نے اسے خبر دیا ایک ایئر فورس ہوائی جہاز
 لیے تیار تھی۔ ایئر فورس کیس اور ایئر ہاپ ایک ٹرک کے
 دو دروازے کے پاس رکھنے کے بعد اس نے دونوں جہازیں
 میں گھسائے اور پھر جیکٹ میں چھپانے کی کوشش کرنے لگا۔
 فہر نے پاکستان اور عرب امارات کے مابین حالات کے مطابق
 ہی جیکٹ کا انتخاب کیا تھا۔ اس میں کمرے والی مرفی کا تصور
 ہی اس کے لیے ناممکن تھا۔ اگلا ایک گھنٹا اپنے وزیر چارٹی
 کرنے والی کمپنی اپنا ایئر ٹیم کے کچلے اعضاء میں سونپوں کے
 اندر چھپنے والی ہوا سے نبرد آزما ہونے کی بات کیا۔ اپنے گرم جوش
 استقبال کے قصور کی یہ سرد دیا تاش کے تھوڑے کمال بات
 ہوئی تھی۔

فہم نے وقت گزاری کے لیے موبائل فون تھا اور انٹرنیٹ کی عدم دستیابی نے مزید بیجا اہت میں جگا کر دیا۔ وہ اپنی سرخ پڑتی ناک رگڑتے قرب و جوار کا جائزہ لینے لگا۔ شا کا یہ کمر ایک صاف ستھری سڑک پر واقع تھا۔ اس سڑک پر موجود بھی محرومی کی طرح تیر کیسا لگتی۔ آگے چلی وہ داروں کے سامنے ٹکڑے کئے گئے تھے۔ چھپا چھپاتے ہاں مختصر روش

دیکھیں اس کی اس سب کے لیے کیا ہے؟ "شرین نے
قدردانہ ہنسنے پر ہنسنے لگا۔
"اور کون تو وہ لگاؤں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔
اُنہیں شرین کا بھی بڑا اور اطمینان دینے پر طرح دکھاتا تھا۔ منشا
کے چہرے پر بھی ناگواری در آئی تھی۔ اسامہ البتہ اپنے سوا ہاں
ٹون میں کھن تھا۔ وہ اس کے زوئے کا عادی ہو چکا تھا۔
"سوٹ کیس میں میری کتابیں اور ایک دو چوٹی شرین
ہیں بس۔" فہد نے واضح کیا۔
"اوہ..... آپ کچھ بھی نہیں لائے کیا؟ منشا آپ کی
لے بھی کوئی شاپنگ نہیں کی کیا؟" اس نے حیرت کے پردے
سے ایک اور چوٹی کی۔
"نور کی آنکھوں میں بے یقینی جھلکنے سے فہد جربز ہو کر رہ
گیا۔

"واٹس واٹ ڈاک ڈیل اہو سکتا ہے خالہ لوگوں نے سوچا ہو
کہ ہمارے لیے شاپنگ سیشن سے کر لی جائے۔" منشا نے بے
نیازی سے جواب دیا۔
فہد چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ منشا سے اس
پریزابل لینے کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے منشا ہی کے
مشورے و ہدایت پر اپنے ہمارا کوئی بھی سامان لانے سے
گریز کیا تھا۔

اس تناؤ زدہ ماحول میں کھانا کھانے کے بعد اسامہ اور
شرین رخصت ہوئے تو نور کا مزاج سخت برہم ہو چکا تھا۔ بیز
سے برتن سلنے ہوئے ان کی پیشانی ٹھن آلودھی۔
"یہ کوئی طریقہ ہے؟ مہمانوں کی طرح کھانی کر پلے
گئے ہیں۔ برتن ہی سیٹ دیتے ساتھ۔ اسامہ بھی بدل گیا ہے
بس۔" وہ بڑبڑا گئی۔

"اُدھم آن مام! اپنے گھر میں وہی کرتا ہو گا سب۔ یہ
آپ کو بھی پتا ہے۔ جسٹ چل ا۔" منشا نے بے نیازی سے
جواب دیا اور فہد کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگی۔ "میں نہیں ایک
تھکے اور کھل لادیتی ہوں۔ سنگ روم کا صوفہ کم بیل ٹھیک رہے گا
تمہارے لیے۔ بیٹنگ بھی آٹو ہوگی۔ سردی بالکل محسوس نہیں ہو
گی۔"

فہد کے پاس خاموش اقرار کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس
شب سمرانے پر رور دیکھتے ہی اپنے کمرے کا بستر یاد آتا تھا۔ اس
نے سرجھکا اور فہد سے ہم آغوش ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

☆☆☆

دن میں جھکتے جگنوؤں کو کونٹ میں لپٹا آسان ثابت
نہیں ہو سکتا تھا۔ جسٹ تھکاؤ اور کھٹکی سے تمام تر دافغانہ

کلام کو بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار کر دیا تھا۔
"کوشش کرو۔" کوشش نہیں چھوڑی۔ "اس نے غری
قریب دی۔
"نہیں ہو گا یہ سب شاید اتنا آسان بھی نہیں ہے
میں نے کچھ لیا تھا۔" دل دو مار پر باپ کی غالب آئی تھی۔
"کیوں آسان نہیں ہے؟ وہ بھی تمہاری زندگی کا ہی حصہ
تھا۔ وہ سب بھی تمہارے ساتھ ہی ہوا تھا۔ یاد کرو اکیسے ہوائی
اہل نہیں ہار لی۔
اس تحریک کے بعد چوٹی زدہ ہونٹوں پر زہان پھیرا
ہوئے زان پر زور دینے کا آغاز کیا تو سٹیک میں پڑے کاٹز
نے ایک بار پھر اپنی موجودگی کا جان بوجھ احساس دلانا شروع کر
دیا۔

"نہیں اب نہیں اب دوبارہ نہیں ا۔" اس کے وجود میں
مزاحمت کی لہر بلند ہوئی۔

☆☆☆

اس شب نیند سے ہم آغوش ہوتے فہد کا بھی کھانا تھا
نئی جگہ پر بیکل ہی سو پائے گا۔ لیکن یہ اس کی خام خیالی کا
ہوئی۔ بخار کے باعث نیند حقیقت نہ ہوتی تھی ثابت ہوئی
تھی۔ اگلی صبح سیر پہنچے آٹھ بجے تھے ہی اس کی ذہنی پردہ اور فوراً
اپنے ملک اور اہل خانہ کی جانب منتقل ہوئی۔

"وہاں اس وقت شام کے چار بج رہے ہوں گے۔" اس
نے اگلائی لیتے ہوئے سوچا۔

کھڑکی کے پار نظر آتے کمرہ دو مناظر نے دل میں بے
انتہا غور و انبساط کی لہر میں موجزن کی تھیں۔ اسے اپنی خوش
حسنتی پر رشک محسوس ہونے لگا۔ وہ اپنے ملک کی بے یقینی
اور بد مزاجی سے آزاد ہو کر ایک تری یافتہ سرزمین پر سانس
لے لگا تھا۔ بارلوں سے ڈھکا آسان قرب و جوار میں دکھائی
دیتی تھیں۔ چلی بازیں اور جسم میں سرایت کرتی خود کا وحدت
کی لہر میں محسوس کرتے یہ تناظر غرور کی سرحد میں داخل ہونے لگا۔
"مارنگک جیٹا! کمرے سے اسے مقامی رواج کے مطابق
مخاطب کیا۔ "نیند کسی آتی؟"

"اے دن خالہ! اس نے اپنی دکام سے بوجھل
آواز میں جواب دیا۔

"اوہو! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی کچھ۔" وہ
تشویش زدہ ہو گئی۔

"کونٹیں..... خاموشی کیسے۔" وہ بدقت بول رہا تھا۔
بخار سے ٹوٹا جسم آگ دھماکوں میں ڈھک رہا تھا۔ اس نے اپنے
مزاج کی نزاکت سے بھی مغلوب ہو چکا تھا۔ گھر کا بڑا بیٹا ہونے

کے آئے والدین کسی معمولی کاری میں بھی تھکی کا چہلا بٹانے
رکتے تھے۔
"اکڑ کے پاس ہانا ہو گا مجھے۔ میرا لڑکا ہائے تو بہت
گھ کرتا ہے۔"
منشا اس کی بات پر بے اختیار ترقیب لگانے پر مجبور ہو
گئی۔

"یہاں ایک اینڈر پرائین ایجنٹ ایس گھور رہا ہے۔"
اس نے اطمینان سے بتایا۔

"کیوں؟ کیا یہاں ایک اینڈر پرائین انسان کو ہار ہونے کی
امارت نہیں ہوا کر لی؟" وہ حیران ہوا۔ "ہاسٹل تو ادھن ہوتے
ہی ہوں گے؟"

"ہاسٹل صرف کسی ایمر جنسی کے لیے ہیں بیٹا! فلو کے
لیے کون ہاسٹل جاتا ہے بھلا؟" نور نے بے یقینی سے اس کی
جانب دیکھا۔

"اُدھم آن فہد! اس معمولی سے فلو کو کیوں سر پر سوار کر
رہے ہو؟ گھر میں نہیں سب رکھا ہو گا۔ اسے پینے سے ٹھیک ہو
جاؤ گے۔" منشا نے بے نیازی سے بتایا۔

"نہیں ہے! شرین نے استعمال کر لیے تھے سب۔"
نور نے بتایا۔

"اوہ او! کئے۔" منشا چونکی۔ "میں فارمیسی سے لے آتی
ہوں ابھی۔ آج تو خام لوفار بھی کسی جلدی بند ہو جائے گی۔ کل
ویسے ہی آف ہے۔"

"فارمیسی سے ہی کوئی میڈیسن مل جائے گی۔" فہد نے
مشورہ دیا۔ اسے بے اختیار اپنے ملک کی یاد آئی تھی جہاں
چوبیس گھنٹے کھلی رہنے والی فارمیسیز سے "حقیقت" کی بنیاد پر بھی
ادویات مل جایا کرتی تھیں۔

منشا ایک بار پھر کھٹکلا کر فٹ دی۔

"یہاں کسی پر سکریپشن کے بغیر میڈیسن نہیں ملتی۔ صرف
لیم سب یا ایمر اسٹامول جیسی بیسیک میڈیسن ہی مل سکتی ہیں۔
اور لیم سب کے بعد تھیں کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔
اس میں سبھی میڈیسن شامل ہوئی ہیں۔ اپنی زبان میں اسے
جوشاندہ بچھو لیں! بہت اسڑانگ ہوتا ہے۔"

فہد ہونٹ پیچھ کر خاموش ہو گیا۔ اسے ایک ترقی یافتہ
ملک کا یہ میڈیکل سسٹم بہت عجیب محسوس ہوا تھا۔ اپنے ملک کی
اشرافیہ کا بغرض علاج یہاں رخ کیے رکھنا ہی الوقت سمجھ سے
بالا تری تھا۔ ایک جانب اشرافیہ کے لیے بہترین طبی سہولیات
سے لیس یہ نظام عام شخص کے لیے ناقابل فہم ضوابط کا حامل تھا
تاہم وہ نور یا منشا کے سامنے کسی بھی تہرے سے گریزاں ہی

سنا سنا ہوا۔
۱۔ اس لیے اسے علم ہی کہاں تھا کہ ایسی عجیب و غریب
اور حیران کن باتیں اب ایک معمول بننے والی تھیں۔

☆☆☆

مسکھیں ایجاب قبول کے مراحل طے کرتے فہد کی
آنکھیں بے اختیار لم ہوئی تھیں۔ اسے والدین اور بھائی بہن کی
کی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔ دوسری جانب دلچسپ خیال پر یہ
رسم کلاچ دیکھتے ہوئے شامل بھی اپنے آنکھوں پر چھل نہیں کر
پاتی تھیں۔

"خوشہ کر و شام! دل چھوٹا کیوں کر رہی ہو؟" نور نے
مسکراتے ہوئے بہن کو مخاطب کیا۔

بہن کی آنکھوں میں بھی ایک افسردگی نمایاں تھی۔
ماہین البتہ فہد کے لباس کی جانب متوجہ تھی۔

"ماما! یہ ڈریس تو اسامہ کا ہے۔ مجھے لگتا ہے انہوں نے
کوئی شاپنگ نہیں کروائی بھائی کو۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

نور کی سماعت سے یہ الفاظ قطعی نہرو گئے۔

"یہاں آتے ہی فہد کی طبیعت کچھ آپ سیٹ ہو گئی تھی۔
وہ شاپنگ کے لیے جا ہی نہیں سکا۔ مجھے کہہ رہا تھا کہ خالہ آپ
لوگوں کے ٹکس بھی ڈیو ہیں۔ یہیں سے گئے کیوں گا۔" انہوں
نے اطمینان سے کہا۔ ماہین کی اس بات پر وہ اپنی ناگواری ضبط
نہیں کر پاتی تھیں۔

فہد نے جربز ہو کر بہن کی جانب دیکھا اور نیچیدگی سے
کہنے لگا۔
"میں گھر جا کر کرتا ہوں رابطہ۔ اڈے بائے!"

گھر واپسی کے بعد اس نے دانستہ طور پر فون ہی آف کر
دیا۔ اس لمحہ وہ اپنے وجود میں موجزن ہوئی تھیں سنسنی اور لذت
آشنائی سے بے حال ہو رہا تھا۔

"تمہارا جواب بھی ٹھیک نہیں ہے فہد! منشا نے
اسے حدود کا تعین کروایا لیکن وہ اپنا ضبط کھو چکا تھا۔

جذبات کے اس ظلم میں بہر حال اسے بخوبی اعزاء ہو
سکا تھا کہ وہ منشا کی زندگی میں آنے والا پہلا شخص نہیں ہے۔
اس پر ستر اور منشا کی بے کیف جسامت بھی چہرے پر مایوسی بنا
کر جھلک اٹھی تھی۔ وہ گہری سانس بھر رہا تھا آنکھوں پر ہاتھ
رکھے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ فہد کی یہ کیفیات منشا سے کلی
نہرو گئیں۔ اس کا پندار بے طرح مضروب ہوا تھا۔ برطانوی
آداب معاشرے میں پروردہ منشا درحقیقت بارہ سال کی
عمر میں ہی منشیات کی لت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اس لت کے
باعث ہی ایک مرد درد مندوں کے ساتھ وقت گزاری کرتے اس کی
جسمانی نشوونما شاید متاثر ہو گئی تھی۔ نئے میں دھت ان

دوستوں کی زبان سے اپنے لیے توسلی اور بندگی پر مشتمل کلمات سننے مناشا کے لیے شہر کی بے رشتی ناقابل برداشت تھی۔ فہد کی ان کیفیات نے اسے اسی لمحہ ہی کے دل سے "مجنون" دلوا دی۔ مناشا ایک بار پھر اپنی سابقہ عکسیت عملی پر تنبیہ سے غور و فکر کرنے لگی۔

☆☆☆

دعوت و لیسہ کا کھانا فہد کے لیے ایک بڑا نیا ثابت ہوا تھا۔ شرمین کی فرمائش اور مناشا کی تائید پر فیڈ کے لیے ہائی بھرتے ہوئے اسے اخراجات کا قطعی اندازہ نہیں تھا۔ پانچ لاکھ روپے کے حکم سیر کھانے کا ایک سو چوبیس ہاونڈ ڈبل ادا کرتے اسے شدید غمی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے ادا کیے کے بعد سو بائیل فون جیب سے نکالا اور ایک سو چوبیس کے ہندسے کو ساڑھے تین سو سے ضرب دینے کے بعد کئی گھنٹوں کے لیے ساکت رہ گیا۔

"کم کم بار بار یہاں کا خرچ پاکستانی کرنسی میں کنورٹ کر کے تو چوکی کی گالی نہیں سکوتے گی۔ پاکستانی سسٹم بھول جاؤ۔ تم لوگ جس رو رہے ہو۔ اپنا ذہن کھلا کر دیکھو!" ادا کیے کے لیے اس کے ساتھ ہی کھڑے اسامہ سے یہ منع تقریق پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

فہد گہری سانس بھرتے ہوئے خاموش ہو گیا تاہم اس رات مناشا سے کھڑے کے بغیر نہ رہ سکا۔

"اگر تمہیں پتا تھا کہ فیڈ دس اس قدر مہنگا ہے تو وہاں کی آپشن کیوں دی؟"

"جب تمہیں پتا تھا کہ یو کے میں رہنے کی سہلی نہیں ہے تو یہاں آنے کی ہائی کیوں بھری؟" مناشا نے اطمینان سے چوٹ کی۔ "اتنا خرچہ سسٹم نگر ڈسٹری اور اکیڈمی پارٹنرشپ کی سیونگز کی ہے۔ ویسے کے کھانے پر چند پاؤنڈ خرچ کرنے کا حوصلہ نہیں ہے کیا؟ ویسے تو تمہاری بہن ہر بار اسٹیش اور اسٹور پر زہر تمہاری طرف سے ٹریٹ کے کھانے کی مجلس لگاتی تھی۔ اس کا مطلب یہی ہوا کہ میری فیملی پہ خرچ کا حوصلہ نہیں ہے۔"

فہد اس چوٹ پر ہلکا کر رہ گیا۔ "کل صبح کیارہ بیچے رجسٹر آفس میں اپا پینٹ ہے۔ اس کے بعد لپاؤ ڈرویز کے لیے بھی ایلانی کرتا ہے۔" مناشا نے کمرے کی روشنی مٹی کرتے ہوئے اس کے چوہہ مٹی روشن کر دیے۔

"ہم نے شادی کر لی ہے۔" وہ منشایا۔

"خاتون! شادی تو نہیں ہوتی۔ اس نے دو ٹوک جواب دیا۔ "یہاں نہیں ہوئے کے لیے کمرے میرج بھی

ضروری ہے۔ اس شادی کا سرٹیفکیٹ اسپاؤنڈ ویزا پھر ڈر ساتھ لے کر ہوگا۔"

فہد کا اخراجات کے اس سوانہ سے پہلی بار غمزہ محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

رجسٹر آفس میں انٹرویو کا تجربہ نہایت ہولناک ثابت ہوا تھا۔ الیکار نے اپنے مخصوص تیز رفتار برطانوی لب ولہجہ میں سوالات کا آغاز کیا تو فہد کی جھنجھکی کم ہوئی۔ اسے الیکار سے سوال دہرانے کی التجاؤں نے خاصا سخت زدہ کر دیا تھا۔ دوسری بار سننے کے بعد بھی وہ سوال کی مکمل نوعیت سمجھ نہ پاتا تھا۔ شوکی قسمت اس شخص مرحلے میں مناشا کو کمرے سے باہر بٹھایا گیا تھا بصورت دیگر اس کے سامنے ہونے والی سکی کا تصور ہی فہد کے بدن پر لرزش طاری کر رہا تھا۔

اس مبینہ شادی کی جلد از جلد تاریخ حاصل کرنے کے لیے ادا کردہ فیس کو پاکستانی کرنسی میں منتقل کر کے دیکھنے کے بعد فہد کو اپنے پیٹ میں بچہ سے لے اٹھے محسوس ہوئے تھے۔ وہ اس لمحے قرض کی گئی رقم سے بھی محروم ہو چکا تھا۔ فہد کی ذہنی کیفیت نہایت منتشر ہو چکی تھی۔ اس کے وجود پر ایک جمود اور خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اس سہ پہر شام کا اور دیگر اہل خانہ سے بات کرتے ہوئے بھی وہ خاصا غائب و مانع تھا۔ شامکے نے شادی کی ممکنہ تاریخ پر فوراً مناشا کو بھی مبارکباد دی تھی۔

"اور اما؟ سب ٹھیک ہے وہاں؟ موسم کیسا ہے؟" فہد نے بریکسل تک رو کر دریافت کیا۔

"کیا ٹھیک ہوتا ہے بیٹا؟ گیس آتی ہے نہ ہی بجلی۔ ٹیل اسٹے بڑھ گئے ہیں کیا بتاؤ؟" اچھے ٹائم پر چلے گئے۔ یہاں تو حالات روز بروز بگڑتے ہی جا رہے ہیں۔ کچھ نہیں بن سکتا اس ملک کا نہیں۔" وہ گہری سانس بھرتے ہوئے اپنا پرانا نارنگ لاپے لگے۔

"تو خالدا! وہاں ملو ایسے اپنے بٹے کو۔" مناشا نے ملاعت سے لقمہ دیا۔ "اس کے آتے ہی بجلی گیس بیل حالات سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ لوگ بھی ٹائمری سمجھ سے باہر ہیں۔ اپنے ملک کو برا بھلا کہتے رہنا ٹیوٹ ہائی ہے شاید۔"

"اسٹاپ! دس مناشا! تمہیں کی بڑے چھوٹے بات کرنے کی تیز نہیں ہے کیا؟" فہد نے فون بند کر کے خشکیں لگا ہوں سے اسے دیکھا۔ "ویسے تو بہت میز ازم کا دم بھرتی ہو۔"

"اوقات میں رہ کر بات کر دیجئے یو۔۔۔۔۔!" اس نے پلائیٹ اور دریغ مشہور زبان زور عام گا دی۔ "میں اکی لئون سننے

کی عادی نہیں ہوں۔ اپنے گھروالوں کے سامنے زیادہ شوقی میں آنے کی کوشش بھی کی تا تو ایک منٹ میں یہاں سے واپس دھپا پھوڑا دوں گی۔"

نور، بیٹی کی اس خود مری پر چڑھ کر سابق بے بس تھیں۔ فہد کا وجود احساسِ امانت سے کل ہو کر ڈھل گیا۔

☆☆☆

ملق میں پڑتے کانٹے بے حد ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ اس داخلی اذیت میں کسی ذہنی مشقت کا یارا نہ تھا۔ ہر آگیا جاتی سانس اب ایک آزار بنی ہوئی تھی۔ فہد سے بند ہوئی آنکھیں ایک نئے خیال کے تحت چمک اٹھیں۔ اس نے اپنا لرزیدہ ہاتھ اٹھایا اور دانتوں سے کلانی بے طرح اڈھیر ڈالی۔ بہتے ہوئے ملق ترکرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو اٹھ آئے تھے۔ اس لہو کے لسنے دیکھوؤں کی چمک تیز تر کر دی۔ اسے اپنی یہاں آمد سے مل کے مناظر یاد آنے لگے تھے۔

☆☆☆

قانونی شادی کی مقررہ تاریخ آن پہنچی تھی۔ اس تقریب کے لیے وہ بیس عدد مہمان لے جانے کے بجائے تھے۔ اسامہ نے اپنے بچپن کے تین دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ نور نے بھی اپنی کچھ دیرینہ سہیلیوں کے علاوہ ارشد کے دو قریبی دوستوں کو بعد اصرار بلا یا تھا۔ فہد کی دھڑکنیں منتشر تھیں۔ اس نے حسب سابق اسامہ ہی کا ایک تھری بیس سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ یہاں آمد کے بعد وہ اسامہ ہی کے سونیئر ڈگر ٹراؤزرز اور جیکٹس استعمال کر رہا تھا۔ ہاں وہ بات الگ بھی کر زندگی بھر والدین کی جانب سے فراہم کردہ بہترین لباس پہننے اور بعد ازاں اسے موصد کے لیے چھوڑ دینے والے فہد کی عزت نفس ہر لمحہ تار تار ہوتی تھی۔

جینز اور ٹاپ پہنے مناشا نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا رکھی تھی۔ اس کی یہ مسکراہٹ وزم خوبی فہد کے وجود میں مثبت توانائی موجزن کر رہی تھی۔ اسے مستقبل میں ممکنہ اخراجات کے لیے تعاون کی امید بھی بندھ چلی تھی۔ اپنی آنکھوں میں یہ نئے خواب سجاتے ہوئے فہد اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ پیدائش سے گوروں کے اس دیس میں تہمت مناشا جیسے ہزاروں افراد مقامی بود باش میں داخل کیے تھے۔ یہاں کے مقامی باشندے ہمیشہ مسکراہٹ کا لہارہ اڈھڑھٹے رکھتے تھے۔ ان کے چہرے سے دلی کیفیات و ظاہر کا اندازہ بمشکل ہی ہو پاتا تھا۔ وہ اپنا طیش بغض اور انتقامی جذبات کا اظہار عین مناسب وقت پر ہی کرتے تھے۔

سانجیانی

شادی کی رسم تقریب دس بج کر پانچس بج پر منعقد ہوئی تھی۔ مہمانوں کو ایک آرامت ہال کمرے میں دھبی وجہ زیب کر سبوں پر بٹھادیا گیا۔ مناشا اور فہد کو ایک پہلے ایک محفد کمرے میں لے جایا گیا جہاں بے حد سبک آغوش اور دلچسپ مسکراہٹ کی حامل ایشیائی خاتون الیکار نے ان سے چند سوالات کا آغاز کرنا تھا۔ فہد کے بدن میں تاناکہ آگیا۔ خاتون الیکار اس سے سابقہ اندویشوں میں پوچھے گئے بنیادی تجارتی سوالات کا اعادہ کرنا چاہتی تھی تاکہ "میرج" سرٹیفکیٹ پر کسی تبدیلی کی گنجائش نہ رہے۔ فہد عرق آلود پیشانی کے ساتھ "میں" کا پہلا پڑھتا رہا۔

اس مرحلے کے بعد انہیں ملحقہ دروازے سے ہال کمرے میں لے جایا گیا جہاں مہمانوں نے اپنی نشستیں سنبھال رکھی تھیں۔ گلش موسیقی کے دھیمے ماحول میں ایک ترکم پیدا کر رہے تھے۔ دو اپنی دو دھار میں کی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اور سبک قدموں سے چلتے وہ ایک بلوریں میز کے پاس جا کھڑے ہوئے جس کے عقب میں ایک اور سفید قام خاتون چری جلد تھا۔ ان کی شہرکی۔ ایشیائی خاتون نے اس شادی کے گواہان کو میری ایک سمت کھڑا کر دیا۔ گواہ اسامہ کی باہم رضامندی سے یہ فریضہ ارشد کے دوستوں نے سنبھال لیا تھا۔ فہد نے ویڈیو کال ملانے کے بعد اپنا موبائل فون شرمین کو کھول دیا تاکہ اس کے اہل خانہ بھی اس تقریب میں شریک ہو سکیں۔ تمام تر مراحل مکمل کرتے ہی سفید قام خاتون نے کلانی پر بندی گھڑی سے وقت کا اندازہ کیا اور حاضرین کو محفل کو دیکھتے ہوئے روایتی انداز میں شادی کے بندھن کی اہمیت کا مختصر بیان دینا شروع کیا تو فہد کی سنی کم ہونے لگی۔ اس کا مخصوص مشاہیر ایکسپریس جیسا تیز رفتار برطانوی لب ولہجہ عمل طور پر کچھ آگے ہی نہ دے رہا تھا۔

اس مختصر بیان کے بعد سفید قام خاتون کو اب روایتی انداز میں ان سے ایجاب و قبول کے مراحل طے کرانے تھے۔ وہ ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ سجائے فہد کی جانب متوجہ ہو گئی۔ فہد کو اس کے ادا کردہ فقرات من و عن دہرانے تھے لیکن وہ کچھ الفاظ کے مقامی تلفظ کو سمجھ ہی نہیں پاتا تھا۔ مناشا کی آنکھیں دھواں ہوئے لگیں۔ دونوں گواہان کے چہرے بھی حیرت استہزاء اور ترم کا گھس پنے ہوئے تھے۔ نور اس لمحہ سخت تاسف و شرمندگی محسوس کر رہی تھیں تو تیسری جانب ویڈیو کال کے شرکاء سخت مضطرب تھے۔

"یہ بھائی! کوئی ہو گیا ہے یا مارا؟" موصد جرز ہوا۔ "اسی دن کے لیے تمہاری ماں کو کھاتا تھا کہ اولاد کی تعلیم پر

بھی نہیں جیسا ہی تھا۔
 ”لیکن کیوں؟ اب تک مجھے شیزل بچے ہیں اس وجہ سے
 کہ“ ”شرین جی ان ہوئی۔
 فہد کی آنکھیں حیرت سے کھلیں۔ اسامہ نے گرا بچے
 ہوئے شرین کا موبائل کھینچ لیا اور اس پر آگاہی کے باعث
 اسے کنگا لے ہوئے سب ہنسنے لگا۔
 ”یہ کیا حرکت ہے سم؟“ ”شرین چلائی۔ فہد بھی ہنسی
 دکھائی دینے لگا۔

”چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ”نور کا جلد بھی ختم ہو
 گیا۔“ ”تم لوگوں کو اعزاز دے رہی ہو کہ اس حرکت کے کیا نتائج
 بھگتے پڑ سکتے ہیں؟“
 ”ایسا کیا ہو گیا ہے خالہ؟ ایک احتجاجی مظاہرے میں اپنا
 اظہار خیال کرنا اس ملک میں جرم کب سے ہو گیا؟ آخر کس بات
 کا خوف ہے آپ لوگوں کو؟“ ”فہد نے حیرت سے دریافت کیا۔
 ”تم واقعی اسے بھولے ہو یا میں رہے ہو؟“ ”نور کے لہجے
 میں رکھائی دور آئی۔

”میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہا تھا سم۔“ ”نتاشا نے
 حقیر سے ہونٹ سیکنے اور فہد کی جانب دیکھتے دھتے سے کہنے
 لگی۔

”ہم ایجنٹ جتنی بھی ترقی کر لیں اس ملک کی جتنی بھی
 خدمت کر لیں۔ ہمیں بھی مقامی افراد جتنا اعتماد و سہولیات
 نہیں مل سکتیں۔ ہم یہاں کے شہری کہلائے جانے کے باوجود
 ہمیشہ مغربی سمجھے جاتے ہیں۔ اور تم۔ تم تو خود یہاں کسی
 کھاتے میں ہی نہیں ہو۔ تمہارا ویزا صرف چھ ماہ کے لیے تھا۔
 اس مدت میں سے دو مہینے بیت چکے ہیں۔ نئی ایگریشن پالیسی
 اپلائی ہونے میں اب صرف ایک مہینہ رہ گیا ہے۔ اور آج کی
 اس حرکت کے بعد مجھ سے کوئی امید رکھنا! میں ویزا
 ایکسٹینشن کے لیے ایک بیانی بھی نہیں دوں گی۔ سمجھتے؟“
 فہد اس اہانت پر شل رہ گیا۔ اسے اپنی تمام تر
 ریاضت، مٹی میں مٹی محسوس ہوئی تھی۔

”لیکن ایسا کیا کر دیا ہے فہد بھائی نے؟ سب ہی تو اسے
 دے رہے تھے۔ انہوں نے کیا گناہ کر دیا ہے؟“ ”شرین نے
 اس کے جذبات کو گویائی دی۔

”فارغا ڈسک شرین!! ہوش کے ناخن لو۔“ ”اسامہ بھی
 طیش میں آیا۔“ ”تم یہاں کی حکومت اور انتظامہ کو کیا سمجھتی ہو۔
 آخر؟ وہ کئی طور پر اس نسل کشی میں ہتھیار فراہم کر رہے ہیں۔
 ان کے سامنے یہ احتجاجی مظاہرے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ کس
 دنیا میں رہتے ہو تم لوگ؟ پچھلے کچھ سالوں سے یہاں کے

کے خاندان پر خاصا شیت تاثر پیدا کیا تھا۔ برطانیہ جنگی کے بعد
 نتاشا کے سر و سرور ویت کی زندگی بسر کرنے والے فہد سے ان خود ہی
 ایک اپنایت بھرا رشتہ استوار ہو گیا تھا۔
 فہد نے گہری سانس بھر کر اپنے شرین کی جانب
 دیکھا جس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔
 ”چھانگے آپ۔“ ”شرین نے اپنا دایاں آنکھ فضا میں
 بلند کیا۔

”نور! اسامہ اور نتاشا بالکل خاموش کھڑے تھے۔ اسی اثنا
 میں نور کی ہم پیشہ خواتین اور ارشد کے دوست ان کے پاس چلے
 آئے۔ وہ اپنی یکدم آنے والی مصروفیات کی بنا پر ان سے
 رخصتی کی اجازت طلب کر رہے تھے۔ نور نے خاموشی سے ہائی
 بھر لینے میں ہی عافیت سمجھی۔ اسامہ کے دوست بھی اس سے کسی
 گفت و شنید میں مصروف تھے۔ چند لمحوں کے بعد وہ بھی منظر عام
 سے غائب ہو گئے۔

”میرا خیال ہے ہم بھی گھر چلتے ہیں۔ کھانا دو ہیں منگوا
 لیں گے۔“ ”اسامہ نے تجویز دی۔

نتاشا ایک بھی لفظ کہے بنا گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ فہد
 نے ہوا پر دوش قدم آگے بڑھائے تو اس حقیقت سے لاعلم تھا کہ
 دو پریش نگاہیں اس کی ہر ایک حرکت کو اپنے موبائل فون میں
 محفوظ کر چکی ہیں۔

☆☆☆

گاڑی میں تناؤ زدہ خاموشی غالب تھی تاہم فہد اپنی دلی
 کیفیات کے پیش نظر اسے درخشاں نظر نہیں سمجھ رہا تھا۔
 ”کمال ہے ویسے اسب سہانوں کو ایک ہی بار کام یاد آنا
 تھا۔“ ”شرین نے اپنے موبائل سے جھپٹ جھپٹ کرتے ہوئے
 اسامہ سے دریافت کیا۔

”یہ سب تو ہوتا ہی تھا۔ میں نے سوچ بھی کیا تھا کہ اتنے
 لوگ اکٹھے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ”اسامہ نے ہونٹ
 جھنجھنے۔

نور اور نتاشا کے چہروں پر بکھر چھا گیا۔ اس گفت و شنید
 کے برعکس فہد اپنی ہی لے میں تھا۔
 ”تم نے ویڈیو بنائی تھی نا؟ مجھے سینڈ کا پیلیز!“ اس نے
 یکدم کسی خیال کے تحت شرین کو مخاطب کیا۔

”میں نے تو اسٹیش اور اسٹوریز بھی لگا دی ہیں۔“
 شرین نے فخر سے بتایا۔

”اوگڈ گاڈ!“ ”نتاشا پھر گئی۔ ”دنیا بھر کے عقل مند
 ہماری لائف میں ہی آنے تھے۔“
 ”ابھی کے ابھی وہ سب کچھ یلیٹ کرو!“ ”اسامہ کا ٹوٹل

افراد البتہ اپنے جذبات پر قدرے قابو پائے وہاں کھڑے
 رہے۔

ایشیائی فرد کے بعد ایک اسی عمر سفید فام خاتون نے بھی
 اپنی حکومت کو خوب آڑے ہاتھوں لیا تاہم انداز قدرے
 شائستہ تھا۔ وہ انتہائی لمبات تھے۔ فہد کے وجود میں ایک برقی
 روشنی دوڑ اٹھی۔ وہ برساتی قدموں سے آگے بڑھا اور خاتون
 سے مائیک لینے کی التجا کی جسے بلا تامل پورا کر دیا گیا۔ فہد نے فوراً
 بھر کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر بعد جیسے محسوس کی جانے والی
 اہانت ایک بار پھر پوری شدت سے عموماً آئی تھی۔ اب ضبط کا یارا
 بالکل نہ رہا تھا۔ فہد نے حلق کھنکھاتے ہوئے اپنے مخصوص
 ایشیائی تلفظ میں فلسطین کے لیے مذہبی دینی جذبات کا بیان شروع
 کر دیا۔ کئیوں اور ناظرین میں پڑے مختلف حالات و واقعات کا
 ٹھہر ٹھہر کر بیان اسے ایک نیا اعتماد بخش رہے تھے۔ وہ اس لمحے
 خود کو ”جاسوسی ڈائجسٹ“ کے ایک مشہور ماہر ناول ”مجاہد“ کا ہیرو
 ”علی یار خان“ محسوس کر رہا تھا۔ اگلے پانچ منٹ تک فلسطین کے
 لیے بلا ٹکان اپنا درد دل بیان کرتے ہوئے وہ وہاں موجود
 اکثریت کی آنکھوں میں نئی کامو جب بن گیا تھا۔ اپنی اس
 تقریر کے اختتام پر فہد کا وجود جسم برق بن گیا تھا۔ اس نے
 مائیک اپنے ہونٹوں کے نزدیک تر کیا اور فلک شکاف نعرہ بلند
 کیا۔

”فری فری ہیلا سائین۔۔۔۔۔ فری فری ہیلا سائین۔۔۔۔۔
 فرام دار یور نو داس۔۔۔۔۔ ہیلا سائین ول بی فری۔“

اس نعرے نے حاضرین کے وجود بھی گرا دیے۔ وہ
 سب آواز بلند اس کے ہم نوا بن گئے۔ فہد کا اعتماد سوار ہو گیا۔
 اس کا ذخیرہ الفاظ اور کتب بینی سے حاصل کردہ تخلیقی صلاحیتیں
 مکمل شدت سے اجاگر ہو چکی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر
 بھر پور جذبے سے نعرہ بلند کیا۔

”دن کو صبح کی نور۔۔۔۔۔ میرا زم دل بھی نور۔۔۔۔۔
 فائیو سکس سین ایٹ۔۔۔۔۔ اسرا بکل ازا سے میرا رسٹ۔“

اس نعرے نے ماحول میں ناقابل بیان حدت پیدا کر
 دی۔ درجن بھر افراد کی ہم نوا آواز فریب و جوا میں مزید افراد کو
 بھی متوجہ کر چکی تھی۔ اپنی شادی کے گواہان اور دیگر شرکاء کی
 نظروں میں حیرت و شائستگی نے اس کے اعصاب ہلکے پھلکے کر
 دیے۔

”ویل ڈن برو! آپ نے تو محفل ہی لوٹ لی۔“ ”شرین
 جوش و جذبہ سے اس کی جانب بڑھی۔ وہ اپنے لالہ بانی پن کے
 باوجود دلی طور پر فہد کی عزت کیا کرتی تھی۔ پاکستان میں شادی
 کی تقریبات کے دوران بھی فہد اور اس کے اہل خانہ نے اس

دھیان دو لیکن میری باتیں بھی کسی کی سمجھ میں آئی ہی نہیں۔“
 حسین بھی کچھ کا لگنے سے باز نہ آئے۔

سفید فام خاتون نے اس کی مشکل بھانپ لی۔ اس کے
 چہرے پر مزید نرمی و خلوص جھلکنے لگا۔ وہ ایک توقف سے اپنا نعرہ
 دہیے انداز میں حرف بہ حرف دہرانے لگی۔ فہد کا اپنی سادگ
 ہوتی سانسوں میں بھائی محسوس ہونے لگا۔ وہ اب بظاہر نہایت
 سہلوت سے ایجاب و قبول کے مراحل طے کر رہا تھا تاہم
 اندرونی خلفشار ایک نئی انتہا پر پہنچ گیا تھا۔ لڑیوہ ہاتھوں سے میز
 پر رکھے کاغذات پر دستخط کرتے ہوئے وہ ایک لمحے کے لیے بھی
 اپنی آنکھیں اٹھانہ پاتا تھا۔ اسے سخت شرمساری اور اہانت محسوس
 ہونے لگی۔

”آپ بیرونی احاطہ میں تصاویر لے سکتے ہیں۔ وہ
 احاطہ اسی رسم کو یاد گار بنانے کے لیے آراستہ کیا گیا ہے۔“
 ایشیائی خاتون نے بتایا۔

”نہیں شکریہ! اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ ”نتاشا
 مسکرائی۔ ”ہمیں کچھ جلدی ہے۔ امید ہے آپ بڑا نہیں منائیں
 گی۔“

”بالکل بھی نہیں! شادی بہت مبارک ہو۔ خداوندیہ
 سز بہت خوشگوار بنائے۔“ اس نے بھی دو ایشیائی انداز میں
 مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

تقریب کے شرکاء اب منظم انداز میں اس عمارت کے
 نکلنے لگے تھے۔ ان کی اگلی منزل اسٹارٹ ٹائی ایک مقام تھا
 جہاں نور نے کسی ریسٹورنٹ میں ذاتی صوابدید پر دوپہر کے
 کھانے کا انتظام کر رکھا تھا۔ مطلوبہ مقام کی پارکنگ میں
 گاڑیاں کھڑی کرنے کے بعد وہ منظم انداز میں آگے بڑھے ہی
 تھے کہ ایک مختصر مجمع نے ان کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔
 درجن بھر افراد پر مشتمل یہ مجمع بارکلیز ٹائی بینک کے باہر احتجاجی
 مظاہرہ میں شریک تھا۔ ان افراد کے ہاتھوں میں تھامے گئے
 مختلف لمبے کارڈز اور قرب و جوار میں رکھی میزوں پر نصب
 سبز ”مختص“ پرچم اور بیچرے اگلے چند لمحوں میں صورت حال
 قدرے واضح ہوئی۔ بارکلیز بینک کا اسراٹل فوج و حکومت سے
 تعاون ان مقامی افراد کے غم و غصہ کا سبب بنا ہوا تھا۔ مختلف رنگ و
 نسل کے حامل یہ افراد اپنے کندھوں پر فلسطینی پرچم لپیٹے
 اظہار یک جہتی کے لیے آئے تھے۔ ایک پچاس پچاس سالہ
 ایشیائی شخص نہایت دلدرد انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا
 اقوام عالم بالخصوص برطانوی حکومت کی غیرماندہ خاموشی کو تنقید کا
 ہدف بنا رہا تھا۔ فہد اور شرین کی آنکھوں میں از خود کسی کی در
 آئی۔ انہیں اپنے بن سبب محسوس ہونے لگی۔ دیگر

یہ حالت نہ تو مجھے سمجھ آئی کہ صرف دولت کا
حاصل ہونا ہی عزت و رفق ہے تو میرا دل چاہتا تھا
کہ میں بھی ایسے ایک شخص بن سکوں جو لوگوں کے
لب و لعل ہو۔

”میں نے تھک چکا ہوں یہ سب۔ ہم لوگ غلامِ خودِ خدا کے
 اور خدا کے رسول کے غلام ہیں۔ خود سے کمر لیا۔ ان کا
 جہاد خوفِ خدا کا ہے نہ دنیا کا۔“

”میرے عزیز! میرے بھائی!“ خودِ خدا کے جہاد سے متوجہ ہو جاؤ۔
 ”میں نے تھک چکا ہوں یہ سب۔ ہم لوگ غلامِ خودِ خدا کے
 اور خدا کے رسول کے غلام ہیں۔ خود سے کمر لیا۔ ان کا
 جہاد خوفِ خدا کا ہے نہ دنیا کا۔“

۳۰۔ "خود کو کیا کہیں؟" اچھا، میں اللہ کے محبوب اور محبوبہ ہوں۔
 ۳۱۔ "اگر میں مر جاؤں تو میری قبر پر کون سے گھر سے
 فلسفے لگے جائیں گے؟ میری قبر پر فلسفہ لگنے کو دینا
 کوئی حق نہیں ہے۔" تو میرے ائمہ کرام سے کہو۔

فرد کون سا ایک سے لے کر چار تک کے لیے طبی حالات یاد
نے لگے تھے جب تک کہ خیریت تھی کے بعد انہیں مہر
چارہ پوائی جس کے بعد میں نے کہا کہ اس کے بعد وہ ان
تینوں عمارت کی اس عمارت پر توجہ دے کر صحت بھر کے رہ
گیا۔ یہ ایک کامیاب سہارا تھا جس سے کہ وہ اپنے نوٹس
غرف بہت تھراؤ کے لیے ایک کامیاب سہارا بن گیا جو کہ
کہ وہ ایک عظیم پڑاؤ کے برعکس میں رہا جسے
جب ایک استاد اور توجہ دے کر یہ ایک

[illegible]

Watermark

جس میں ہے کہ اس کے لئے ہرگز کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔
مگر یہاں تک کہ اس کے لئے ہرگز کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

[illegible]

فہرست کے چوتھے حصے کے ساتھ جواب کی فہرست

میں نے اس کو دیکھا تھا کہ وہ ایک اور شخص کے ساتھ تھا۔

[illegible]

میرا دل کہتا ہے کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔
میرا دل کہتا ہے کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔
میرا دل کہتا ہے کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔
میرا دل کہتا ہے کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔
میرا دل کہتا ہے کہ میں نے اس کو پہچان لیا ہے۔

آپ نے ہی پختہ کیا ہے مجھے نہ سہی کہ تھا کہ ان
بے گھر کے گھر کے منتظر بھجوت رہیں گے اور منجھو دوست
عرف آپ کو ان کے بجز سے پختہ ہیں۔ اس وقت آپ
بھوت نہ ہو کہ تو نے اپنے دوستوں کو کہہ کر نہ تشریف لے کر
لانے کے لیے اپنا سفر نہ کر لیں۔ انہی ملازمت اور عہد
ملازمت اور دستہ میں بیچ کر کوئی اور کام تو نہ کر سکتے
تھے۔ ان کے تڑپ کر رہے تھے۔

”کسی یونیورسٹی کے لیے اپلائی کر کے دیکھو۔“

تھے یہاں سے لاس ہو گا؟ ہاں مرزا چیلن کیا کر کوئی؟ ہر
 کو کچھ کھانسی آ رہی کہ سر اس لڑکے پر ایسا کچھ پڑا کہ کھس
 رہا۔ اس غم میں تو مجھے کسی سے کوئی امید نہیں ہے۔ پہلے
 کے ایسا تو کہہ کر لوگ اپنے انکم کے حصول جھوٹ بڑھتے ہیں۔
 اب میرا دل کے حالات دیکھ کر مہاز و ہوا ہے کہ کچھ ہی کہتے

— اگست 1944ء —

تھے۔ یہاں سے دور سے آمدی مریضوں کی کوئی توہین نہیں
 تھی۔ ”

”جائے گا، لیکن تم کو اس کا پورا پورا خیال رکھنا ہے۔“

تو نے کہا کہ میں نے یہ سب سنا ہے۔ میں نے یہ سب سنا ہے۔ میں نے یہ سب سنا ہے۔

”تم کو تو تمہاری بات کو دلی تہنویٰ حاصل ہے؟“ وہ نہ نہ کہہ

[illegible][illegible]

”آپ میرے کوئی کس سے بات نہیں کرے گا۔
 مجھیں آپ؟“ وہ درشت بول کر میری ذمہ داری کو اپنے من
 پر لے کر ہٹ گیا۔ میری فرما کر مجھے ایک لاکھ چھ سو روپے کا
 فیصلہ کر دیا۔ اس نے نہ سنا سے حقاً غور بات
 کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ہوئے سست کس نے ذہن کی پستے جھوڑیں اچھا کیا لو
ہر ایک مقام بالکل باقاعدہ برداشت ہو گیا۔ اس نے

ان کے اپنے بڑا کارکن کو سوا دن کرنے کی کوشش
جاسوسی ذائقہ

سازگار
میں تمام تر ہمت جمع کر دی تھی اب اسے بھی شک ہونے لگی
تو اسے اپنے خفا کو اس میں ایک گہری سی خطک ماری جسے وہ
محسوس ہونے لگی۔

”کچھ سوچ کی ضرورت ہے۔“ ”اگر میں اس کے لئے جاتی
 اسی سوچ کے لئے اب، براہ راست اس کے سامنے کھڑی ہوں۔“

وہاں سے گھنٹہ کا سوچ لگے تیس روز تک نہ مل پاتا۔

”گورجو کوکے ماما“ وہ کراہی۔ ”کسی نے آپ کو کوکے کے شوگر کرکے میں کوئی تار شراہوا ہی لپیٹا۔ اب میری عزت تو سامنے رہنے دیں۔ اسے ساتھ لے جانے کا مطلب ہے۔“

خود کوئی کام بھی سمجھو چکا تھا۔ لہٰذا ہی اس کو سن کر وہ غصہ سے

میں نے اپنے دل سے کہا کہ میں اس شخص کو بھلا کر دیتا ہوں۔

عزیز، اور اساتذہ کی ازاد و دلجو زندگی و زندگی کی جواہری
 کے بعد باقی خصوصی کمزوریوں کے ساتھ کیا کیا حد تک سمجھتا

رہا یہ کہ اگرچہ اس کا براہ راست تعلق نہیں ہے، مگر اس کے ذریعے ان چند ماہ میں
 رین کی آنکھوں پر برقی یو آر پی چمکا چوہے کی جی پلاسٹر لگائی

وہ اس کے بعد قتل ہو گیا تاہم کوئٹہ کی سڑکوں پر دیکھنے اور ان کے
 اہل خانہ کو قتل کرنے کی حکمت عملی پر عمل کا آغاز کر دیا تھا۔ یہ تیرہ
 دن کو ایک قریبی سپر اسٹور میں کیش کاؤنٹر پر ملازمت کی گئی
 تھی۔ اس ملازمت کی عموماً میں اس کے اہل خانہ کو دیکھتا تھا۔

— اگست 2024ء

کے لوازمات پر مشتمل ایک چھوٹے سے رستوران میں مدعو کر لیا۔

”بہت مبارک ہو بھی تمہیں!“ فہد نے رسماً کہا۔
”ٹھیکس! پروردگار آپ کے لیے بھی آسائیاں پیدا فرمائے۔“ اس نے غلطی سے جواب دیا۔

”کتنے پانڈو زنی گھٹا چار جڑ تلیں گے؟“ متاشا نے دریافت کیا۔

”اسٹارز کو کتنا مل سکتا ہے یہ آپ سے بہتر کون جانتا ہو گا۔ چھوڑے! ناشتا انجوائے کیجیے۔“ مگرین نے ہنسنے ہوئے چلا۔

پراٹھے چنے اور طحہ پوری پر مشتمل ناشتا بہت خوشگوار باحول میں کیا گیا۔ فہد کے مزاج پر البتہ ایک پڑوسر دی طاری تھی۔ اپنے مستقبل پر موجود سوالیہ نشان اسے سخت مضطرب رکھتا تھا۔ وہ افسردہ لگا ہوں سے قرب وجوار میں ہنسنے، مسکراتے، جھکتے چہرے دیکھتا تھا۔ حسد میں مبتلا ہونے لگا۔ اسے ان لوگوں کی خوش قسمتی سے جھٹکنے کی ہمت نہ تھی۔ اسی اثناء میں ناشتے کے اختتام پر دس گھنٹے کا آرڈر دیا گیا تو دس گھنٹے کے ہمراہ آئے ایک لڑکے نے فہد کو منہ بانہ مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”سرا! اگر آپ بڑا نہ منائیں تو آپ کا کچھ وقت مل سکتا ہے؟“

”سوری! میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ فہد اس فرمائش پر حیرت زدہ تھا۔

”پہچانیں گے بھی کیسے؟ آپ نے مجھے ایک کھانڈرے کالج بوائے کے روپ میں دیکھا تھا اور اس وقت آپ کے سامنے پردیس میں محنت کرنے والا اچھا لکھا تھا۔“

نوادر کے اس تعارف پر فہد خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا۔

”ہمیں ذرا جلدی ہے۔ ڈونٹ مائنڈ پلیز۔“ متاشا نے احمد کو مخاطب کیا۔

”تم لوگ گھر جاؤ۔ میں خود ہی آ جاؤں گا۔“ فہد نے قدرے زکھائی سے جواب دیا اور احمد کے ہمراہ اس رستوران کے چھوٹے سے کچن میں چلا آیا۔

”یہ تمہارا رستوران ہے؟ اور تم یہاں کیسے بھئی؟ واٹ آپلیزٹ سر پرائز!“ اس نے ایک ہی سانس میں مختلف سوال کیے۔

”نہیں سرا! اپنی ایسی قسمت کہاں؟ میں یہاں شیف ہوں۔ چنے، مٹاؤں، پلوں سے بھر کر کھانے لگاؤں۔ لیکن یہ صرف سٹریٹ کی ڈیوٹی ہے۔ اس کے علاوہ ایک کلوں میں

ہیئر ڈریسر ہوں۔ ایڑ ڈانس رات کو ٹیفٹنگ بھی کر لیتا ہوں۔ لیڈر ٹیٹرنگ کا کام بھی سیکھ چکا ہوں۔ باقی رہا سوال میں یہاں کیسے؟ تو اس کے پیچھے بھی ایک لمبی کہانی ہے۔ پڑھنے لکھنے میں شروع سے ہی پھنسی تھا۔ یہاں ایک ماموں مہتمم تھے۔ انہوں نے پاسنر کر کے بلوایا اور آنے سے پہلے صاف کر دیا کہ پڑھا گیا تھا۔ سرواٹو کرنا ہے تو کوئی ہائی فائی ٹیلی ویژن ورنہ سیلون ٹیٹرنگ اور سکرین کارڈنگ ٹریننگ لے آنا۔ اس کے علاوہ نری خوری ہے۔ میں نے ان کی بات پلے سے بانہ لے لی۔“ احمد نے وضاحت کی۔

”کتنا کام اور بچا لیجئے ہو؟“ فہد اس کا ساتھ لانا چاہتا تھا اور غیر ذمہ دارانہ رویہ یاد کرتے ہوئے استفسار کر بیٹھا۔

”سرا! آپ کے سامنے ہی سب کچھ ہے۔ جو کمالیاد ہمیں خرچوں پر لگ جاتا ہے۔ جو بچا لیا اسے وہاں ہی کاٹور کراتے ہیں۔ ویسے آپ کب سے ہیں یہاں؟“ اس نے دریافت کیا۔

”تین ماہ تو ہو گئے ہیں۔“ فہد نے ہونٹ کیچے۔

”فیاضی پر آئے ہیں نا؟“ احمد نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

”تمہیں کیسے پتا؟“ وہ حیران ہوا۔

”دوسال سے یہاں رہ رہا ہوں سرا! اب تو ایک نظر میں سب کچھ پرکھ لیتا ہوں۔“ احمد ہنسا۔ ”ہر ویزا ٹیکسٹری والوں کے روپ الگ ہوتے ہیں۔ آپ کے چہرے پر بھی اسٹریس اور ٹینشن ہے۔ کمال ہے۔ آپ جیسا چھوڑا شخص یہ غلطی کیسے کر بیٹھا؟ میرے نزدیک تو فیاضی پر آنا اگھا تھا ہے۔ مجھ سے کوئی پوچھتے تو سب سے بہت آپشن بھی ہے کہ اسٹوڈنٹ ویزا ملائی گردیں۔ تین دن جا ب کی اجازت بھی ہوتی ہے۔ لائسنس بھی مل جاتا ہے انہیں۔“

”بھلا کس پاس اس تجزیہ کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اس وقت کو بے طرح کوٹنا تھا جب متاشا کے مشورے پر اس ویزا کے لیے ہائی بھری تھی۔“

”کیا ہوا سرا؟ میری کوئی بات تو بڑی نہیں لگی؟“ احمد نے جھجکتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ اس دیاغیر میں اپنے استاد کو دیکھ کر بچوں کے سے جوش میں مبتلا ہو گیا تھا۔

”ارے نہیں بھئی! ویسے ہی آج کل بارہ بجے رہتے ہیں۔“ فہد اپنی پریشانی اور تباہی میں احمد سے باہمی رشتہ و مقام فراموش کیے دیے جذبات کو گوبائی دے بیٹھا۔

”جا ب اور ویزا! سیکشن کا ایڈیٹو نہیں؟“ اس نے قیاس آرائی کی۔

فہد نے پھل انداز میں سر اثبات میں ہلادیا۔

”جا ب اور ویزا! سیکشن کا ایڈیٹو نہیں؟“ اس نے قیاس آرائی کی۔

فہد نے پھل انداز میں سر اثبات میں ہلادیا۔

فہد نے پھل انداز میں سر اثبات میں ہلادیا۔

”آپ کا بی آر بی کارڈ اور نیشنل انٹرنس نمبر ایڈیٹو ہونے تک کوئی بھی جا ب ملتی مشکل ہے لیکن خیر! جگا ڈنگ بھی سکتی ہے۔“ احمد نے پُرسوج انداز میں کہا۔

”کیا واقعی؟“ وہ یکدم پُرجوش ہوا۔

”نہیں سرا! اپنے دیکھی اسٹور مالکان کم اجرت کے پکر میں کیش ان ویڈ جا ب دے دیا کرتے ہیں۔ لیکن یہ ممکن ہے کم ہوتی ہے۔“

”ڈونٹ میٹر! میں سچ کرلوں گا۔“ اس نے فوراً ہائی بھری۔

”ٹھیک ہے سرا! میں ایک دو اسٹور مالکان کو جانتا ہوں۔ کل میری پاکستان کے لیے فلائٹ ہے۔ آج ہی ان سے بات کرلوں گا۔“

”پاکستان جا رہے ہو تم؟“ وہ حیران ہوا۔

”دوسال ہو گئے ہیں انہوں سے ملے ہوئے اپنے ملک کو دیکھنے ہوئے۔ بہت یاد آتے ہیں سب۔“ اس کی آنکھوں میں نمی چمکی۔

”یہاں رہ کر احساس ہوتا ہے کہ اس غریب مسائل کے دور جا ملک میں ہمارے لیے کتنی آزادی ہے۔“

فہد نے اس سے کسی بھی بحث سے گریز کیا۔ اس لمحہ وہ صرف اپنی ملازمت کے تصور میں غرق تھا۔ ویزا سیکشن کی نزدیک تر آئی ڈیڈ لائن اسے ہر لمحے سولی پر لٹکاے ہوئے تھی۔ وہ اپنے ارد گرد ہنسنے، مسکراتے، جھکتے چہروں کو رشک و حسد سے دیکھتا کسی معجزہ کے لیے دعا گو رہتا تھا۔ احمد نے اسی لمحے ایک دو فون کا زنگ لیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”آپ کا کام ہو گیا ہے سرا! امان! میں ایک بندہ مہینہ کی لو پر ہے۔ اس کی جگہ ٹیفٹنگ کا کام کرنا ہوگا۔“

”کوئی بات نہیں! ایک بار کوئی بریک تھرو مل جائے آگے میں خود ہی کوئی رستہ بنا لوں گا۔“ وہ ہنوز خواب نگری سے لوتے پر آمادہ نہیں تھا۔ ”ویسے ایک بات تو بتاؤ؟ تم کافی عرصہ سے یہاں مقیم ہو۔ اس بات میں کوئی سچائی ہے کہ فیاضی سیکشن پالیسی کے بعد سیکشن میں ممکن ہو جائے گی۔“

”سچائی تو بہر حال ہے۔“ احمد نے ایک توقف سے کہا۔

”لیکن ایک سچ یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی انکم زیادہ شو کرنے کی بھی کوئی نہ کوئی جگا لگا لیا ہی نہیں گئے۔“

فہد یاس و آس کے ہنڈولے میں سوار مزید الجھن کا شکار ہو گیا۔ اس کا سر درد سے چھپنے کے قریب تھا۔ ٹنن ایسی کا تصور بھی سہان روح محسوس ہوتا تھا۔ اپنی آبائی سر زمین سے وحشت و محسوس محسوس کرتے وہ ایک بنیادی نکتہ فراموش کر چکا تھا کہ فرد و واحد کی زندگی میں عزت و ترقی کا بالواسطہ یا بالواسطہ تعلق وطن

فہد یاس و آس کے ہنڈولے میں سوار مزید الجھن کا شکار ہو گیا۔ اس کا سر درد سے چھپنے کے قریب تھا۔ ٹنن ایسی کا تصور بھی سہان روح محسوس ہوتا تھا۔ اپنی آبائی سر زمین سے وحشت و محسوس محسوس کرتے وہ ایک بنیادی نکتہ فراموش کر چکا تھا کہ فرد و واحد کی زندگی میں عزت و ترقی کا بالواسطہ یا بالواسطہ تعلق وطن

فہد یاس و آس کے ہنڈولے میں سوار مزید الجھن کا شکار ہو گیا۔ اس کا سر درد سے چھپنے کے قریب تھا۔ ٹنن ایسی کا تصور بھی سہان روح محسوس ہوتا تھا۔ اپنی آبائی سر زمین سے وحشت و محسوس محسوس کرتے وہ ایک بنیادی نکتہ فراموش کر چکا تھا کہ فرد و واحد کی زندگی میں عزت و ترقی کا بالواسطہ یا بالواسطہ تعلق وطن

فہد یاس و آس کے ہنڈولے میں سوار مزید الجھن کا شکار ہو گیا۔ اس کا سر درد سے چھپنے کے قریب تھا۔ ٹنن ایسی کا تصور بھی سہان روح محسوس ہوتا تھا۔ اپنی آبائی سر زمین سے وحشت و محسوس محسوس کرتے وہ ایک بنیادی نکتہ فراموش کر چکا تھا کہ فرد و واحد کی زندگی میں عزت و ترقی کا بالواسطہ یا بالواسطہ تعلق وطن

فہد یاس و آس کے ہنڈولے میں سوار مزید الجھن کا شکار ہو گیا۔ اس کا سر درد سے چھپنے کے قریب تھا۔ ٹنن ایسی کا تصور بھی سہان روح محسوس ہوتا تھا۔ اپنی آبائی سر زمین سے وحشت و محسوس محسوس کرتے وہ ایک بنیادی نکتہ فراموش کر چکا تھا کہ فرد و واحد کی زندگی میں عزت و ترقی کا بالواسطہ یا بالواسطہ تعلق وطن

عزیز سے بھی ہوتا ہے۔ ملک و ملت کو بھلا کرنے والے شخص کی حقیقی سرکردگی ناممکنات میں شمار ہوتی ہے۔

☆ ☆ ☆

فہد کی ملازمت کی اطلاع متاشا اور نور کے لیے حیران کن ثابت ہوئی تھی۔

”یہ کیا حقائق ہے فہد؟ سر اسر رسک ہے یہ۔“ نور جبریز ہو گئی۔

”رہنے دیجیے مام! اسے اپنی مرضی کرنے دیجیے۔ اپنا ویزا ختم ہونے تک پانڈو زنگس کمائی کا حذرہ چکھ لیجئے دیجیے اسے بھی۔ لیکن سب کرنے تو یہاں آیا تھا یہ۔“ متاشا نے سر دھمکی سے کہا۔

فہد نے کوئی بھی جواب دینے میں عافیت جانی۔ اپنے غیر یقینی مستقبل کی بابت خدشات نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا تھا کہ دل و دماغ ایک دھند میں لپٹ چکے تھے۔ سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت سلب ہو چکی تھی۔

”پاپا کے پاس گھر کی ایکسچینج جانی اسے دے دیجیے۔ خود ہی واپس آ کر دروازہ کھول لیا کرے گا۔“ اس نے تجویز دی۔

فہد نے نہایت ہمت و کفن سے اپنی اس ملازمت کا آغاز کیا تو پہلے ہی روز چودہ طبق روشن ہو گئے۔ پاکستان میں مل کر پانی بھی نہ پینے۔۔۔ اور نہایت نشات سے ملازمت کرتے ہوئے ایسی کسی مشقت کی بابت تصور بھی کہاں کیا تھا لیکن ہمت تو بہر طور کرنی تھی۔ پہلے ہی دن اس کے بازو اور نگوں کے پٹھے کھچاؤ کا شکار ہو گئے تھے تاہم وہ ممکنہ معاوضے کے تصور سے خود کو بہلا لیتا۔

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

چوتھے روز گھر روانگی سے قبل تیز بارش نے اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے شخص کو اپنی بیوی کے ہمراہ ہنگامی طور پر اسپتال روانہ ہونا تھا۔ وہ اسٹور کے باہر ایک شیشے تلے کھڑا رہتے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ فہد کے لیے اس سر زمین کا موسم تاحال ناقابلِ محسوس تھا۔ دن کے اوقات میں تیز دھوپ اور موسلا دھار بارش کا سنگم لڑکی تھی۔ رات گئے یکدم تیز بارش اور کچھ لمحوں بعد آسمان شفاف ہو جاتا بھی پہلے کہیں دیکھنا نہ تھا۔ بارش رکنے کی امیدیں شیشے تلے کھڑے فہد کو اپنی جانب بڑھتے خطرے کا احساس ہی نہ ہو سکا۔ ہوش تو اس وقت آیا جب وہ تین عدد کرخت صورت اور چاقو بردار افراد پر درہمچسپا راسے یا دو گز زخم دینے میں کامیاب ہو گئے۔ فٹے میں دھت ان افراد کی وحشت جھیلنے کے بعد فہد کی ذہنی حالت ایک نئی نچ پر پہنچ گئی۔ وہ تینوں افراد اس کے لیے انجینی نہیں تھے۔ وہ اسٹور آمد و رفت

انہوں نے ہنست کھینچے ہوئے بتایا۔

”میں نے بھی ایک دفتر بزنس کی تھی بات۔“ مناشا نے اپنی گردن کو محسوس سے دبا دیا۔ ”فرہین ابھی پچھلے مہینہ ہی پوری ٹیلی کے ساتھ پاکستان سے ہو کر آئی ہے۔ جو یہ نے اپنی بھانجی کی شادی پر پیسے بیچ دیے ہیں۔“

”بس کیا کچھ ہے۔ ہر شخص ہی بیوقوف پر اہلکار کا شکار ہے۔“

”لیکن یہ بات پاکستان میں بیٹھے ہوئے بھی تو سمجھیں۔“ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی۔ فہد کی عیادت کے لیے آنے والی فون کا لڑکے دوران بالواسطہ اور بلاواسطہ سوالات اسے زچ کر دیتے تھے۔

نور کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ مناشا کے ساتھ تجویزوں سے متفق ہونے کے باوجود انفرادی سے کڑی تھی۔

”لیکن ایک بات ہے مام! اس نے مجھے بھی پیسے ارب خرچ کرنے پر فورس نہیں کیا۔“ وہ پُرسوج انداز میں بولی۔ ”ایک کام ہو سکتا ہے ویسے آپ ان سے یکمشت قرضہ کے بجائے فرداً فرداً رقم لیں تو انہیں بھی ہزار ہا روپے تو بین ہی جائیں گے۔ باقی میں بھی کہیں نہ کہیں سے ارب خرچ کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔“

”گرہٹ آئیڈیا! ابھی ٹھیک رہے گا۔“ نور نے تائید کی۔

”خیر! اس سے ایک بار پھر کلمہ پڑھ لے۔“ مناشا نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے کہا اور چند محسوس بعد دوبارہ بالائی منزل کی جانب بڑھ گئی جہاں فہد اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔

”تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے فہد! چھوڑ دو اسے اور آرام کرو۔“

مناشا کے اس نرم لہجے اور جیسے روئے نے فہد کو ایک بار پھر چونکا دیا۔ وہ کئی روز سے بے حد پریشان دکھائی دے رہی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں اب۔“ اس نے لیپ ٹاپ ایک جانب رکھ دیا۔ وہ مناشا کی غیر حاضری میں اپنا ٹائیک بہت دلچسپی سے رد اسے رکھے ہوئے تھا۔

”کیا بات ہے؟“ فرہین کیوں ہو؟“ فہد نے ایک توقف کے بعد دریافت کیا۔

”تمہاری ویزا انیس ہی روز رہنی ہوئی ہے۔ مام نے کئی فریڈز سے بات کی ہے۔ امید ہے کہ ڈیڈ لائن سے پہلے ارب خرچ ہو جائیں گے پیسے۔“ مناشا کے اس اکتشاف نے اسے خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔

”مجھیں مجھے کس کا بیڑ نہیں کرنا چاہیے تھا مناشا!! فیانی سہرا کے جنم پور میں رہنا میری سب سے بڑی غلطی تھی۔ اس سے بہتر تھا کہ میں اسٹوڈنٹ ویزا ملا کر دیتا۔“ فہد نے بوجھل

انداز میں کہا۔

”نہیں! اجتہاد سب سے بڑی غلطی تھی میں دھوکے میں رہ گیا تھا۔“ اس نے رمان سے کہا۔ ”تم لوگوں کو اپنی انکم کے بارے میں جھوٹ بولنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اینڈ اسٹنڈ! اسٹوڈنٹ ویزا ایک بڑا پرکھا ہوا کوئی آم ہے؟ میں بیچیں لاکھ روپے تو تب بھی خرچ ہوئی جانتے تھے۔“

”میرے لیے بہت مشکل ہو جائے گی فہد! ویزا ایکسٹینڈ نہ ہوا تو ہمارے رشتے کا کیا نتیجہ ہوگا۔ مجھے علم ہے دوبارہ اپلائی کرنا تمہارے لیے ممکن نہیں ہوگا۔ میری انکم فی ماہی کے لیے اب ٹو مارک نہیں ہے۔ کئی لوگ اپنی اصل جاب بھی شوکر رہے ہیں لیکن پینشنس کے بعد میں۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو جھکے۔ فہد کو اس کی یہ تشویش آنسو اور پریشانی بے حد تک محسوس ہوئی تھی۔ رگ روپے میں فرحت دہر دور وال ہو گئے تھے۔

”عورت بالآخر عورت ہی ہوتی ہے۔ کل محبت اور میرا سے رام کر لی لیا کرتے ہیں۔“ اس کے ذہن میں سرور سوچ ابھی مناشا اپنی نظریں چراتی اب کمرے کی کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

☆☆☆

”خوف..... لالچ..... خواب..... دشت..... مایوسی..... امید..... لگن..... تعاقب.....“

وہ ایک خوش باش گھرانے کا مکمل واپس تھا جسے ملکی حالات و تعمیرات نے اپنے مستقبل کی بابت خوفزدہ کر رکھا تھا۔ اس خوف سے نجات کا واحد راستہ کسی بیرون ملک منتقلی ہی دکھائی دیتا تھا۔ اس نے شاندار مستقبل کے لالچ میں ذہنی حقائق نظر انداز کرتے ہوئے اپنے تمام تر وسائل چھوٹکے دے۔ وسیع تر مطالعہ اور ذہنی سکھ کے باوجود اسے بیرون ملک زندگی جنت نظیر محسوس ہوتی تھی۔ اس کا مکمل اٹھا کر ہر ترقی یافتہ ملک بائیس کھولے اس کا استقبال کرتے ہوئے ہر اہمیت و سہولیات کی بھرمار کر دے گا۔ اس جنت میں آسائش و آسائش سے لطف اندوز ہونے کے خواب آنکھوں میں سجائے وہ بالآخر اس سرزمین پر چلا آیا تھا جہاں آمد اس ملک کے ہر دوسرے فرد کی محسوس تھی۔ اس سرزمین پر قدم رکھتے ہی حقائق کی کڑکٹی دھوپ نے اس قدر شاندار استقبال کیا کہ سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت مفقود ہونے کے ساتھ ذاتی و قلمی سلامت نہ رہ سکا۔ ان حالات و واقعات نے اسے شدید دشت میں مبتلا کر دیا۔ اپنی تمام تر کشمکشیں جلا دینے کے بعد وہ ایسی کاسٹروسو پان روح تھا۔ واپسی کی صورت میں انہی مسائل اور ہزار ہا نکلنے سوالات کا سامنا کرنے کا

یاد بھی تو نہ تھا۔

اس مایوسی اور اذیت میں یوسف امجد کی کرن بن کر نمودار ہوا تھا۔ یوسف کا مطالعہ تسلیم کر لینے میں کوئی عارضی نہیں تھی۔ فہد نے مکمل لگن اور دلچسپی سے یوسف کی تقویض کردہ ذمے داری بھائی اور مطلوبہ مواد تیار کر لینے کے بعد طے شدہ مقام و وقت پر اسے تمنا دیا تھا۔ یوسف نے اس وقت اپنے کے مطالعے کے بعد اگلے ٹائیک کا عندیہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ اپنے سفری کاغذات مکمل رکھنے کی تلقین نے فہد کو اس قدر سرور کیا کہ وہ مسجد سے واپسی کے بعد اپنے تعاقب سے آگاہ ہی نہ ہو سکا۔ سر کے عقبی حصے پر لگنے والی کاری ضرب اور چہرے پر کسی ہموار کے احساس نے حواس متزلزل کر دیے تھے۔ اس کے بعد آنکھیں اسی تاریکی میں مگلی تھیں۔

”کیسے آیا ہوں میں یہاں؟ کہاں غلطی ہو گئی مجھ سے؟“ کیسے لکھوں میں آخر یہاں سے؟“ احساس بے بسی نے ایک بار پھر آنسو رواں کر دیے۔

”یا اللہ! میں نے تو کبھی کوئی گناہ نہیں کیا۔ کسی کے ساتھ کچھ غلط نہیں کیا۔ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں؟ ابھی ایک موقع عطا فرما دے۔ مجھے زندگی عینایت فرما دے میرے محبوب! وہ گرہ زاری کرنے لگا۔

اس گرہ زاری میں بھی باقی قریب میں اپنا تفرخ خود فرستی غرور اور دروغ گوئی یاد آئے تھے ہی نہ دے رہی تھی۔ اسی لمحے بالائی سطح پر دھک کا احساس ہوا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اگلے چند لمحے ناقابل فہم جھنجھٹا ہٹ کے بعد تارکی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ گھٹن سواتر ہوئی تو اس جان لیوا احساس نے اپنی گرفت میں لے لیا کہ ہوا کا معمولی روزن بھی بالآخر ہرند ہو گیا ہے۔ اس کی فطری نازک مزاجی نے حسب سابق مزاحمت فوری ترک کر دی۔ قدم بہ قدم موت کی پیش رفت کے خوف سے سر میں ایک دھماکا محسوس ہوا اور ناک سے خون ریزے کے بعد آنکھیں بند ہو گئیں۔

خواب اور امید نے آخر کار دم توڑ دیا تھا۔

☆☆☆

مناشا اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی کسی گہری سوچ میں غرق تھی۔ عقب میں قدموں کی مخصوص چاپ بھی اسے خیالات سے چونکا نہیں پاتی تھی۔

”کیا سوچ رہی ہو سوٹ مارٹ؟“ نور اور نے اسے کندھوں سے تمام کر سرگوشی کی۔

”سوچ نہیں رہی..... بس دیکھ رہی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔

”او..... آئی سی.....“ نور اور نے بھی مسکرا کر جواب

سنا بیان

دیا۔ ”اپنے جڑی بوٹی کی آخری آرام گاہ دیکھ رہی ہوگی۔“

”ہمم..... کہاں رکھا ہوا ہے اسے اپنی داوے؟“ مناشا نے ایک بار پھر پہلی منزل کی اس کھڑکی سے نیچے دکھائی دینے والے بانچے کا جائزہ لیا۔ وہ کئی ہفتوں پہلے اس کمرے میں آئی تھی۔ شادی سے قبل اسامہ کی تعلیم کے باعث اپنے گھر میں منتقلی کے بعد یہاں راکش عرف روکی نے سکونت اختیار کر لی تھی۔ اس نے والدہ کی وفات کے بعد اپنا ساتھ گھر زیادہ کرایہ کا بندر بنا کر کونسل کو واپس کر دیا تھا۔

”وہ..... وہاں.....“ روکی نے بتایا۔ ”ملتا جا ہو گی اُسے؟“

”ابھی تو زندہ ہی ہوگا۔“ مناشا نے دریافت کیا۔

”ہاں! صرف تمہارے انتظار میں زندہ رکھا ہوا تھا۔ سوچا کہ ذرا تیش موت دی جائے اُسے۔“ روکی نے اسے اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔

مناشا اور روکی کی بچپن سے ایک دوسرے سے شناسا تھے۔ راکش تیا کی درحقیقت اس کا سہرا اور ہم جماعت تھا تاہم عمر میں دو سال بڑا تھا۔ مناشا بارہ سال کی عمر میں خشیات سے متعارف ہوئی تو روکی ہی سب سے بڑا سہرا کا شہرت ہوا تھا۔ مناشا کی ہم عمر کئی لڑکیاں اور لڑکے قریبی پارک میں کھیلنا مشہور اور اشیاء استعمال کرتے تھے۔ اسامہ بھی خود کو اس لڑکے سے محفوظ نہیں رکھ پایا تھا۔ انیس والدین یا معاشرتی حدود تو دنیا کا کوئی خوف نہ ہوتا تھا۔ ان سبھی کے والدین اپنی ملازمت کے سلسلے میں کہیں نہ کہیں مصروف ہوتے تھے۔ مناشا اور راکش کا یہ تعلق بہت جلد تمام تر اخلاقی حدود بھی تجاوز کر گیا۔ روکی سے جسمانی مراسم کے بعد بھی مناشا نے کئی دوسرے مردوں سے بھی غیر اخلاقی تعلقات استوار کیے تھے تاہم ان میں سے کسی کو بھی اس جیسی حیثیت و مقام حاصل نہیں تھا۔ وہ روکی کو بلا کم و کاست بچپن کا پیار فرار ہو گئی تھی۔ اسامہ کی شادی کے بعد روکی کو اپنی والدہ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا تھا۔ اس کے والد کو کئی سال پہلے ہی ملک عدم سدھار چکے تھے۔ ان کی آخری رسومات کے لیے اسے کچھ عرصہ بھارت مقیم رہنا پڑا۔ اسی اثنا میں نور نے اسے سخت جذباتی دباؤ میں لیے شادی پر مجبور کر دیا تھا۔

پاکستان سے واپسی کے بعد ان دونوں کی بے احتیاطی کے سبب گودہری ہونے کی خبر نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا تاہم صورت حال برقرار پانے میں کامیاب رہی تھی۔

مناشا، فہد کو بھی دلی طور پر تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ وجہ تسمیہ بہر حال آزادی سے محبت تھی۔ اسے شوہر کے روپ میں کوئی بھی ذمے داری اپنے سر لاؤنے سے ہی دشت ہوئی تھی۔

جہیز نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "نہ تو
میں فلم اسٹار ہوں، نہ کھلاڑی، میرا آؤ کر الے کر کیا کرو
گی؟"

"شکریہ۔ ذرہ لوازی۔" جنید نے کہا اور قلم لے کر

ستائش کا یہ انداز اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ البتہ وہ مستحق

یہ ہے۔

وجودِ تقدی کا چارہ لینے لی۔ پانچ ہزار کے جہات لوٹ،

پانچ ہزار کے نوٹ میں نے بلاؤز میں اڑس لیے اور

جود لریڈٹ کارڈ اور شناسی کارڈ کا مسئلہ تو ہم سے

کائنات سے لے کر ہر شے کے لئے ایک ہی اصول ہے۔

اسے تلاش کر رہا ہوگا۔

مجھے جلد ہی لگے گی۔ میں دروازہ کھول کر عقبی

"یہ کیا ہے اور کی ہے، ایسی میں سے۔"

”چلاؤ مت..... میں پچیس لوگوں کا رہا ہے“ کو

پہا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کے پاس پہنچا۔

نامک پولیس والا تو ہرگز نہیں تھا، لہذا اس کی تردید ہے۔

”کیوں نہیں۔“ تو جوان خوش خلتی سے یہاں

”میں نے پارک ہوم کے سامنے تمہارے ہاتھ

”بقوفہ: ہائے مس، نہ انا کہ سنا کہ

فیسکس مطلوب ریٹورنٹ کے سامنے رک گئے۔

”یہ لُج کے لیے بہترین جگہ ہے، اوہ..... میں انا چاہتا ہوں۔“

2024

”تم پہ جیسا کہ سے کاٹ رہا ہوں جس جو یہ یا؟“

”میں نے کہا کہ آپ اس کے لیے دعا کریں۔“

”روحیت کا کام دلا سکتا ہوں۔“

”کہ اے مسلمانو! اللہ نے تم کو اپنا رسول مقرر کیا ہے۔“

ہے۔ تمہیں اس سے ایک چیز اڑانی ہے۔ کیا تم بھی جیل گئی

”جنتیں اس بس میں سفر کرنا ہے اور اس صورت کے

خدا کے لئے دعا ہے کہ

”تمہیں مارا ہو گا ابھی کچھ دیر پہلے میں نے

”اہتا ہوں۔ بزنس کوئی بڑی بات تو نہیں ہوتی نا۔“

جاسمہ ذائقہ

میرے لیے یہ پیش بری تو نہیں مگر میں نے

آجے۔ اں مہام عرواں ہما چہ اں عاں ہما
سہ لوگ ہاے ہا۔ ہاے ہاے ہاے ہاے ہاے ہاے

تبدیلیاں کے مزید واقارب، حجامان سے لئے جارہے ہوتے

ان کے علاوہ چھ اور لوگ بھی ہیں۔ خاصا رس ہے

بلاک کے قاصلے پر جا کر ایک چھوڑا سا خانہ نمائی

کالوں اور پھر تین گھنٹے کے انتظار کے بعد ہی روٹ کی بس

بھلو، پرس میں سے چھڑا لیا ہوگا۔ وہ پرس ایک عورت کا
میں نے چاہا۔ ”

چار لاکھ کا سبب ملے سے اسی طرح چار لاکھ ہو

بہر حال اپنی جگہ ہے ہی، پہلے میں مطلوبہ عورت کو تلاش

اگست 2024

عورت کے علم میں آئے کہ وہ کیا چیز کھوٹتی ہے، میں بس سے اتر جاؤں، کیا تم یہ سب آسان سمجھ رہے ہو؟
”کچھ رعایت کرو، تین لاکھ ٹھیک رہیں گے؟“
”سراڑھیں لاکھ آخری۔“
”ٹھیک ہے۔“ وہ دھیملا پڑ گیا۔
”نصف ٹھیک۔“

”خدا کی پناہ، تم تو زبردست کاروباری لڑکی ہو۔“ وہ نہیں پڑا۔
”مجھے ختم کرنے کے بعد رفیق نے مجھ سے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے پوچھا۔“ تم کہاں رہتی ہو؟“
”بس، بسیں نہیں، اسی بھرے پڑے شہر کے کسی کوئے میں۔“

”تم نے یہ جب کتنے کا پیرا اختیار کیا؟“
”ہم نے ابھی جو معاملہ طے کیا ہے، اس میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ تم مجھ سے ذاتی نوعیت کے سوالات کرو گے، اب میں چلاؤں گی۔“
”تم آج رات میرے گھر آ جاؤ، میں تمہیں مزید معلومات فراہم کروں گا اور تمہاری رقم بھی دے دوں گا۔“
”آج نہیں۔“ میں نے کی خیال کے تحت فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
”آج یا پھر کل۔ کیونکہ اتوار سے پہلے اس کام کو انجام دینا ہے۔“

”ایک بات تو بتاؤ۔“ میں نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”اگر تم مجھے جینیہ جانی کی جیب سے پرس نکالتے ہوئے نہ دیکھتے تو کیا کرتے۔۔۔؟“
”خاہر ہے کوئی دوسرا منصوبہ سوچنا پڑتا۔ کوئی اور راہ اختیار تو کرنا ہی پڑتی، خیر، اب میرا سب کچھ لوٹ کر وہاں میں پھر نیچے سے نکال دو، تاکہ تمہارا نمبر بھی میرے پاس سید ہو جائے۔ میں آج رات آٹھ بجے کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔“ کہتے ہوئے وہ مجھے اپنا موبائل نمبر بتانے لگا۔
اس کے بعد ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے۔

☆ ☆ ☆
میں نے وہ سہ پہر کی بڑی رقم کے حصول کے ٹھیک دوو میں گزار دی، مجھے پانچ لاکھ کی فوری ضرورت تھی، کسی خزانہ عورت کا قرض چکانا تھا، وہ سالانہ بھی ایک پولیس والے کی بیوی۔ بہر حال اگر اتنی رقم میرے ہاتھ لگ جاتی تو میں رفیق کے گھمنے سے فائدہ پاؤں گی۔ کی بات تھی کہ مجھے

دروہ ضرور دینی اسکا بات کی جو مجھے چھوڑ رہی تھی میں اس کی ناپید آفت کا خطرہ مول لیتا بھی نہیں تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود کوئی بڑی رقم میرے ہاتھ نہ لگی۔ جینیہ جانی کی جیب سے اڑائی ہوئی رقم اس دن کی بری دیکارڈ آمدنی تھی۔ بعد میں چار گھنٹے کی دوڑ دھوپ کے بعد میں ایک لاکھ پچاس ہزار ہی حاصل کر سکی تھی۔ تا چار گھنٹے کے بعد کوئی رقم نہ مل سکی۔

رفیق نے اپنے قلیت کے دروازے پر مل گیا۔ وہ میرا ہی انتظار کر رہا تھا۔ اس کا قلیت خاصا شاندار تھا۔ مجھے اس نے بتایا کہ یہ اس کا نہیں، اس کے دوست کا ہے، جو شہر سے باہر گیا ہوا ہے اور وہ اسے عارضی طور پر استعمال کر رہا ہے۔

رفیق نے اپنے لیے اور میرے لیے ٹھنڈا مشروب تیار کیا۔ اس کے بعد ایک لافانی میری طرف بڑھا۔ ہوسا بولا۔ ”اس میں تمہاری شکل رقم ہے، اس کے علاوہ تمہارا شکار کا فوٹو بھی ہے۔ وہ ایک عورت ہے۔ اس کا نام زینہ خانم ہے۔“

میں نے لافانہ کھلا اور اس میں سے مظاہرہ ایڈوائس کی رقم نکال لی پھر لافانے میں موجود عورت کی تصویر پر پڑی ڈالی۔ عورت خوش شکل تھی۔ بال ہلکے براؤن تھے، اس کی عمر پچیس چھتیس سال ہوگی۔
”ٹھیک ہے، اب تم مجھے اس عورت کے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

”جیسا کہ میں بتا چکا، وہ ہر اتوار سہ پہر میں اپنے شوہر سے ملنے جاتی ہے۔ اس کے پاس کار نہیں ہے۔ اس لیے ایون کی کی روٹ والی بس میں جاتی ہے۔“
”اس کا شوہر جیل میں کیوں بند ہے؟“
”جو کا دعویٰ اور شہین کے سلسلے میں۔۔۔۔۔ گزشتہ انتخابات کے سلسلے میں جوہم چلائی گئی تھی، اس کے چندے کے حساب میں کچھ ہیر پھیر ہے۔ ویسے اس بات سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔“

میں زور سے ہنسی۔ ”گو یا وہ خریف بد معاش ہے۔ کاش! مجھے بھی اس کی جیب کا ٹٹے کا موقع ملتا۔“
”تم بس میں جاتے ہوئے زبیدہ خانم سے دوستی کر گئی۔ اس کے ساتھ نشست حاصل کرنے میں تمہیں چنداں دشواری نہیں ہوگی۔ پھر واپسی کے سفر میں بھی تم اس کے ساتھ بیٹھو اور کسی طرح سے اس کے پرس سے کچھ کاغذات نکال لو۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان کاغذات کو ضرور اپنے پاس

میں رکھتی ہوگی۔“ رفیق نے بتایا۔
”اس کے پاس کتنے کاغذات ہوں گے؟“
”نوٹ بک کے کچھ ورق ہوں گے۔ میں ان کے سارے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ اس لیے مجھے خود نہیں معلوم۔ تحریر ہاتھ کی ہوگی۔ جیسے کہ عموماً خط لکھے جاتے ہیں۔“
”وہ کاغذات حاصل کرنے کے بعد مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

”واپسی میں جہاں بس آ کر رکے گی، میں وہاں سے ایک ہلاک کے قافلے پر ایک پرانی سرخ مرگھ میں موجود ہوں گا۔ تم وہ کاغذات لا کر میرے حوالے کر دینا۔ میں اسی وقت بھیہ رقم تمہارے حوالے کر دوں گا۔ بات واضح ہو گئی؟“ اس نے پوچھا۔ میں نے اثبات میں سر کو جھٹک دیا اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆
اتوار آنے میں ابھی تین روز باقی تھے۔ یہ تین دن میں نے خوب سوچ بچار میں گزارے۔ میرا دل کہتا تھا کہ میں اپنے دماغ کی رقم چپ چاپ رکھ لوں اور معاملے کو گول کر دوں۔ رفیق مجھے پتہ تھا یا غنڈا نظر نہیں آیا تھا کہ ایڈوائس کی رقم کے لیے مجھے تلاش کرنا پھرے۔ اگر وہ مجھے ٹیک پہنچ بھی گیا تو میں بہانہ کر دوں گی کہ اتوار کو میں بیمار پڑ گئی تھی۔ وغیرہ۔

لیکن جب اتوار کا دن آیا تو میں نے ایک ایمان دار اور دیانت دار ایجنٹ کی طرح اپنے کام کو انجام دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے کا محرک وہ قیہ رقم تھی جو کام انجام دینے کے بعد مجھے ملنا تھے۔ پھر اس نے مجھے پرہیز و ساقیا تھا اور میں اس کے بھر دے کو مجروح بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آخر کار وہ باری سا کھجی کوئی چیز ہوتی ہے۔۔۔۔۔
بس، ایون کی، اپنے اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ زبیدہ کے بچپنے کے وقت سے چند منٹ پہلے ہی میں وہاں جا کر کھڑی ہو گئی۔ تصویر میں نے دیکھ لی تھی۔ ساتھ ہی احتیاط کے پیش نگاہ، رفیق نے مجھے اپنے سب فون پر بھی اس کی کچھ تصاویر دکھا دی تھیں تاکہ غلطی کی کوئی گنجائش نہ رہے۔

بس بھرنے لگی۔ تب ہی مجھے زبیدہ آتی ہوئی نظر آ گئی۔ اس نے پرس تمام دکھا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ لیڈیز والے دروازے سے بس میں سوار ہو گئی۔ قسمت نے مزید ساتھ دیا اور ہم دونوں کو ایک ہی ساتھ سیٹ مل گئی۔ ساتھ بیٹھے مسافر کا ایک دوسرے سے بات چیت کرنا مشکل

کعبہ

نہیں اور پھر جہاں معاملہ خواتین مسافروں کا ہوتا کیا بات ہے۔ لہذا میں نے جلد ہی زبیدہ سے راہ و رسم پڑھالی۔ بس روانہ ہو چکی تھی۔ ٹریک زیادہ تھا، اسی لیے وہ چینی کی رفتار سے چل رہی تھی۔
باتوں میں، میں نے اگلا لیا کہ وہ جیل اپنے شوہر سے ملنے جا رہی تھی۔
”تمہارے شوہر کو سزا کیوں ہوئی تھی؟“ میں نے پوچھا۔

”سیاسی جکر ہے۔ کہتے ہیں اس نے نہیں کیا ہے۔ تم کہاں جا رہی ہو؟“
”میں بھی اسی جیل والے اسٹاپ پر اتروں گی۔“
”میں نے جھوٹ بولا۔“ میں، ٹرکس ہوں اور تم؟“
”زبیدہ، زبیدہ خانم۔۔۔۔۔“ اس نے بتایا۔

پھر ہمارے درمیان موسم، جیل کی زندگی اور مرد کے بغیر عورت کے شب و روز اور ایسے سمیر مسائل پر گفتگو ہونے لگی۔ مجھے اس عورت پر اس آنے لگا۔ ذرا دیر کو میں یہ بھول گئی کہ واپسی میں کیا کام انجام دینا ہے۔ میں نے یہ سوچ کر خود کو تسلی دی کہ مجھے اس عورت کی لافانی پرتو اتھ ڈالنا نہیں ہے، کاغذات ہی کا تو معاملہ ہے۔ لہذا وہ اس دلی عورت کے لیے زیادہ تکلیف کا سبب نہیں بنے گی۔
بس جیل کے قریب والے اسٹاپ پر رکی، مسافر اترنے لگے۔ ہم دونوں بھی اتر گئے اور ایک دوسرے کو خدا حافظ کر کے دائیں بائیں ہو چلیں۔

میں آگے جا کر رفیق کے کہنے کے مطابق ایک قریبی ریسٹورنٹ میں چلی گئی اور اس رخ پر بیٹھ گئی کہ جیل کا گیٹ اور ملحقہ پبلک اسٹاپ میری نگاہوں میں رہے۔ سو، میں نے وقت گزاری کے لیے کچھ کھانے کو منگوا لیا اور آہستہ آہستہ کھانے لگی۔ وقت گزاری کا کام بہت دو بھر ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ کھانا کھا کھٹنے کے باوجود وقت نہیں گزر رہا تھا، جیسا کہ رفیق نے بتایا تھا کہ اس عورت کو تھوڑی دیر ہو سکتی ہے۔ فارغ ہونے والے گاؤں کو ویزٹرز جان بوجھ کر رکھنے لگتے ہیں جیسے کہہ رہے ہوں کہ اب جاؤ بھائی، دوسرے گاؤں کے لیے جگہ خالی کرو۔

بہر کیف، جیسے تیسے ذاتی کوفت کا یہ سفر تمام ہوا، وہ عورت جیل کے گیٹ سے آتی نظر آئی۔ میں بھی جلدی سے مل دے کر نکل آئی اور جیسے ہی اسٹاپ پر پہنچی تو وہ مجھے دیکھتے ہی چونک کر بولی۔
”ارے تم، کیا عجیب اتفاق ہے۔“ وہ مسکرائی۔

”جب ہمیں یمن اچھا اٹاق“۔ ہمیں ہی بواب مس
سکرائی۔ اتنے میں مطلوبہ روٹ کی بس آگئی۔ ہم دونوں
اس میں سوار ہو گئے۔ اس بار ہمیں الگ الگ سیٹیں ملیں۔
میں بہت تھلائی، لیکن اگلے اسٹاپ پر زبیدہ کے ساتھ والی
مسافر عورت اتر گئی تو میں جھپٹ کر اس کے پاس جا بیٹھی۔
ہم پھر ایک دوسرے سے باتوں میں مشغول ہو گئے اور اب
میرے لگا ہیں بار بار اس کے پرس کا جائزہ لیتے رہیں اور ذہن
سوچتا رہا کہ ہاتھ کی صفائی کیسے اور کب دکھائی چاہیے،
وغیرہ۔

”کیسی رعبی ملاقات؟“ اسے باتوں میں لگانے کے
لبے میں نے پوچھا۔

اسی وقت سرخ مرگہ آ کر رکی۔ اس میں رہتی تھی۔
 میں اندر سوار ہو گئی۔ رہتی نے کاغذات چیک کیے۔
 بولا۔ ”یہی کاغذات ہیں، جن کی مجھے تلاش تھی۔“
 ہوئے اس نے جیرم کا لٹافہ میرے حوالے کر دیا۔
 ”اب تم ان کاغذات کا کیا کرو گے؟“ میں نے
 پوچھا۔
 ”اس بات کا فیصلہ دوسرے لوگ کریں گے۔“
 کام تو اس افواہ کی تصدیق تھی کہ پرویز اپنی بیوی نے بیوی
 توسط سے جیل سے کسی مسکرائے کے صفحات باہر نکالے
 ہے۔“
 ”آخر تم لوگوں کو پرویز سے دشمنی کیوں ہے؟“
 نے کیا کیا ہے۔“
 ”دشمنی اس سے غرض نہیں ہونی چاہیے۔ ہمیں
 مانگنا معاوضہ مل گیا۔ بس یہ کافی ہے۔ اب جہاں کو وہ
 اتار دوں گے۔“ اس نے سخت لہجے میں کہا۔
 ”شکر ہے۔ میں خود ہی چلی جاؤں گی۔“ میں نے
 خشک لہجے میں جی ہوتی اتر گئی۔

☆☆☆

سے ہوا تھا۔ میں رفیق کی آواز کا ربن مٹی تھی۔ میں بے شک لوگوں کی جیسیں صاف کرتی تھی لیکن کسی کی زندگی کے درپے نہیں ہو سکتی تھی۔

میں ایک دم بے چین ہو گئی۔ مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ کسی طرح زبیدہ کو اس خطرے سے مطلع کرنا چاہیے۔ لیکن کس طرح؟؟؟ مجھے تو زبیدہ کا پتا بھی نہیں معلوم تھا۔

رات دم توڑ رہی تھی۔ صبح کے آٹا رنودار ہو رہے تھے۔ میں نے چائے بنا لی اور کچھ کھانے کو بھی نہیں کیا۔ ایک کاک میرے ذہن رسا میں ایک خیال سوچا۔ شکر تھا کہ زبیدہ کا نمبر میرے پاس تھا۔ راہ دو رسم اور دوسرے واپسی کی باتاقت میں، میں نے تو نہیں البتہ اس نے ضرور اصرار کر کے اپنا نمبر دے دیا تھا۔ میں نے فوراً اپنے سیل فون سے رابطہ کیا مگر دوسری جانب سے کسی نے کال ریسیوز نہیں کی،

لڑ بھیل جا رہی تھی۔

معلوم تھا لیکن بھلے کی حد تک، اگر میں یوں بھی چلی جاتی اور زیدہ یا پردیز کا پوچھتا تو مجھے بتا دیا جاتا۔
میں باہر نکل آئی۔ دھوپ پھیل چکی تھی۔ میں نے رکشا پکڑا اور سیدی زیدہ کے گھر جا پہنچی۔ وہ ایک متوسط آبائی کالونی تھی، جیسا کہ مذکور ہو چکا، حام سے گھر تھے، چھوٹے بڑے، بے ترتیب۔ مگر زیدہ کا گھر نسبتاً بہتر تھا۔ میں نے صحت کے دل کے ساتھ، دروازے پر لگی کال بیل پر انگلی رکھ دی۔
”کون ہے؟“ اندر سے آواز آئی، یوں جیسے کوئی بہت دور سے بولا ہو۔
”زیدہ! یہ میں ہوں، جویریا، وہی، جو نکل جاتے ہوئے بس میں ملی تھی، ایون سی میں.....“ میں نے کہا۔
”تم شک تو ہوتا؟“

”میں تمہاری کون ہوں، جو تم میرے لیے پریشان ہو رہی ہو؟“ وہ گونگہ میرے لیے پریشان ہو رہی ہو؟“

”تم میری دوست ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ میں پُر زور لہجے میں بولی۔ ”مجھے ان لوگوں سے نفرت ہوئی ہے، جنہوں نے مجھے آلاکار بنایا اور اصل معاملے سے بے خبر رکھا۔ لیکن کرو میں اتنی بری نہیں ہوں۔“ جواب میں میری بھی آواز بڑی طرح رندہ گئی تھی۔

”پتا نہیں کیوں، جی چاہتا ہے کہ تمہاری بات کا یقین کر لوں۔“ زبیدہ نے ایک سرد آہ کے ساتھ پستول رکھ دیا۔

”یقین کرو زبیدہ! میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں کہ نادانگی میں ان کی آلاکار بن گئی۔ تمہارے شوہر پرویز کا کیا حال ہے؟ کیا میں اسے موجودہ صورت حال سے مطلع کر دوں جا کر؟“

”بہت دیر ہو چکی ہے۔ کل رات ایک قیدی نے اسے بری طرح زدوکوب کیا کہ وہ مر گیا۔“ زبیدہ ہونٹ کاٹنے ہوئے بولی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جک رہے تھے۔ ذرا توقف کے بعد وہ دوبارہ بولی۔ ”وہ کسی کو نہیں بچنے، ذرا ابھی ہلکتا تھا۔ یہ بات ابھی ایک گھنٹا پہلے رفتی نے مجھے زدوکوب کرتے ہوئے بتائی تھی۔“

”تم کچھ نہیں سکتیں تو پولیس ہی کو بلا لو۔“ ”کوئی فائدہ نہیں ہوگا، وہ بہت اثر درپور بخ والا آدمی ہے۔ پرویز نے معلوم کر لیا تھا کہ۔۔۔۔۔“

”طبعی نہیں۔“ اچانک دروازے سے ایک آواز نے زبیدہ کے جلے کو قطع کر دیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ دروازے پر رفتی کھڑا تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں دستا بنے پہنے ہوئے تھا اور اس ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔

”تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا جویریا!“ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر زہر خند سے بولا۔ ”جبکہ تمہیں تمہارے کام کا معاوضہ دے دیا گیا تھا۔ تمہیں اس معاملے سے باہر رہنا چاہیے تھا۔“

زبیدہ کی نگاہیں اپنے پستول کی طرف چلی گئیں، لیکن رفتی زیادہ بھرتیا ثابت ہوا۔ اس نے ہاتھ مار کر پستول فرش پر گرادیا اور غراتا ہوا بولا۔

”ایسی حماقت نہ کرو زبیدہ! میں بقیہ ایک سے چھپیں صفحات کی واپسی کے لیے آیا ہوں۔ اگر وہ مجھے نہیں ملے تو میں تمہیں مل کر دوں گا۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے پستول سے زبیدہ کے چہرے پر رش لگا دیا۔ تو اسی وقت میں تیرے سے نکلی اور اپنے پاؤں کے قریب پڑا ہوا زبیدہ کا ٹوٹا

پہل اٹھایا اور رفتی کے سر میں گولی مار دی۔ وہ ٹوٹ کر پھر فرش پر گر کر ساکت ہو گیا۔

زبیدہ دیر تک گنگ بیٹھی رہی پھر میری بولی میں بولی۔ ”یہ تم نے میرے لیے کیا۔ تم نے میری بھائی۔ آخر کیوں؟ تم تو۔۔۔۔۔ تم تو ان کی ساتھی۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ میں بولی۔ ”میں نے کیا تھا؟ تمہاری دوست ہوں اور پھر تمہاری مصیبت کی ذمہ داری میں ہی گئی۔ اسے ایک طرح سے کفارہ سمجھو۔“

”لیکن اب کیا ہوگا؟“ زبیدہ بے حد پریشان تھی۔

”کچھ نہیں ہوگا۔“ میں طمانیت سے بولی۔ ”مجھے ایک فون کال کرنا ہوگی اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرے پاس جینہ جانی کا نمبر تھا۔ وہ ایک بے جگر، بارہ اور۔۔۔۔۔ دلیر رپورٹر اور۔۔۔۔۔ نیکر تھا۔ میں جانتی تھی کہ یہ خبر اس کی دیرمگی اور پھر یہ پورا گروپ قانون شکن آجاتا۔ بعد میں مجھے جینہ سے معافی بھی تو مانگنا پڑی۔“

☆☆☆

کئی دنوں بعد جیل میں مجھ سے ملنے کے لیے زبیدہ آئی۔ وہ بہت خوش، ہشاش بشاش تھی۔

”آج کا دن کتنا اچھا ہے نا؟“ میں محبت بھرے لہجے میں اس سے بولی۔

وہ مسکرائی۔ ”ضرورتاً آج کا اخبار دیکھا ہوگا۔ یہ انچارج سمیت اس کا گروپ قانون کی گرفت میں آچکا ہے۔ یہ تو ایک انجام کا آغاز ہے۔“ میں نے ایک گہری ہکاری بھرتی ہوئے کہا۔

”لیکن مجھے تمہارے بارے میں پریشانی ہو رہی ہے۔“ زبیدہ نظر سے بولی۔ ”میں نے تو بھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہوو کی طرح اب ہر ہفتے تمہیں دیکھنے کے لیے جیل آیا کروں گی۔“

”پریشان نہ ہو، میں اس سے پہلے بھی جیل میں رہ چکی ہوں۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اور۔۔۔۔۔ اس بار کی جیل نے مجھے کوئی بچھتاوا نہیں ہونے دیا، ہو سکتا ہے کہ میں یہاں رہ کر سیاست پر کوئی چونکا دینے والی کتاب لکھ دوں۔“

”اور اس سلسلے میں، میں تمہاری مدد کروں گا۔“ اچانک قریب سے ایک آواز ابھری۔

ہم دونوں نے چونک کر دیکھا۔ جینہ ایک وجہ مسکراہٹ کے ساتھ وہاں آن کھڑا ہوا تھا۔

الذیت بھرے دنوں کے بعد ملنے والی لذت و مناجات کا انعام۔

تیسرا جنس

علاء امداد

خوشی کے لیے انسان ترستا ہے۔۔۔۔۔ خصوصاً اسی خوشی جس کا تعلق اولاد کی ولادت سے جڑا ہو۔۔۔۔۔ بڑے انتظار اور جتن کے بعد قدرت نے ان کے آنگن میں یہ پھول کھلا دیا تھا۔۔۔۔۔ مگر اس خوشی میں ایک ہوشیاری بھی پنہاں تھی۔



میری پیدائش پر نہ مٹانی باقی نہ والدین نے کسی خوشی کا اظہار کیا۔ حالانکہ میں ان کی پہلوی کی اولاد تھی بلکہ والدین کے درمیان ایک زوردار جھگڑا ہوا تھا۔ میرے والدین کی شادی میں نہ تانا تانی شریک ہوئے تھے، والد صاحب کے والد نے تو زیادہ سخت ایکشن لیا تھا۔ انہوں نے اپنی انکوٹی اولاد کو اپنی جاکد اسے عاق کر دیا اور یہی نہیں بلکہ اپنی بیوی اور بھائیوں کو والد صاحب سے کوئی رابطہ نہ رکھنے کا حکم بھی صادر کر دیا تھا جس پر دادی اور چاچاؤں نے پوری

طرح عمل کیا اور میرے والدین سے دادا نے بھی رابطہ بھی نہیں رکھا۔ اس وقت جب وہ اسپتال میں تھے تو انہوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو جمع کیا اور آخری سانس سے پہلے وصیت کی کہ اگر داداں سے کسی نے میرے بعد رابطہ کیا تو قیامت کے روز میں اس کا دامن گہر ہوں گا۔ والد کا عاقبت نامہ وہ پہلے ہی اخبارات میں شائع کروا چکے تھے بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ داداں کو نہ میری موت کی اطلاع دینا اور نہ ہی وہ میری قبر پر آئے۔

یہ سخت ترین توکل اس لیے تھا کہ میرے والدین نے کورت میرج کی تھی اور وہ بھی مجبوری میں کیونکہ ابا اور اماں ایک دوسرے کے کزن تھے۔ یعنی ابا، والدہ کے ماموں زاد تھے اور والدہ میرے والد کی بیوی کی زادی تھیں اور دونوں کی بچپن سے ایک طرح کی انڈر اسٹینڈنگ تھی کہ وہ شادی کریں گے تو ایک دوسرے سے دور نہ شادی ہی نہیں کریں گے۔

ابا نے اپنے والد کو اس سلسلے میں اعتماد میں لینے کی کوشش کی لیکن ڈی ایس لی صاحب یہ سنتے ہی بھونک اٹھے تھے اور کہا تھا ”مجھے انجینئر اس لیے بنوایا تھا کہ مجھے اپنے دشمن کی اولاد کے حوالے نہ کروں۔“

ابا نے کہا۔ ”کائنات صرف چھو پا کی نہیں بلکہ آپ کی اگلی نسل کی اولاد بھی ہے۔“

دادا نے اس کی جوابی دیس دیتے ہوئے کہا۔ ”میری بہن اب اس دنیا میں نہیں، اس لیے وہ لڑکی اپنے باپ کی ہی اولاد ہوگی اور اس شخص نے جب تک میری بہن حیات رہی کوئی سادہ تھا جو اس نے نہیں دیا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ انہی دکھوں کی وجہ سے اتنی جلد دنیا سے چلی گئی اور اس کیلئے نے بیوی کے مرنے کے تیسرے ماہ ہی دوسرا نکاح کر لیا۔“ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے دادا نے ابا سے کہا۔ ”تم اس وقت چھوٹے نہیں تھے بلکہ انجینئرنگ کالج میں تھے جب تمہارے چھو پانے اپنی بیگم پر دباؤ ڈال کر آبائی جائیداد میں اپنے حصے کے لیے کس کروایا تھا۔ جس کے نتیجے میں ہماری جائیداد جو فی سیت فروخت کر کے تمہاری چھوٹی کوسٹ میں اس کا حصہ دیا تھا اور اب تم اس کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہو؟“

ابا نے درخواست مسرور ہوتے ہوئے دیکھ کر اپنے روپے میں تھوڑی سی تہذیبی کی اور کہا۔ ”بابا آپ اپنی بھانجی کو قبول نہ کرنے کی خدشہ شاید اس نے کو بھی محسوس ہے۔“ لیکن دادا کے روپے میں کوئی تہذیب نہیں آئی اور وہ اپنی سادہ سادگی سے انہوں نے اپنا آخری لکھ سنا دیا کہ جاسوسی ڈائجسٹ

”اگر تم نے میرے دشمن کی بیٹی کو اپنی شریک حیات قرار دیا تو تمہارے اور تمہاری بیوی پر ہم سب کے دروازے سے پتھر پھینک دیں گے۔“

لیکن ابا بھی انہی کے بیٹے تھے۔ انہیں اپنے والد کی روئے کی توقع تھی۔ انہوں نے پہلے ہی سے اس کی بندی کر لی شروع کر دی تھی۔ انہوں نے اپنے گلے میں کی در خواست ڈبے رکھی تھی۔

یہ بات والدہ کے علم میں آئی تو انہوں نے کہا کہ بار مجھے ماموں سے درخواست کر لینے دو۔ وہ ماموں پاس ان کے دفتر پہنچیں لیکن ان کا دوشہ وہیں تھا جس پہلے اپنی بھانجی کے ساتھ ہوتا تھا۔ ڈی ایس لی صاحب واضح الفاظ میں انہیں بھی انکار کر دیا تھا۔ اماں نے ایک کوشش کے طور پر ان کے سامنے ہاتھ جوڑے یہاں تک ان کے بیروں پر ہاتھ بھی رکھ دیے لیکن ڈی ایس لی صاحب نے میرے دادا نے صاف انکار کر دیا اور اماں وہاں سے بھاگتے ہوئے واپس آ گئیں اور انہوں نے تمام حقائق صاحب کو بتا دیے۔ اسی روز ابا کے گلے نے ان کا تباہی آد کر دیا اور ابا اسی شام اپنا ذاتی سامان لے کر اسلام آباد آ گئے۔ اگلے ہی روز وہ اور اماں اسلام آباد شفٹ ہو گئے۔ انہوں نے سول میرج کر لی اور ابا نے اپنا چارہ لیا۔

بابا انداز و منشیات میں اچھے عہدے پر تھے۔ یہ عہدہ چھوڑ کر اس میں کوئی شمولیت نہیں ہوئی تھی۔ اماں نے یہاں بھی خوش زندگی گزارنی شروع کر دی۔ انہوں نے شادی کے پانچ برس تک ان کی اولاد نہ ہوئی تو ان دونوں نے اسے اپنی اپنی نافرمانی کی نمرائیں سمجھتے ہوئے قبول کر لیا۔ پھر ڈی ایس لی صاحب نے شادی کے بعد ہر جانب سے انہیں بھی جواب تھا کہ یہ سب تو قدرت کے ہاتھ میں ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ کو اب اولاد کی خوش نوازی ہے۔ ڈاکٹر نے انہوں نے دعاؤں کا سہارا لیا۔ مزاحیہ پروگراموں پر شادی شروع کر دی لیکن یہاں بھی حالات رہے۔ آخر کار وہ دونوں قدرت کی مہربانی کا اثر کرنے لگے۔ دادا اور ان کے خاندان نے اعلان کیا۔ لاطینی کا اختیار کیا تھا لیکن نانا اپنی ساسی بچپن جو ان سے بہت کم تھیں، انہیں فکر ہی نہیں تھی کہ ان کی بیٹی کا نام ہے۔ وہ اپنی بیٹی کی بیوی کے ہاتھ پر اٹھانے میں اتنے تھے کہ انہیں بھی اپنی بیٹی کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ پانچ برس بعد جب والدہ نے اپنے حاملہ ہونے کی خبر

خبردار والد کو سنائی تو انہوں نے ایک بار پھر سے ڈاکٹر کے چکر لگائے شروع کر دیے۔ جب چھ ماہ شروع ہوئے تو والد نے لیڈی ڈاکٹر کو کہا کہ وہ ٹیسٹ کروائے جس سے یقین ہو سکے کہ ان کے یہاں بیٹا ہونے والا ہے یا بیٹی۔ ٹیسٹ ہوئے لیکن رپورٹ ایسی آئی کہ دونوں کے چہرے بھیج گئے۔ رپورٹ میں بتایا گیا کہ آنے والا بچہ نہ لڑکا ہے نہ لڑکی بلکہ اس کا تعلق تیسری جنس سے ہے۔ ابا نے اس پر اپنی بیوی سے کہا کہ یہ بات کسی طرح بھی ہم دونوں کے سوا کسی کو معلوم نہ ہونے پائے اور دونوں نے اس پر سختی سے عمل بھی کیا۔ ابا نے اس کا ذکر اپنے دوستوں سے کیا اور نہ والدہ نے جنہوں نے اسلام آباد کے کالج میں لیکچرار کی جاب کر لی تھی کسی سے اس کا ذکر نہ کیا۔ یہاں تک کہ میری پیدائش کے دن قریب آ گئے۔ اماں نے کالج سے میسٹری کی چھٹیاں تو لے لیں لیکن کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ چھٹیاں بھی انہوں نے ابا کے شور سے پر لی تھیں تاکہ کسی کے علم میں نہ آ سکے کہ میری اصلیت کیا ہے۔ اس راز کی حفاظت ابا اور اماں نے اس طرح کی تھی کہ جیسے یہ کوئی بہت ہی قیمتی چیز ہو۔

دن گزرتے رہے اور میں۔ او لیول تک آ گئی۔ میرا شروع سے یہ تیرہ تھا کہ سال کے باقی دن تو پڑھائی کرتی ہی تھی لیکن امتحانوں کے قریب آتے ہی نہ مجھے دن کا ہوش رہتا تھا نہ رات کا۔ بس میں ہوتی تھی اور میری کتابیں ہوتی تھیں۔ رات میں چاہے موسم کتنا گرم ہو نہ میں پکھا چلائی تھی اور نہ اسے ہی چلائی تھی۔ والدہ اس پر مجھ سے بار بار کس کتیں تو میرا جواب ہوتا کہ چھٹکے کی آواز میری توجہ ہٹا لے اور اسے سی سے مجھے نیند آ لگتی ہے۔ جس پر ابا کہتے تھے کہ کائنات تو کسی جہادی کی طرح پڑھتی ہے۔ اس بار بھی یہی ہوا تھا کہ او لیول کے امتحانوں سے ایک ماہ قبل ہی امتحانوں کی تیاری شروع کر دی تھی کیونکہ مجھے سمجھا دیا گیا تھا کہ او لیول کے پرچے برطانیہ سے آئیں گے اور وہیں پرچیک ہونے بھی جائیں گے۔ امتحان شروع بھی ہوئے اور ختم بھی ہو گئے اور اب نتیجے کا انتظار تھا۔ میرے تمام پرچے بہترین ہوئے تھے۔ سینئر سے واپسی پر اماں بھی چیک کر لی تھیں۔ وہ بھی مطمئن تھیں کہ میرے پرچے اچھے ہوئے ہیں لیکن جو نتیجہ آیا تو اس کی توقع نہ مجھے تھی اور نہ اماں کو تھی۔ میں دو مضامین میں دینا بھر میں اول آئی تھی اور دنیا میں میری تیسری پوزیشن تھی۔ اس نتیجے کا اخباروں میں چرچا ہوا تو کچھ صحافی حضرات میرا انٹرویو لینے پہنچے تو میرا سب کو ایک ہی جواب تھا کہ ”اچھی تو مجھے لے لیول کے لیے اس کے بعد کیا ہوگا یہ تو میں نہیں جانتی“ جو قدرت نے میری قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ہوگا۔

میں اور اماں اس نتیجے سے خوش تھے، لیکن مجھے خوشی یہ بھی ہوئی کہ ابا نے صحافی کے جواب میں کہا۔ ”میری بیٹی نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔“ اس کے بعد وہ ابا جو ابتدا میں میری تعلیم کے مخالف تھے، وہ مجھے مشورے دینے لگے کہ اے لیول کے لیے مجھے اس کالج میں داخلہ لینا چاہیے یا اس کالج میں داخلہ نہیں لینا چاہیے لیکن اس تاکید کے ساتھ کہ ”جس طرح تم نے اپنی اصلیت آج تک چھپائی ہے وہی سلسلہ جاری رکھو گی۔“ میں نے اس وقت تو وعدہ کر لیا لیکن کالج میں



کرنا چاہتا تھا۔ لیکن یہ بات انہوں نے اپنے ایک سپاہی سے کر دی اور اسے ان دونوں پر نظر رکھنے کی تاکید کی۔ لیکن سپاہی نے خبری کر دی کہ صاحب تمہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو ان دونوں نے گرفتاری سے بچنے کے لیے آپ کے شوہر کو قتل کر دیا۔

میں نے کہا: ”گرفتاری کے نتیجے میں انہیں شہادت پھیلانے کے سلسلے میں... موت کی سزا ہوئی اور اب بھی ہوگی۔“

ریمز نے ”انشاء اللہ“ کہا اور اپنی سیٹ سے کھڑا ہوا اور

بات یہ تھی کہ قاتل ابھی تک گرفتار نہیں ہو سکے تھے جبکہ اہم چیلنج بھی ہو چکا تھا۔ اہم کی پیش شروع ہو چکی تھی اور چونکہ وہ ڈیوٹی کے دوران شہید ہوئے تھے اس لیے ان کی خواہ کے برابر پیش ملنا شروع ہو گئی تھی۔ میں نے ان سے نوکری کرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا۔

”سرکاری نوکری سے پہلے تمہارا میڈیکل ٹیسٹ کروانا چاہیے۔“

راز کو ہم برسوں دنیا سے چھپاتے رہے ہیں، وہ ظاہر ہو جائے گا۔“ اور میں نے صدمہ نہ کرتے ہوئے اسے ان کا حکم سمجھا تھا۔ دن اسی طرح گزرتے رہے۔ تنگ آ کر ہم ایک روز پولیس اسٹیشن شکایت کرنے پہنچے کہ اتنا وقت گزر گیا ہے لیکن پولیس اب تک قاتلوں کو گرفتار نہیں کر سکی تھی لیکن وہاں مجھے پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب ریمز قہانے میں اے ایس بی بنا بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے اور میں نے اسے دیکھا اور ہم دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ ”تم؟“ تو انہوں نے ہم سے کہا۔

”کیا تم دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہو؟“

میں نے کہا۔ ”ریمز اور میں اے ایس بی کلاس فیلو تھے۔“

انہوں نے ریمز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”اب تو تم پر ہمارا حق بنتا ہے۔“

ریمز نے کہا۔ ”بالکل آئی، آپ صحیح فرماری ہیں۔“

انہوں نے اپنی شکایت مختصر الفاظ میں بیان کی تو ریمز نے کہا۔

”میں آپ کو قتل دینے کے لیے نہیں کہہ رہا لیکن جہیز کر س کر کہ قاتلوں تک ہم پہنچ چکے ہیں اور تمام ثبوت بھی ہم جمع کر چکے ہیں۔“

انہوں نے سوال کیا۔ ”کون ہیں وہ لوگ؟“

ریمز نے کہا۔ ”آپ کی آمد سے چند منٹ پہلے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ کرک سے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ دعا کریں کہ وہ جلد سے جلد اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوں تب ہم انہیں گرفتار کر سکیں اور آپ کے سامنے اور پھر عدالت میں پیش کر کے انہیں سزا دلوانے میں کامیاب ہو سکیں۔“

ہم ماں، بیٹی نے بد آواز بلند آئین کہا۔

اس کے بعد انہوں نے کہا۔ ”یہ نہیں بتاؤ گے کہ وہ کون ہیں؟“

ریمز نے کہا۔ ”آپ انہیں جانتی ہیں لیکن فی الحال یہ بتا سکتا ہوں کہ وہ منشیات فروشوں کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔“

بات آپ کے شوہر کے علم میں آئی تو انہوں نے انہیں گرفتار

جاسوسی ڈائجسٹ 71 اگست 2024

”تم اس سے مل لو اور جو کچھ وہ کہتا چاہ رہا ہے، وہ سن لو۔ اس کے بعد جو فیصلہ کرنا چاہو کرو۔“ وہ ہمارے اے ایس بی کے آخری سسٹر کے بالکل آخری دن تھے۔ میں نمرا کے جوار میں خاموش رہی۔ نہ میں نے ریمز سے ملاقات کا اقرار کیا اور نہ انکار۔ لیکن نمرا نے میری خاموشی کو کچھ اور سی ونگ دیا اور ریمز کو اے ایس بی میں خاموش کھڑی رہی۔ ریمز نے آتے ہی کہا۔

”میں تم سے محبت۔“

اس سے آگے میں نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا اور آنسو بہاتے ہوئے تیز تیز قدموں سے کلاس کی جانب چلی گئی۔ اس کے ساتھ ہی نمرا بھی کلاس میں پہنچ گئی اور برابر میں بیٹھ کر اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”پاگل اس کی پوری بات تو سن لیتیں۔ ابھی اس نے بات شروع ہی کی تھی کہ تم دونی ہوئی وہاں سے چلی آ گئیں۔“

آخر بات کیا ہے؟ لڑکیوں کو ریمز جیسے لڑکوں کو دل و جان سے چاہتی ہیں اور تم ہو کہ...“ یہ کہتے ہوئے اس نے فخر اور جھوٹا چہرہ دیا پھر دوبارہ سے سرگوشی کی۔ ”آخر بات کیا ہے؟“

میں نے سوچا کہ یہ مجھ سے میرا راز معلوم کرنا چاہ رہی ہے جو میں کسی صورت اسے نہیں بتاؤں گی۔ میں نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ ”میں اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔“

ناب نہ کہی آئندہ۔“ جس انداز میں، میں نے اس سے کہا تھا، اس پر نمرا ناراضگی سے اٹھ کھڑی۔ لیکن جاتے ہوئے کہہ گئی۔

”تم پاگل ہو۔“

اس کے بعد امتحانات تک اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔ امتحانات ہوئے بھی اور تم بھی۔ ہم سب نتیجے کے انتظار میں تھے کہ ابا پر گھر آتے ہوئے فائرنگ ہوئی اور وہ موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ اماں اور میرے ہی نہیں چھوٹے بھائی بھائیوں کے لیے بھی وہی طور پر یہ حادثہ کسی طرح قابل قبول نہیں تھا۔ معاشی طور پر ابا کی ملاکت کسی پریشانی کا باعث نہیں بنی تھی کیونکہ اماں حیات تھیں اور ان کی نوکری بھی بھال تھی بلکہ کچھ ہی روز پہلے وہ اپنے کالج کی پریکٹس میں چکی تھیں۔ لیکن وہی طور پر ہم سب بکھر چکے تھے۔ ایسے میں نمرا آخریت کے لیے گھر آئی اور اس نے خبر سنا لی کہ ریمز فرسٹ اور میں سیکنڈ آئی ہوں اور ریمز نے امتحانوں سے پہلے ہی مقابلے کے امتحان کی تیاری شروع کر دی تھی۔ مجھے ریمز کے اول آنے کی خوشی ہوئی اور اپنے سیکنڈ آنے کا کوئی غم بھی نہیں ہوا۔ لیکن میں نے دل سے دعا کی کہ ریمز آئندہ کسی بھی امتحان میں اول رہے۔

معاشی طور پر ہمیں کوئی بھی پریشانی نہ ہوئی لیکن ام

جاسوسی ڈائجسٹ 70 اگست 2024

پہلے ہی دن مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ آسان نہ ہوگا کیونکہ جس کالج میں اماں نے داخلہ کروایا تھا وہاں لڑکیوں کے علاوہ لڑکے بھی تھے اور ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو مجھ سے قریب ہونا چاہ رہے تھے لیکن میں نے انہیں کوئی مثبت جواب نہیں دیا بلکہ اپنا رویہ اور بھی زیادہ اکڑا کر لیا اور رفتہ رفتہ وہ بھیجے جو میرے قریب ہونا چاہ رہی تھی، جتنی چلی گئی سوائے ریمز کے جو ہماری ہی کلاس میں تھا اور بڑھائی میں بہت اچھا تھا۔ اسے میرے رویتے سے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ بدستور میرے آگے پیچھے رہنے کی کوشش کرتا رہا۔

لڑکوں کے ساتھ میرا رویہ کیسا بھی تھا لیکن لڑکیوں میں سے کچھ کے ساتھ میرا رویہ دوستانہ تھا اور پھر آہستہ آہستہ ہمارا چہ لڑکیوں کا ایک گروپ بن گیا جو دراصل میرا گروپ نہیں تھا۔ اس میں سے ایک نمرا تھی جو پچھلے کالج میں بھی میری اچھی بھیلی تھی بلکہ وہ واحد بھیلی تھی جس کے گھر میں ماں باپ کو بغیر بتائے کئی مرتبہ جانتی تھی اور اس کالج میں بھی یہ اسی کا گروپ تھا جس کی میں بھی ایک ممبر تھی۔ نمرا اس گروپ کی گروپ لیڈر تھی اور اس کی اہم ذمہ داریاں کینٹین میں خرچ کرنا تھا۔ وہ امیر ماں باپ کی بیٹی تھی اور اس کا سٹا ہر وہ وقت بے وقت کرتی رہتی تھی اسی لیے گروپ کی ہر لڑکی اس کی بات سے افکار نہیں کرتی تھی۔

کچھ دنوں سے میں دیکھ رہی تھی کہ ریمز نمرا کے قریب ہوتا جا رہا ہے۔ نمرا خوش شکل کی اند میں اس بات پر خوش تھی کہ میری جان تو چھوٹی اور ریمز کی توجہ کا مرکز نمرا بن گئی ہے لیکن اس وقت میری تمام خوشی ہی دور ہو گئی جب نمرا نے مجھے بتایا کہ ریمز تم سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے اور تم سے بے تحاشا محبت کرتا ہے تو میں نے کہا، وہ محبت کرنا جانتا ہی نہیں ہے وہ تو فلرٹ ہے، فلرٹ۔ پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”پہلے اس نے تم پر ڈروے ڈالنے کی کوشش کی اور اس میں ناکامی ہوئی تو اب یہ ناکر رہا چاہا ہے۔“

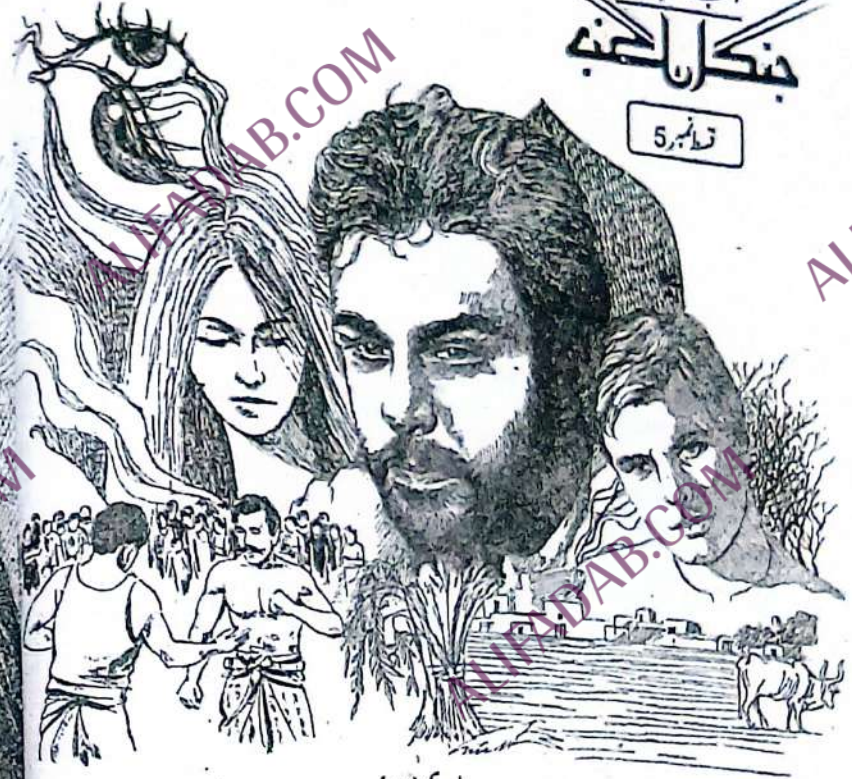
نمرا نے کہا۔ ”پاگل ہو گئی ہو کیا۔“ اور اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”شاید تم میری اور ریمز کی گفتگو کو اور ہی رنگ دے رہی ہو۔ ہمارے درمیان زیادہ تر گفتگو تمہارے حوالے سے ہی ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ہم دونوں ایک دوسرے کی حقیقت اچھی طرح جانتے ہیں کیونکہ ہم دونوں کا تعلق سرگودھا کے ڈسٹرکٹ سبھلوال سے ہے۔ ریمز کے والد ہماری زمینوں پر مزارع ہیں۔ اس کے بعد وہ مجھ پر کیسے...“

میں خاموش ہوئی اور کچھ ہی نہ کہہ سکی تو نمرا نے کہا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 70 اگست 2024

جنگل اجنبی

قسط نمبر 5



جنگل میں جہاں طاقت ور کی حکومت ہوتی ہے وہاں کمزور،
بے بس اور مجبور اپنی مرضی سے نہیں جی سکتا۔ جنگل کا
قانون طاقت ور کو بادشاہی تو سونپ دیتا ہے لیکن وہاں
تہذیب نہیں ہوتی جس کا ثبوت صدیوں سے آباد جنگل ہیں
جہاں صرف درندگی کا راج ہے۔ یہی جنگل کا قانون اگر
انسانی معاشرے میں در آئے تو پھر تہذیب اپنی موت آپ مر
جاتی ہے۔ تمدن نوحہ کناں ہوتا ہے اور انسانی تذلیل کا نظام
مضبوط ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی نوجوان کی داستان جس
کی ہمت، شجاعت اور حوصلہ انسانی تذلیل کے اس نظام سے
ٹکرا گیا تھا۔ وہ ان طاقت وروں کے سامنے سینہ سپر ہو گیا جو
اپنی طاقت منوانا ہی انسانی عزت و وقار کی علامت سمجھتے
تھے۔ محبت و الفت کے ساز پر مست الست نوجوان جو موت
سے آنکھیں ملانے کی جرات رکھتا تھا۔

انسانی معاشرے میں جنگل کے قانون کے

خلافہ سید محمد کے نوجوان کی داستان

اگست 2024ء

74

جاسوسی ڈائجسٹ

ساتھے پر رکھ دیا۔
 "آؤ چلیں۔ میرے بزرگوں سے بات کریں۔"
 "یہ تم اچھا نہیں کر رہے ہو۔ اس نے رعب سے کہا۔
 "اے بھلے بے غیرت۔" میں نے سختی سے کہا اور
 اپنی جیب کی طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے ساتھ چل پڑا۔
 بھی ایک قاتل ہوا، احتشام نے ڈرائیور پر اپنا فصر نکال دیا،
 اس نے اس کی ہاتھوں پر قاتل کیا تھا، وہ تینوں وہیں توپ
 ہے تھے۔ میں کرامت کو لے کر جیب کی طرف بڑھا۔
 ندیم نے کرامت والی جیب کے ٹائروں پر قاتل کیے اور
 بھاگتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ احتشام اور عابد
 میرے پیچھے تھے۔ میں نے کرامت کو کچھ سیٹ پر دھکیلا،
 خود اس کے ساتھ بیٹھا تو میرے ساتھ عابد آ گیا، احتشام
 آگے والی سیٹ پر بیٹھا تھا کہ ندیم نے جیب دوڑا دی۔
 "چل نکال اپنا خون۔" میں نے کرامت سے کہا۔
 "کیا مطلب؟" اس نے پوچھا تو سامنے بیٹھے احتشام
 نے ایک زوردار ٹھپڑ اس کے منہ پر مار دیا۔
 "تو نے سنا نہیں، اسد کیا کہہ رہا ہے؟"
 اس نے خون آلود آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور
 پھر فون نکال لیا تب میں نے سمجھا کہ والے انداز میں کہا
 "جن لڑکوں کو تم نے بلایا ہے نا، انہیں بتاؤ کہ تم وہاں
 شہر چلے گئے ہو۔ وہ وہاں چلے جائیں۔ ورنہ تم بھگدار
 بندے ہو، اُن پر کوئی بعد میں چلی گی، تم یہاں پہلے مرد
 گئے۔"
 وہ سمجھ گیا تھا کہ میں اس کی چال سمجھ گیا ہوں۔ اس لیے
 بھی وہ تھوڑا پریشان ہو گیا، دوسرا جب میں نے پھل اس
 کی کپٹی پر رکھا تو میں نے اس کے بدن میں واضح لڑز محسوس
 کیا۔ اس نے ایک نمبر پیش کیا جو اوپر ہی تھا، دوسری طرف
 سے کال پک کر لی گئی۔ میں نے اس پر آنکھیں آن کر دیا۔
 "جی بھائی۔۔۔۔۔"

"اویا رکھاں تک پہنچے ہو؟"
 "میں دو چار منٹ بعد ہم سڑک پر پہنچ جائیں گے۔"
 جوش بھری آواز ابھری تو کرامت بولا۔
 "اچھا یا راب تم لوگ واپس چلے جاؤ، میں شہر کی طرف
 نکل گیا ہوں۔"
 "اور وہ بے غیرت اسد۔۔۔۔۔" نفرت بھری آواز
 ابھری۔
 "وہ واپس چلا گیا، ڈر کیا بڑا دل۔" کرامت نے کہا۔
 "دیکھ لیں، ہم تو آگے تھے۔" اویا ابھری۔

"یہ ساری دھنی قسم ہو سکتی ہے لیکن میری دھڑکن
 نہیں۔" اس نے اسی رعب دار لہجے میں کہا۔
 "نہیں۔" میں نے سکون سے کہا۔
 "ایک تو یہ کہ میرے ساتھ جرم لوگوں کی زمین گئی ہے،
 دو مجھے چھ دیں یا اس کے عوض کہیں بھی زمین لے لیں۔"
 اس نے کہا۔
 "اور دوسری۔۔۔" میں نے پوچھا۔
 "تم اور تمہارا خاندان یہ گاڑی دو گے کہ نہ کبھی سیاست
 میں حصہ لو گے اور نہ ہی میری مخالفت میں آؤ گے، میں سب
 کچھ بھول جاؤں گا۔" اس نے یوں کہا جیسے مجھ پر احسان کر
 رہا ہو۔
 "دیکھو چوہدری صاحب۔۔۔۔۔ زمین اس وقت میری
 نہیں، میرے بزرگوں کے نام پر ہے، یہ بات اُن سے کی
 جائے گی اور میں دھنی ختم کرنے کے لیے ان سے کہوں گا۔
 دوسری بات میں مانتا ہوں۔" میں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا
 "تو دو ایک دم سے خوش ہو گیا۔
 "یہ کیا ہے تم بھگداروں والی بات۔" اس نے مسکراتے
 ہوئے کہا میں اس دوران دیکھ رہا تھا، پیچھے بیٹھے ہوئے
 دونوں گاڑی بچے اتر آئے تھے۔ ان کے پیچھے ندیم اور عابد
 آ کر رُک گئے تھے۔
 "خاتہر ہے یہ بات بیٹھ کر تسلی سے ہو گی، سیدھے
 سیدھے ہم بیٹھ کر بات کر لیں یا درمیان میں کسی کو ڈالنا ہے۔
 اب یہ بتائیں۔۔۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔
 "نہیں، ہم آپس میں یہ طے کر لیں تو دونوں گھروں کی
 عزت رہ جائے گی، تیسرا سنے گا تو بات پھیل جائے گی۔"
 اس نے کہا۔
 "تو میرا خیال ہے ہم آج ہی بات کر لیتے ہیں۔" میں
 نے کہا۔
 "مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" اس نے کہا۔
 "ہاں نا مجھے فیصلہ کن بات نہ بھی ہو، لیکن دونوں اپنی
 اپنی بات سامنے رکھ دیں گے۔ سوچ بچار کے لیے دو چار
 دن لے لیں گے۔ بات نہیں نا کہیں سرے سے لگ جائے
 گی۔" یہ کہتے ہوئے میں نے ندیم کو مخصوص اشارہ کر دیا۔ وہ
 گاڑی ہماری طرف پوری طرح متوجہ تھے، اس موقع سے
 ندیم نے نمبر پور فائدہ اٹھایا۔ اس نے ایک دم سے گردن پر
 ہاتھ ڈالا، لیکن کام عابد نے کیا، اس کے ساتھ ہی اس نے
 ایک گاڑی پینڈی پر فائر جھونک دیا۔ عابد نے بھی یہی کیا۔
 اسی دوران میں نے پھل نکال لیا اور سیدھا کرامت کے

دھنکھ گیا کہ اب میں نے کیا کیا۔ اس نے ہاتھ
 جھک کر دیکھے۔ وہ دھنکھ گئی اور اتر گئے تھے۔
 جیب ان کے ہاتھ پہنچ گئی۔ ڈرائیور ہاتھ میں سے
 ساتھ تھا، اس کے ساتھ پھر سیٹ پر کرامت بیٹھا تھا۔ وہ
 مجھے جھٹک رہا تھا۔ کچھ اچھا نہیں لے چکے سیٹ پر ہاتھ
 ڈال دو بندے اپنے اپنے گھر۔
 "او بھائی، کیا ہو گیا ہے؟" ڈرائیور نے اونچی
 آواز میں پوچھا۔
 "گاڑی روک۔۔۔۔۔ چاہیے۔۔۔۔۔" میں نے کہا، اتنے میں
 ندیم نے اپنی جیب ڈرائیور میں ڈال دی تھی۔ چھوٹی جیب
 روکنا چاہی۔ اتنے میں شہر کی کال آئی، میں نے چاہی
 سے نہ لے لی۔ دو بندہ پائی انداز میں بولا۔
 "بھائی۔۔۔۔۔ گاڑی سے کوئی دس باروڑ کے تیزی سے
 گئے ہیں۔ دس باروڑ کیوں پر۔۔۔۔۔ کہتے ہیں چوہدری کرامت پر
 حملہ ہوا ہے۔"
 "چل چھپ۔" میں نے اتنا کہا اور فون بند کر کے جیب
 میں ڈال لیا۔ اب کرامت کی سامنے چال نہ تھی۔ مجھ میں آگئی
 تھی۔ میں نے جیب سے اترتے ہوئے ندیم سے کہا۔
 "آگے لڑکے ہاتھ ہیں اس نے۔"
 "ارے جی جی۔۔۔۔۔" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا جی
 احتشام میرے کور پر آ گیا۔ میں جیب سے اتر کے کرامت
 کی جیب کی طرف چل پڑا۔ میں پوری طرح چوکنا تھا کہ
 سامنے سے قاتل ہو گیا۔ میں اس کی سیٹ کی طرف بڑھا
 اور سیدھا رکول کر سکون سے بھاگا۔
 "چوہدری صاحب ڈرائیور آؤ۔"
 "کیا ہوا ہے، خیر ہے؟" اس نے پوچھا۔
 "میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" چوہدری تو ختم ہو
 گئی ہے۔۔۔۔۔ میں نے اپنے پائی والے انداز میں کہا۔
 "ختم ہو گئی ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
 "ہاں۔۔۔۔۔ آپ نہیں سمجھتے کہ کوئی اپنے اپنے گھروں کو
 چلے گئے۔ لیکن میں آج آپ کو ایک آکر دیکھنا چاہتا ہوں،
 مان لیں تو ٹھیک۔" میں نے جان بوجھ کر اپنا کچھ خوب رکھا
 تھا۔ اس نے کچھ بیگانہ سا چہرہ دکھلا کر کہنے آ گیا۔
 "چوہدری صاحب۔۔۔۔۔ دھنی میں کیا رکھا ہے؟"
 "میری نہیں۔" اس نے رعب سے کہا۔
 "کیوں نا تم اپنی دھنی ختم کر دیں۔" میں نے یوں کہا
 جیسے میں اس سے خوفزدہ نہیں کیا ہوں۔

میری پہلی بارہ گئی تھی۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ
 ہر بار سے نہیں۔ اس بار پتہ چلا تھا، اس بار مجھے پتہ
 چل گیا تھا۔ کیا اسے یہ انداز تھا کہ میں یوں
 اس کے پیچھے آ کر پھانسی پھانسی چالے چھوڑوں گا؟ میں
 نے چھوڑ دیا۔ چار بار آ کر اس کی آواز میں سب کا پتہ لے
 سکا ہوا تھا۔
 "یاد رہا نہیں ہے۔" عابد نے تیزی سے کہا۔
 "اب کچھ اور ہی طور پر کیا کرنا چاہیے؟" احتشام نے
 پوچھا۔
 "میری پہلی بارہ گاڑی سے لڑکوں کو کھینچ لو، کچھ میرا
 خیال ہے کہ ان سے پتہ چلے گا کہ انہیں کس کے لیے جہاز ہیں۔"
 ندیم نے حالات کو دیکھتے ہوئے رعب دار سا لہجہ نکالا۔
 ہم اگر سامنے اپنا نقصان دیکھ رہے ہیں تو اس سے بچ
 چالے کی کوشش میں کیا فرق ہے۔ اس نے جیب کی رفتار کم
 کر دی تھی۔
 "ارے، جیب سے کس سے؟" اس نے رعب دار سا لہجہ نکالا۔
 "اگر تمہارا کہہ گا۔۔۔۔۔؟" ندیم نے پوچھا۔
 "میں دیکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور آگے بڑھا۔
 "میں نے کل ان کے پتھر کے نمبر لائے۔ اس نے گاڑی کا
 نمبر دیکھ کر۔
 "اس بھائی کو لیں۔" اس نے کہا۔
 "تمہارے گاڑی میں کوئی لہجہ۔" دوسری آنکھیں تھیں۔
 "مطلب لہجہ کے لائی لہجہ کی تپاری کر کے لگے ہوں؟"
 میں نے پوچھا۔
 "بھائی میں صبح سے گھر میں ہوں، مجھے اس وقت
 دیکھ نہیں تھا کہ وہ ہاں۔" اس نے تیزی سے کہا۔
 "اُن کی پہلی بارہ پتہ لگا کر لے آؤ۔" میں نے پوچھا۔
 "جی ہاں۔ ایک بار وہ اسے سب بتا دیتا ہے، وہ اپنے
 فون میں ایک کی طرف لے لیا جاتا ہوں، وہاں سے کہتا چل
 اس جاتے گا۔" اس نے کہا۔
 "میں اپنی پہلی بارہ ہو گئے تھے۔" میں نے کہا اور
 فون بند کر دیا۔ میں تیزی سے سوچ رہا تھا، میں صرف شہر کی
 اطلاع پر نہیں رہتا تھا۔ وہ اطلاع حاصل کر لے میں کام
 بھی رہتا تھا۔ میں نے ندیم سے کہا۔
 "جیب ختم کر۔" کرامت کو کھینچ روکا ہے، اور
 اسے اپنی جیب میں رکھنا۔ ندیم نے ہاتھ دھو کر۔
 میں نے جہاز سے اتر کر اسے ہاتھ دھو کر۔

”اومیں نہیں اب جاؤ۔ آرام کرو جا کر۔“ اس نے کہا تو میں نے فون بند کر دیا۔

”ویسے اوتے۔۔۔ یہ دایمیں طرف ایک موڑ آئے گا، گاڑی اس پر ڈال دے، یہ آگے سے اپنے گاؤں بھی چلی جائے گی اور واپس سڑک پر بھی آجائے گی۔“ احتشام نے اسے سمجھایا تو اس نے جیب اس طرف مڑو دی۔ وہ راستہ کچھ کچھ گھوڑا پتھلوں والا اور دھول بھرا تھا لیکن بارش کی وجہ سے دھول والا حصہ بہترین ہو گیا تھا۔ ہم تقریباً دس منٹ ڈاکٹر ستر کے بعد اپنے گاؤں جا پہنچے۔ مجھے پوری طرح احساس تھا کہ ان دو گھوڑے یا ڈرائیور کے کال ضرور کی ہوگی۔ ان کے آدھوں کو پتا چل گیا ہوگا۔ اب پورے علاقے میں پھیل ہو جانے والی تھی۔ ہم سیدھے نمبردار کے ڈیرے پر جا کر رک گئے۔ وہاں کافی لوگ جمع تھے۔ ان میں میرے تایا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بھی حیرت سے ہمارے جیب کی طرف دیکھ رہے تھے۔ پہلے احتشام اترا اس کے پیچھے میں کرامت کو لے کر اتر تو کبھی حیرت سے لگے ہوئے۔ میں نے اسے بازو سے پکڑا اور سیدھا چٹائی میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔

”لے آیا ہوں جی چوہدری کرامت کو۔۔۔ بہت مشکل سے آیا ہے۔“

”کتنی مشکل سے۔۔۔“ ایک معزز نے پوچھا۔

”بس اس کے تین بندے زخمی کرنے پڑے ہیں، زخمی نہ کرتے تو اس نے ہمیں لے کر دوا دینا تھا۔“ میں نے کہا۔

”اوتے یاد کرامت تم نے یہ کیا کیا؟“ ایک معزز نے پوچھا۔

”ایک اور بات سن لیں۔۔۔ میں نے اس چوہدری سے کہا تھا کہ دشمن میں کیا رکھا ہے، آؤ صلح کر لیں۔“ میں نے فرجس لہجے میں کہا۔

”تو پھر، کیا کہتا ہے؟“ نمبردار نے پوچھا۔

”اس سارے جھگڑے کی اصل وجہ سامنے آگئی، کہتا ہے اس کے ساتھ والی زمین اسے سچ دیں یا پھر اس کے عوض کہیں اور سے زمین لے لیں۔ یہ صرف اسی زمین کا ہی مسئلہ ہے جس کی وجہ سے اس بندے نے اتنی جانیں داؤ پر لگائی ہیں۔“ یہ کہہ کر میں نے کرامت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟“

”ہاں بھئی۔۔۔“ نمبردار نے پوچھا۔

”خیر، یہ ہے۔“ کرامت آگے بڑھا۔

”اور پھر میری کراہی ہے اس نے دیکھ کر میرا خاندان نہ سیاست میں آئے گا نہ ہی اس بندے کی مخالفت

کرے گا۔“ یہ کہہ کر میں چند لمحوں کے لیے رکا اور پھر کہا چلا گیا۔ ”میں آپ سب بزرگوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر یہ سچا کرتا ہوں، میں ان چاہتا ہوں، میں لڑنا نہیں چاہتا، اس فرار کی اپنی جڑ آپ سب کے سامنے لے آیا ہوں۔ کوئی بات دخل نہیں، اب آپ جانیں اور آپ کا کام۔“

”تم آؤ۔۔۔“ نمبردار نے کہا۔

”نہیں، میرا آپ بزرگوں میں بیٹھنا ہی نہیں۔ آپ جو فیصلہ کریں، میرا آؤ۔۔۔“ میں نے کہا اور وہاں سے چلتا ہوا جیب میں آ بیٹھا۔

دوپہر کے بعد تک چٹائی چلتی رہی ہر بندے کے دلائل سنے گئے۔ یہاں تک کہ عصر کے وقت اس چٹائی کا ’اعلامیہ‘ جاری ہو گیا۔ کرامت کو قصور وار ٹھہراتے ہوئے اسے ہمارے ساتھ لے کر والی زمین سے دستبردار ہونے کا کہا گیا۔ اس کی قیمت کا تعین کر دیا گیا جو ہمیں ایک برس میں ادا کرنی تھی۔ دوسرا اس سے یہ منوا لیا گیا کہ آئندہ بھی مجھے وہ سیاست میں حصہ نہیں لے گا، ورنہ پورا علاقہ اس کی بھرپور مخالفت کرے گا جس نے کرامت کو ساتھ دیا، اس کا بایکٹ لیا جائے گا۔ اور تیسری بات کہ اگر اس کو کچھ بھی ہوا، پہلے کوئی دوسرا بھی اس کو نقصان پہنچائے اس کا ذرہ دار چوہدری کرامت ہی ہوگا۔

اس شام میں نے سکھ کے سانس لیا۔ میں نے اپنے ایک دشمن کو شکست دے دی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ اب میں اطمینان والی زندگی گزاروں گا۔ میں رات کا انتظار کرنے لگا، جب یہ ساری روروں فراموشی کو سنا نہ گی۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں جو کرامت کو چٹائی میں مکیٹ کر لایا تھا، اس کا اثر علاقے پر کیا ہوا تھا، میں تو اپنی ضد کی خاطر اسے لے آیا۔ لیکن۔۔۔ وہی دن میں مجھے احساس ہو گیا کہ پورے علاقے میں ”لے لے“ ہو گئی تھی۔ پتا نہیں لوگ کرامت سے تنگ تھے، مدد کیل چاہتے تھے یا پھر واقعی وہ ایسے کام کو سراہتے تھے، جو کچھ بھی تھا، پورے علاقے میں مجھے اہمیت مل گئی۔ ایک طرح سے یہاں سکون ہو گیا تھا۔

☆☆☆

کہتے ہیں کہ طوفان آنے سے پہلے سناٹا چھا جاتا ہے۔ اس سکون کے دن آئے تو میرا سارا دن ڈیرے پر گر کر جاتا۔ وہاں یار دوست اکٹھے ہوتے، کھاتے پکاتے اور مزے کرتے تھے۔ جو بھی عصر کا وقت ہوتا، میدان سج جاتا، چھینے خدا بخش آ جاتا اور پھر شام ڈھلے تک کبڑی چلتی۔ ندیم کو سکون سکون ملا تو وہ لاہور چلا گیا۔ رات کو میں اماں کے پاس ہوتا،

سبھی صحن میں بیٹھ جاتے، ہاتھ پیریں پھر دیکھ دیکھ کر لوٹ آتے تھے۔ میری شادی کی باتیں ہونے لگی تھیں۔ میری ہونے والی مومن کے بارے میں باتیں ہوئیں جو میں ہر رات فری کو سنا دیتا۔

”اس سے پہلے کہ میری شادی کر دی جائے، بھیج دے اپنے باپ کو میرے گھر۔“ میں فٹل سے غور کر رہے تھا اور وہ قہقہہ لگا کر غصہ دیتی، پھر اسی ہنستے ہوئے انداز میں کہتی۔

”نہیں۔۔۔ میری مجبوریاں ہیں۔۔۔ میرا باپ نہیں مانے گا۔“

”کیوں نہیں مانے گا۔“ میں کہتا۔

”تم نہیں جانتے اسد۔۔۔ یہ دنیا محبت کی فٹن ہے، بس کسی دن میں تجھے خواہ کر کے لے جاؤں گی، ہم ایک ہی دنیا بنائیں گے جہاں کوئی نہیں ہوگا، میں ہوں گی اور تم ہو گے۔“

بس یونہی دن گزر رہے تھے۔ میں نے ہر طرف اپنے راولے بنالے تھے۔ میں لوگوں سے ملتا، ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا۔

ایک ہی ایک شام میں ساتھ والے گاؤں سے واپس آ رہا تھا۔ وہاں ایک موت ہو گئی تھی۔ میں آہستہ رفتار سے جیب چلاتا ہوا واپس گاؤں آ رہا تھا۔ گاؤں سے کوئی آدھا کلومیٹر ابھی دور تھا میں نے دیکھا راستے میں ایک نور دھل جیب کھڑی ہے۔ شاید اس کا ٹائر پھج ہو گیا تھا، دو آدمی سڑک کنارے کھڑے تھے، ایک آدمی جو شاید ڈرائیور تھا، وہ ٹائر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس اوزر تھے۔ سائیکل پر اتنا راستہ نہیں تھا کہ میں تیزی سے گزر جاتا، مجھے بہت ہی احتیاط سے گزرنا تھا۔ وہ لوگ ہمارے علاقے کے نہیں لگ رہے تھے۔ انہوں نے شلواریں پہن رکھی تھیں اور فٹل سے پریشان دکھائی دے رہے تھے۔ مجھے ان کے قریب سے بہت آہستگی کے ساتھ گزرنا تھا۔ لیکن ان دو آدمیوں کی وجہ سے مجھے کنا بڑھ سکا تھا۔ میرے قریب آتے ہی وہ سڑک سے ایک طرف ہٹ گئے۔ ٹائر کھولنے والا ویسے ہی بیٹھا رہا۔ میں نے بریک لگائے اور بالکل آہستگی سے کراس کرنا چاہا تو ایک آدمی نے پوچھا۔

”یہاں قریب کوئی پتھر لگانے والا لال جائے گا؟“

میں نے بریک لگا دی تو وہ میرے قریب آ گیا۔ میں نے بتایا۔

”یہاں قریب تو کوئی نہیں، یہ کون سی شاہراہ ہے، یہاں سے چوڑی دور میرا گاؤں ہے، وہاں جا کر کچھ ہو سکتا ہے۔“

”یہ تو بہت اچھا ہو جائے گا۔“ اس نے منونیت سے کہا

پھر ادنیٰ آواز میں بولا۔ ”پتل پتل پتل۔۔۔“

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کے ساتھ والا دوسرا بندہ پھر میٹ والا دروازہ کھولی کر جیب کے سامنے آ کر آگے بڑھا۔ پھر۔۔۔ چٹم زون میں پتل پتل کال کر میری کچلی پر کھڑا ہوا۔

”ہنامت۔“ اسی نے سر دھکے میں کہا۔

”کون لوگ ہو؟“

”میں نے بے ساختہ پوچھا۔

میری بات کے جواب میں کسی بھی لفظ کے بجائے ایک نوردار کھونٹا میرے منہ پر پڑا۔ اور مجھے تارے نظر آ گئے۔ ایک لمبے کے لیے تو میرے حواس قفل ہوئے تھے لیکن میں نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن جیب کے باہر کھڑا بندہ مجھے دھندلا دکھائی دیا تھا۔

”پتل اوئے بیٹے۔“ پتل والے نے اپنے بندے کو کہتے ہوئے مجھے اپنی طرف کھینچا، میں سمجھ گیا کہ باہر کھڑا بندہ جیب ڈرائیور کے گاؤں جس نے مجھ پر پتل پتل ڈالا ہے، وہ مجھے اپنے درمیان، جہاں کابو میں رکھے گا، بس وہی ایک لکھ تھا میرے پاس۔۔۔ اگر میں پکڑ نہ لوں گا تو یہ لوگ میرے ساتھ کچھ بھی کر سکتے تھے، مجھے یہاں سے کھینچ لے جانے کا تو ان کا ارادہ سامنے آ گیا تھا، مجھے مارنا دھتو اب تک کوئی میرے دماغ کے پار ہو سکتی تھی، یہ سب میں نے اسی سے سوا کچھ جس وقت باہر کھڑا بندہ ڈرائیونگ میٹ پر بیٹھنے کے لیے اوپر چڑھ رہا تھا، میں ایک دم سے نیچے ہوا، دایمیں ہاتھ تھمتھمتھ والے ہاتھ کی کلائی پکڑی اور پورا زور لگا کر اس کے اوپر سے ہوتا ہوا باہر کی جانب گر گیا۔ جیب کے اندر اسی لمبے ایک فائر ہوا، جیسے ہی فائر ہوا، ایک جھٹکا لگا، مگر میں نے کلائی نہیں چھوڑی، بلکہ اسے نیچے کھینچ لیا۔ جیسے ہی وہ نیچے گرا میں نے پاؤں کی خورک ماری، اس کے ہاتھ سے پتل پتل گر گیا۔ میں نے وہ پتل پتل اٹھایا اور کوئی کچھ مضائقے کے بغیر نیچے پڑے ہوئے بندے پر فائر کر دیا۔ ایک چیخ فضا میں بلند ہوئی، اب میرے سامنے ڈرائیونگ میٹ پر بیٹھا ہوا شخص تھا، جو تیزی سے نیچے اتر رہا تھا، میں نے اس پر بھی فائر کر دیا۔ شاید اس کے فائر نہیں لگا تھا۔ میں دروازے کی آڑ میں تھا اس لیے میں نے انتہائی تیزی سے اپنا ڈیش بورڈ کھولا، اس میں پتل پتل کلا اور ایک دم سے نیچے بیٹھ گیا۔ وہ شخص جو ٹائر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اس کی جانب سے کیے بعد دیگرے فائر ہونے لگے۔ میں فوراً ہی جیب کے پیچھے چلا گیا تو ڈرائیونگ میٹ پر بیٹھے والا شخص مجھے کھینچنے کی جانب بھاگتا ہوا دکھائی دیا، میں نے دونوں پتل پتل سیدھے کے اور فائر کر دیے۔ اس بار تو اسی لگے گئی تھی۔ اس کی چیخ بلند ہوئی اور وہ پھرا کر گر گیا۔ اب میرے لیے ایک

[illegible]

”تم کیا چاہتے ہو؟“ اس نے ہمراہ اٹھ اپنے ساتھ میں لیتے ہوئے کہا۔
”میں صرف ملحدانہ جملہ تک ہی چاہتا ہوں، اور اگر اس کو اپنے انہوں سے مارنا چاہتا ہوں۔“ میں نے فحش سے بے قیاس لے کر کہا۔
”کال شک؟“ تم جس دن کو مجھے میں سمجھ رہا ہوں اور اگر اس کو اس طرح میں تمہارے ساتھ ہوں گی، ان ہوگا۔“ اس نے ہمراہ اٹھ دیا ہے ہوئے کہا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، جہاں انتہائی عجیب کی۔ میں نے اس کا ہاتھ مار کر ستر گئے ہوئے کہا۔
”اون ہو گیا۔“
”نہ اس وقت تک کال پھل کاٹ پھل چھی۔ لڑی نے مجھے اٹھا کر بٹھا اور دو کی ایک نہیں میری ٹانگ میں اٹھی۔ لیکن میں برداشت کر گیا۔ وہ مجھے کھالی رہی اور میں کھانا بنا۔ اس نے میں دمک چائے لے کر آ گیا۔ اس نے سب کو چائے نہیں کی کہ ہم چائے پیتے رہے اور پھر یہی کئی کئی باتیں کرتے رہے۔ لڑی رات کے تک میرے پاس نہیں رہی۔ کچھ عجیب اور عجیبے والے تھے، جب وہ آئی اور جانے کے لیے تیار ہوئی۔“
”اس وقت ماہ کی؟“ میں نے پوچھا۔
”اس وقت کیا ہے؟“ اس نے ستر گئے ہوئے پوچھا۔
”یاد رات بہت ہو گئی ہے، سارا رات سنان ہے۔“ میں نے کہا۔
”سنان ہے تو اچھا ہے، مالدی کھر پٹھی جاؤں گی۔ میرے ساتھ پوری کچھ روٹی ہے، کھرمٹ کرو۔“ اس نے کہا، سب کو باہر جانے کا اشارہ کیا، پھر اس کے لبوں کی ساری لذتوں کا احساس میرے رگ دہنے میں سہايت کر گیا۔ وہ عجیبی اور عجیب کی طرف کیے بغیر باہر نکلتی چلی گئی۔
☆ ☆ ☆
تیسرے دن میں کھر چلا گیا تھا۔ میرے درو کی شدت حد تک کم ہو گئی تھی۔ گاؤں میں اپنی کوئی وقت گزارنے کا حاس ہی نہیں رہا، سارا دن لوگ آتے جاتے رہے۔ اس نے مجھے پتا چلا کہ یہ کتنا خوش کن احساس ہے۔ کج آپ کی داکرے ہیں، آپ کے درد کو سمجھتے ہوئے عیادت کرتے رہا۔ اماں میرے پاس نہیں رہی اور دونوں بھابھیاں سارا دن ری خدمت پر لگی رہیں۔ یہاں چنے ہونے کا کس قدر خوش کن احساس تھا، میں ہی جانتا ہوں۔
چند دن یہی سلسلہ چلتا رہا، دور دراز دیکھ جاتے کے لوگ آتے رہے۔ میں نے ان بات پر تھا کہ ابھی تک پولیس

خیر! کچھ نہیں۔ کوئی آدمی میرا ہاں نہیں لے سکتا۔ یہاں میں لگا ہوا
اور وہی کوئی حرکت نہ کر سکا۔ آگ بھڑک رہی تھی۔
اگرچہ میرے ارد گرد بہت لوگ تھے مگر میرے
دو دھڑلے غصے کی طرح ہر قدم سے میرا ہاتھ ہلکا تھا۔
میں نے دھڑلے لگا دیے گاڑی پر بٹھا اور آگ سے پہلے ہاتھ لگا
لاٹوں کے ساتھ ٹیبلٹ لیا۔ کچھ لمبے ہی آگ آگ سے میرے
ہاتھ گرے، ہاتھوں ایک کھل گیا۔ رات میری طرف سے
ہاتھ گرے گاڑی پر۔ یہ سب کچھ تھا کہ میں گرامت کی
طرف سے آگ میری غافل میں تھا۔ میں اس کے بارے
میں ہر طرح کی معلومات رکھتا تھا۔ یہاں تک کہ میرا دم بھر
گیا۔ میں چلے ہوا۔ لگا۔ مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی
تھی۔ ایک رات میں نے فری سے کہا۔
"فری تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں ٹھیک ہو گا تو۔۔۔۔۔"
"ہاں بابا میں جانتی ہوں مجھے یاد ہے، گرامت والے
معاہدے کا۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا تو میں تیزی
سے ہلا۔
"تو میں کیا ثابت دوں کہ میں ٹھیک ہو گیا ہوں۔۔۔"
"جی نہیں۔۔۔۔۔ ایک ضرورت ہے۔ تم اگر میرے
ہاں آ سکو تو آ جاؤ، کچھ بہت اہم باتیں کر لی ہیں۔" اس نے
سچ بولی سے کہا۔
"ابھی آ جاؤں؟" میں نے بے تابی سے کہا۔
"اگر آ سکتے ہو تو آ جاؤ لیکن۔۔۔۔۔" وہ کہتے کہتے روک گئی۔
"لیکن کیا؟" میں نے پوچھا۔
"جو بات مجھے تم سے کرنی ہے وہ وہ نہیں پائے گی۔ تم کل
دن میں کسی وقت آ جاؤ، آنے سے پہلے مجھے بتانا۔" اس نے
سمجھانے والے انداز میں کہا میں سمجھ گیا لیکن "مصلحت" ہو گی۔
انکی دھڑلے میں تیار ہوا، جیپ کی اور کھل گیا۔ میں نے
اپنے ساتھ غم کو بھی لے لیا تھا۔ میں سیدھا شادی کے گھر
گیا۔ وہ دفتر سے آ چکی تھی اور اپنے کمرے میں آرام کر رہی
تھی۔ مجھ سے پہلے ہی بولی۔
"آئے سے پہلے بنا کر دیا کرو، تمہارے لیے کھانا ہی بنا
دیتی۔"
"کھانے کی ضرورت نہیں، وہ میں کھا کر آیا ہوں۔ تم
آرام کرو، میں باہر والا کرا کھول کے آتا ہوں۔"
"کوئی ساتھ ہے کیا؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں مذم ہے۔" میں نے کہا تو وہ حیرت سے بولی۔
"تو اسے اندر لاؤ آج ہی میں بلا کر وہ کون سا پرایا ہے۔"

گیا۔ شائد چائے پانے کی کمی تھی۔ اسے میں لاری بھی آئی۔
اس نے چند منٹ اندر کمرہ داخل کا جائزہ لیا اور کمرہ بولی۔
"نہایت تم پر اثر نہیں، خطے کی کمرے میں آرام کرو، ہم
تھوڑی دیر بعد آتے ہیں۔" یہ کہہ کر آئی مگر نہانے اسے کیا
خیال آیا، اسے دیکھ کر بولی۔ "مجھ کو ملازمت سوچنا نہیں انکی
گمانا ہے یہاں۔"
"کوئی بات نہیں جاؤ۔" اس نے کہا اور سونے پر پھیل
آئی۔
"اے چائے تو پیچھے جاؤ۔" شائد نے کمرے میں
آکر کہا۔
"قاری چائے بھی تم دو لوں لی لینا۔" فری نے جیتے
ہوئے کہا اور کچھ ساٹھ لے کر باہر نکل گئی۔ باہر اس کی کار
کھڑی تھی۔ میں بٹھا اور اس نے گاڑی بڑھادی۔ تھوڑا سا سڑک
کدو ٹھیکر کی سے بولی۔
"جس ٹیک نے تم پر حملہ کیا تھا، میں اُس کے بڑے سے
جہیں ملوانے لے جا رہی ہوں۔ یہ تمہیں اس لیے بتا رہی
ہوں کہ تم وہی طور پر تیار رہو۔"
"اس سے کیوں آخر....." میں کچھ نہ سمجھا۔
"وہاں سب باتیں ہو جائیں گی۔" اس نے کئی لمحے میں
کہا تو میں خاموش ہو گیا، مجھے معلوم تھا کہ اب وہ مجھے کوئی بات
نہیں بتائے گی۔
میں شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ تقریباً کوئی دو گھنٹہ سفر
کرنے کے بعد اس نے ایک چھوٹی سی سڑک پر کار موڑ دی اور
میرے ہم ایک بڑی سی حویلی کے سامنے جا کر۔ میں نے فرقی
سے کہا۔
"ہاں ہم پہلے بھی یہاں آچکے ہیں؟"
"بالکل..... آچکے ہیں۔" اس نے پُرسکون انداز میں
کہا۔
"تو مطلب گھوم بھر کے، ہمیں انہی لوگوں کے پاس آنا
پڑے گا۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا تو اس نے خود کو
میرا چہرہ دیکھتے ہوئے سیٹ کے ساتھ ٹیک لگا دی، پھر سنجیدگی
سے بولی۔
"اسد..... میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے، ہم ایک جنگل
میں رہ رہے ہیں، یہاں صرف طاقت کا قانون ہے۔ جس
روح جنگل میں جانور رہتے ہیں، کون کیا کرنا، کس کے ذمے
لیا ہے، یہاں بھی ایسا ہی ہے، یہی فرمت ہے تو غور کرنا۔"
"اور یہ کیا ہے؟" میں نے حویلی کی طرف اشارہ کرتے
کہا۔

ہمارے میں تھی۔ اس پر فری چند لمبے سہتی رہی، پھر بولی۔
 "یہ بھی سمجھو اپنے علاقے کا شیر ہے۔ جس نے کئی گھر
 پالے ہوئے ہیں، جنہاں گئے انہوں پر پلٹے ہیں۔"
 "لوگ۔" میں نے دل میں دیکھ سوس کرتے ہوئے
 کہا اور گارے اتر آیا۔ وہ بھی اتر آئی۔ ہم چلتے ہوئے پوچھ
 میں چلے گئے جس کے آگے بڑھا تھا۔ باہر تین چار بندے
 تھے، ان میں سے ایک نے مسکرا کر فری کو سلام کیا تو فری نے
 جواب دیا۔

"ہاں صاحب ہیں؟"
 "ہاں، مجھے آپ ہی کا انتظار کر رہے ہیں۔" اس نے
 کہا تو ہم اندر چلے گئے۔ وہ بڑی بڑی سوچوں والا سرخ سپید
 مونا سا شخص تھا۔ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ یہ ظاہر وہ
 بڑے تپاک سے ملا، ہاتوں کے دوران میں اس نے قریب
 گھرے ایک آدمی کو اشارہ کیا تو وہ چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک
 چمڑے بدن والا دھڑلے سے ہاں آ گیا۔
 "یہ ہے ان سب کا بڑا۔" خان نے تعارف کرایا تو وہ
 بیٹے پر ہاتھ رکھ کر انتہائی معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔
 "بہت مہربانی آپ نے ہمارے بندوں کو جان کر دیا،
 میرے دل میں تو اس وقت ہی تم لوگوں کی قدر بڑھ گئی تھی۔
 جب ہمارے لوگوں کو تم لوگوں نے کچھ نہیں کہا بلکہ اسپتال
 پہنچایا۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ ہم نے غلط کیا، پہلے پتا کرنا
 چاہیے تھا۔"

"چلو جو رہتا تھا، وہ ہو گیا، اب ذرا دیکھ بھال کے۔" خان
 نے فوری طور پر اپنا فیصلہ بھی سنا دیا۔ مجھے بہت دکھ ہوا،
 ہماری رائے تک تو کیا، ہمیں بولنے کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔
 بھی فری نے کہا۔

"ہاں جی، انہیں پہلے پتا کرنا چاہیے تھا، خیر۔۔۔ ہماری
 طرف سے کوئی پولیس والا چکر نہیں ہوگا، تو آپ لوگ بھی اب
 اس کی طرف نہیں دیکھیں گے۔"

"جی جیک ہو گیا۔" اس ادھڑ عمر بندے نے کہا اور اٹھ
 گیا۔ جی خان نے بڑے بے پروا انداز میں کہا۔
 "وہ جو کرامت ہے نا، وہ بڑا تاجدار جسم کا بندہ ہے۔
 وہاں گاؤں میں چھوٹی موٹی انجمن آجاتی ہے تو اسے پیٹھ کرٹل
 کر لیتے ہیں۔"

"جی اس نے چھوٹی موٹی نہیں ہماری زمین
 ہتھیانے۔" میں نے کہنا چاہا تو خان نے ہنسی سے کہا
 "جی جی، میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ ہمارے
 طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا، وہ اس طرف والی زمین بھی

جسیں دے دے گا، اب خوش ہوں، میں نے کہہ دیا ہے۔
 "آتے۔"
 اس وقت مجھے پورا یقین ہو گیا کہ خان کے سامنے جو بھی
 بات کی جائے گی، وہ کرامت ہی کی طرف دہرائی کرے گا۔
 اس لیے میں نے کئی بات نہیں کی تو فری نے کہا۔
 "جی سامنے اب اجازت، مجھے امید ہے کہ آپ خیال
 رکھیں گے۔"

"ہاں، ہاں پورا خیال رکھیں گے، بے چارے پانی تو پی
 کر جاؤ؟" اس نے تکلف سے کہا تو فری اٹھتے ہوئے بولی۔
 "پھر کسی وقت کسی۔" مجھے ابھی تھوڑے کام میں ہیں۔"
 "چلو۔۔۔ جاؤ پھر۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تو
 ہم دونوں باہر نکل آئے۔ میرا دماغ سلگ رہا تھا۔ میں سوچ رہا
 تھا کہ کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی بندے کی تابعداری کرنا ہی پڑے
 گی۔ اس سے اچھا نہیں کہ میں سیدھے کرامت ہی کی
 تابعداری کروں، اس سے ہی زندہ رہنے کی بجائے مائیک
 لوں۔ اگر میں کسی ایک کو زیر کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو ایک
 نیا طاقت ور میرے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے۔ اپنا حق بھانے
 کے لیے بھی جب دوسروں کی فحش کرنا پڑیں گی تو پھر ہم کس
 معاشرے میں رہیں گے؟
 "بہت اداں ہو گئے ہو؟" فری نے کارحوئی سے باہر
 لے جاتے ہوئے پوچھا۔ میں جو سوچ رہا تھا، وہ کہہ دیا۔ وہ بھی
 کچھ دیر تک خاموش رہی اور پھر کہتی چلی گئی۔

"یار یہ دنیا ایسے ہی چل رہی ہے۔ خاص طور پر ہمارا
 معاشرہ۔۔۔ اب میں اس کی تاریخی وجوہات میں تو نہیں پڑوں
 گی لیکن مفاد پرستی عام ہو جائے تو وہاں کئی بندہ ایسے آجاتے
 ہیں جو مفاد پرست نہیں بلکہ کاسب کچھ ہڑپ کر جاتے ہیں۔"
 "اور انہیں کوئی دو گئے والا نہیں ہوتا۔" میں نے فری سے
 کہا۔

"روکنے والے آتے ہیں، لیکن یہ صدیوں سے غلامانہ
 ذہنیت رکھنے والا معاشرہ، انہی مسیحاؤں کے خلاف ہو جاتا
 ہے، وہ بھی اپنے مفاد کی خاطر۔۔۔" اس نے بھی دھجے کہا۔
 "الیہ ہے یہ۔۔۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا تو
 ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ لیکن میرے دماغ میں سلگتی
 آگ ٹھنڈی نہیں ہو پار ہی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا کہ جیسے مجھے
 بلا کر دھماکا کیا گیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کرامت کو علاقے
 میں سن مانی کی اجازت تھی۔ وہ چونکہ خان کا تابعدار ہے اس
 لیے اسے غنڈا گردی کی وہ سب مراعات حاصل ہیں جو ایک طرح
 سے وہ اپنا حق سمجھتا ہے۔

ہم وہیں ٹائٹل کے گھر آ گئے۔ حکیم اور ٹائٹل لادو
 میں بیٹے کپ شپ لگا رہے تھے۔ ہم کچھ دیر وہاں ٹھہر کر
 واپس گاؤں کے لیے چلے گئے۔ راستے میں ندیم کو خان کے
 بارے میں بتایا تو وہ کسی سے سکتا نہ ہوئے بولا۔
 "یار یہ دھرتی کے وہ چھوٹے چھوٹے خدا ہیں جو چاہتے
 ہیں کہ دنیا ان کی مرضی کے مطابق چلے۔ جو چاہتے کمزور ہوتا
 ہے وہ اپنی سطر پر اتاری جلدی سمجھوتا کر لیتا ہے، جو اڑتا ہے،
 اسے یہ اڑا کر دکھ دیتے ہیں۔"

"اب دیکھو۔" مجھ پر قاتلانہ حملہ ہوا، جس نے کروا دیا اور
 جس نے کیا، وہ دونوں صرف اس وجہ سے فک گئے، میں ان کا
 کچھ نہیں کر پاؤں گا کہ وہ خان کے تابعدار لوگ ہیں۔" میں
 نے دکھ سے کہا۔
 "یہی جگل کا قانون ہے بھیا۔" اس نے قہقہہ لگاتے
 ہوئے کہا۔

"سارے قلعے نظریات ایک طرف دیکھو، صرف یہ سوچو
 کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا، ہم کہاں جا سکیں، کیا کریں۔" میں نے
 لکھتے ہوئے کہا۔

"جی رہا باتیں ہیں۔۔۔ ایک یہ کہ جو یہ چھوٹے چھوٹے
 لوگ ہیں، ان کی سامنے جاؤ، وہی کرو جو وہ چاہتے ہیں،
 سمجھوتے کرتے جاؤ۔۔۔ اور دوسرے۔۔۔" اس کے مقابلے پر جاؤ۔
 اس راستے پر سوائے موت کے اور کچھ نہیں ہے۔ وہ اپنے
 سامنے کھڑے شخص کو برداشت نہیں کر سکتے۔" اس نے بڑے
 سکون سے حالات پر تبصرہ کر دیا۔

ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔

ہم گاؤں واپس پہنچے تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ میں ندیم کو اس
 کے گھر کے سامنے اتار کر اپنے گھر لے گیا۔ کانا وغیرہ کھا کر
 چھت پر جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ باہر سے عابد کی آواز آئی،
 وہ مجھے بلا رہا تھا۔ میں باہر گیا تو بھانک کے پاس گاؤں کا ایک
 بوڑھا شخص چاچا نذیر اور اس کا بیٹا کھڑا تھا۔ اس کی حالت
 اچھی نہیں تھی۔ میں نے تجسس سے عابد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
 "کیا ہوا؟"

"چاچے نذیر کو طارق نے مارا ہے۔" عابد نے دبے دبے
 غصے سے کہا۔

"کیوں؟ کس وجہ سے؟" میں نے بے ساختہ پوچھا،
 مجھے یہ سن کر بہت دکھ ہوا تھا۔ یہ طارق وہی شخص تھا جس نے
 کرامت کے بیٹے تویر کو ہماری بخیری کی تھی۔ ہمیں اس کے
 بارے میں پتا چل گیا تھا۔ میں نے اس کا ڈنڈا کھڑا کر دیکھا
 تھا کہ اس وقت جب ہم ڈیرے پر تھے، اس دوران اس نے
 جاسوسی ڈائجسٹ

کئی کالوں پر کوئی نہیں اور اس کی کالز سے بھی انی نہیں۔
 میں وہ اس دن کرامت کے ساتھ رہا ہوں۔ یہ وہ ساری
 تحصیل میرے پاس تھی لیکن وہ ہمارے ساتھ رہتا تھا اس
 لیے مناسب وقت تک کے لیے میں حکومت کے تحت جا رہا
 رہا تھا۔ چونکہ اسے کرامت کی آغوش ہادی، وہ چھوٹی موٹی
 بدعاشی کر رہا رہا تھا۔ چاچا نذیر ایک بار عابد و قاتلانہ ہوا
 کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا، یہ ظلم تھا۔ میرے پوچھنے پر
 اس نے بتایا۔

"چنا۔" دو سال پہلے اس نے مجھ سے لڑ چکا تھا۔
 فری کا تھا، چونکہ میرے ساتھ اس کی زمین ہے تو میں نے
 اسے دے دیا۔ اس کا وعدہ تھا کہ ایک ماہ بعد واپس کر دے گا۔
 لیکن ایک برس گزر جانے کے بعد بھی اس نے پیسہ واپس نہیں
 کئے، میں اس سے مانگا رہا، اس نے تھوڑے تھوڑے کر کے
 کوئی نوے ہزار روپے واپس کر دیے، مجھے ٹھیکری قطع
 کر دیا، اب اس نے پیسے مانگ رہا تھا، آج دیتا ہوں
 کل دیتا ہوں یہی بہانہ کر رہا تھا، آج میں نے مانگے تو کہنے لگا
 میں نے سارے پیسے دے دیے ہیں اب کچھ نہیں دیتا، اس
 پر میں نے ذرا سختی سے پیسے مانگے تو اس نے مجھے مارا شروع
 کر دیا۔ میرے بیٹے نے چھڑا لے کر کوشش کی تو اسے بھی
 مارا۔

"نمبر دار کو بتایا؟" میں نے پوچھا۔
 "نہیں۔۔۔ اتنے کھڑے کر گیا ہے۔" اس نے کہا
 "اسے بتایا۔۔۔ تن۔۔۔"

کہ وہ مجھ سے بھاری ہے، میں اس سے دم واپس نہ
 سکتا۔ اس نے کہا اور ایک دم سے رو پڑا، اچھی روئے ہوئے
 بولا۔ "مجھے بیسوں کا دکھ نہیں، نہ دیتا لیکن اس عمر میں آکر مجھے
 یہ بے عزتی دیکھنا تھی، میں تو جیتے ہی مر گیا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے وہ ہچکیاں لے کر رونے لگا۔ صرف پیسے کی
 خاطر وہ بھی قرض لے کر کر جانا، اور اس پر بزرگ بندے کی
 توہین، یہ ظلم تھا۔ مجھے ایک دم سے ہی غصا گیا۔

"نانا اس کو۔۔۔ اور چوک میں بلا۔" میں نے عابد سے
 کہا تو اس نے اپنا سلی فون نکالا اور طارق کو کال کرنے لگا۔
 تھوڑی دیر بعد بولا۔

"وہ چوک پر ہی آ رہا ہے۔"

"چلو چلیں آکر۔" میں نے کہا اور ان کے ساتھ چوک کی
 طرف چل پڑا۔

رات ہو جانے کی وجہ سے چوک میں اتنے زیادہ لوگ
 نہیں تھے۔ لیکن گاؤں میں ایک چنگ ہو گیا تھا جس کی خبر بھی
 طرف پھیل چکی تھی۔ کچھ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ چاچا

تندر میری طرف کیا ہے، سو جیسے جیسے ہم چوک کی طرف
 بڑھے تھے، لوگ بھی شامل ہوتے گئے تھے۔ ہم سب کو
 طارق کا انتقال تھا۔ زیادہ دقت نہیں گزرا تھا کہ وہ اپنی موٹر
 سائیکل پر وہاں آ گیا۔ اس نے جب اتناڑ دیکھا تو ایک ہاتھ
 گھبرا گیا پھر خود پر قابو پاتا ہوا موٹر سائیکل سے نیچے اترا اور
 سیدھے ہمارے پاس آ گیا۔ اس نے چاہے نہ گریز کی طرف
 دیکھتے ہوئے پلو پھا۔

میں نے سختی سے کہا تو چاچا خیر نے اٹھ کر اپنا جوتا اتارا اور اس کے سر پر مارنے لگا، کئی آنکھ دس جوتے مارنے کے بعد وہ ہانپتے ہوئے بیٹھ گیا۔ میں نے بڑے آرام سے پوچھا۔ ”بس چاچا؟“

”ہاں بھئی۔۔۔ میرے دل کی بھڑاس نکل گئی۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔

جانا۔ تم اپنے ٹریکٹر کی قسط تو دو۔“
کچھ دیر بعد سبکی وہاں سے چلے گئے۔ میں حیران تھا کہ
اتنا اور ملاں کر بھی غنیمت ہو کہ پر نہیں آیا تھا۔

مسئلہ

تھا۔ وہ مجھے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ پہلی بار وہ بھی مجھے بے بس دکھائی دی تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ میرے اندر باہمی پھیل رہی تھی۔

ایسی ہی ایک شام ہم کبڑی کھیل کر ٹیوب ویل پر نہا رہے تھے۔ میں ابھی اپنی باری کے انتظار میں تھا کہ پہلے والے نے کہا لیں پھر میں نہاتا ہوں۔ ایسے میں میرا فون بج اٹھا۔ میرے کپڑے درخت کے ساتھ لٹک رہے تھے، فون اس کی جیب میں تھا۔ میں نے ہاتھ صاف کیے اور جب سے فون نکال لیا، کال نم کراؤ ہو چکی تھی۔ میں نے اسکرین پر دیکھا، وہ شاید عرف چماد کی کال تھی، وہ کوئی آٹھ مرتبہ کال کر چکا تھا۔ مجھے ایک دم سے پریشانی لاحق ہوئی، میں نے اسے کال کر دی۔ اس نے فوراً کال ریسیور کر لی۔

”ادشا بھائی..... بہت معذرت میں کبڑی کے میدان میں تھا اور فون.....“ میں نے کہا تھا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔

”اس وقت کہاں ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”میں ڈیرے پر ہوں، حکم۔“ میں نے تیزی سے کہا۔
”حکم رب کا ہے، میں پوچھ کر کیا ہوں۔“ اس نے کہا پھر سانس لے کر پوچھا۔ ”آج رات تیرے ڈیرے پر رہتا ہے؟ کوئی مسئلہ تو نہیں۔“

”اوپر تم آگیاں بھائی..... اس میں مسئلہ والی بات ہے، ڈیرے پر کبھی میرے گھر میں رہیں۔“ میں نے تیزی سے کہا۔

”نہیں ڈیرے پر ہی رہتا ہے، ارد گرد دیکھ بھال لیتا۔“ اس نے کہا۔
”اس نے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تو میں جبراً ہی سے بولا۔

”تم ٹھیک ہے، میں سہیں ہوں ڈیرے پر، انتظار کر رہا ہوں۔“

”بس آ رہا ہوں۔“ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔
میں نے ارد گرد دیکھا، کسی کے تھے۔ ان میں عابد بھی تھا۔ مجھے بھی نہا رہا تھا، ندیم کبڑی میں کھیل رہا تھا، وہ اپنے گھر تھا۔ میں نے فون پر تایاچی کو اطلاع دے دی۔ وہ پیچھے تو حیران ہوئے پھر بولے۔

”ہاں ٹھیک ہے، انہیں ڈیرے پر ہی رکھو۔ میں وہاں خود آ جاؤں گا۔ جب آجائے تو مجھے بتا دینا۔“

”ٹھیک ہے تایاچی۔“ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔
رات کے اندر چھپاؤ کے لئے کاروائی ہو گیا۔
بیتکروں کی آوازیں اس ہلنے کو چہرہ رہی تھیں۔ ڈیرے

میں بند ہو سکی بول پڑیں یا حرکت کریں لو ان کی آواز سنائی دیتی تھی۔ میں ٹیوب ویل کی منڈ پر بیٹھا ہوا تھا، میری نگاہ آنے والے راستے پر تھی۔ ڈیرے کے اندر عابد اور احتشام موجود تھے۔ ندیم ابھی تک گاؤں ہی میں تھا۔ وقت دیر سے دیر سے بڑھتا ہی جا رہا تھا، یہاں تک کہ کافی دور ایک گاڑی ہڈ لائٹس دکھائی دیں، پھر وہ قریب آئی گئیں۔ اسی لمحے میرا فون جاگ اٹھا۔ اسکرین پر شاہد کے نمبر تھے۔

”کہاں ہیں؟“ میں نے پوچھا۔
”مجھے لگتا ہے تیرے ڈیرے پر پہنچ چکے ہیں۔“ اس نے سکون سے کہا تو میں بولا۔

”ایک کار دیکھ رہا ہوں۔“
”ہاں بس پہنچ گئے۔“ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اگلے پانچ منٹ میں وہ ڈیرے کے اندر تھے۔ میں نے تایاچی کو بتا دیا تھا۔ شاہد کے ساتھ دو افراد تھے، جنہیں میں نے پہلے ہی نہیں دیکھا تھا۔ بہت زبردست جوان تھے، ہم سم سم کرے میں بیٹھ گئے تو شاہد نے کہا۔

”یار میں بہت مشکل سے وقت نکال کر آیا ہوں صرف تم سے بات کرنے کے لیے، اور وہ بات کر کے مجھے چلے جانا ہے۔“

”ایسی کیا ضروری بات تھی کہ اتنی دور.....“ میں نے حیرت سے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”اوہیں، دراصل میری بھانجی کی شادی تھی، مجھے وہاں بھی جانا تھا، نیچے اپنی بہن سے بہت پیار ہے، ویسے بھی وہاں جانا ضروری تھا، وہاں سے ہوا آیا ہوں، لیکن یہ تیری طرف آگ، میرے پردرگاہ میں نہیں تھا، اچانک نکل کر آیا۔“ اس نے شکایتیں کرتے ہوئے کہا۔
”تیرا اچھا کیا اور یہ جانے والی بات نہ کریں..... دو چار دن رہیں میرے پاس.....“ میں نے خوشدلی سے کہا۔

”زے کو تو رہا لوگ..... میرا ابو جہم برداشت نہیں کر سکو، اگر پولیس کو ذرا سی بھی پکڑ لیں، یا میرے دشمنوں تک بات پہنچ گئی تو..... یہاں سنبھالنا بہت مشکل ہو جائے گا۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

”بات کیا تھی؟“ میں نے پوچھا۔
”دیکھو..... میں تمہارے ساتھ کوئی دو نمبر بات نہیں، میری بات کروں گا۔“ یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر سانس لیا اور پھر سیدھے طرف سے مجھے یہ کہا گیا ہے تمہاری اور کرامت کی بات کروا دوں۔
”تم نے اس کے رشتے دار کو چھپے لوں برا ذلیل کیا ہے۔“

”اس بے غیرت نے ایک بزنس.....“ میں نے کہا تھا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

اس کی وجہ جو بھی ہو تم نے غلط نہیں کیا ہوگا جو بھی کیا ہوگا درست کیا ہوگا، وہ اسی لاش ہوگا، کرامت کون سا مادمو ہے وہ بھی تو بے غیرت ہے۔“
”مجھے یہ بتاؤ شاہد بھائی..... کیا یہ کرامت کے ساتھ صلہ کر لیا جاتا ہے، وہ جس نے.....“ میں نے کہا تھا چاہا تو وہ ڈوک لہجے میں بولا۔

”دیکھو..... معاملہ اب صرف کرامت والا نہیں ہے، وہ تو گھروے کی چمچلی ہے جب چاہے اسے ٹھوک دوں۔“ تمہیں کہوں تم جا کر اسے مار آؤ، لیکن اب حالات یہ ہیں گئے ہیں کہ اگر تم صلہ نہیں کرتے تو وہ لوگ دشمن بن جائیں گے، جنہوں نے مجھ تک پیغام پہنچایا ہے۔“

”کیا وہ لوگ اتنے ہی طاقتور ہیں کہ ظالم کو ہم پر مسلط کر رہے ہیں؟“ میں نے دے دے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”یار انہیں ایک بندہ چاہیے..... خیر یہ ایک ہی بحث ہے، دو خرابی بات ہے، اگر سوچو تو وہ طاقتور ہیں۔“ لیکن اگر تم چاہو تو پھر تمہارے لیے وہ کچھ بھی نہیں۔“ اس نے دہلی دہلی ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا کہہ رہے ہو بھائی؟“ میں نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”دیکھ یار..... کچھ بھی کرنے کے لیے کلیجا چاہیے ہوتا ہے۔ اگر گھر سے تو کوئی بھی طاقتور نہیں ہے اس دنیا میں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”مطلب میں انکار بھی کر سکتا ہوں؟“ میں نے پوچھا۔
”بالکل کر سکتے ہو..... لیکن اس سے یہ ہوگا کہ وہ لوگ جو کرامت کی پشت پناہی کر رہے ہیں، وہ تمہارے خلاف ہو جائیں گے۔ خلاف ہو جانے کا مطلب تم جانتے ہو، قدم قدم پر مشکلات ہوں گی۔ تم جو اس دنیا سے لٹکا چاہتے ہو، شاید پھر نہ نکل سکو۔ تمہیں ان کا سامنا کرنا پڑے گا، پھر ایک وقت آئے گا یا تو تم گھٹنے ٹیک دو گے یا پھر صبر کر لو گے۔“ اس نے تفصیل بتاتے ہوئے منظر کشی دیا تو میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”شاہد بھائی آپ مجھے ڈرانے آئے ہو؟“
”ڈرانے نہیں، پورے حالات بتا رہا ہوں، کل تم یہ نہ کہہ سکو کہ میں نے تمہیں پوری بات نہیں بتائی۔“ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔
”ٹھیک ہے بھائی..... میں سوچ کر بتا دوں گا۔“ میں نے

مکمل

تھی کچھ میں کا وہ مسکرا کر کہا۔
”اسرار..... ایک بات اس کے، جیسا کہ میں نے کہا کرتا تھا۔ اس دنیا میں مردوں کے گناہوں کو بہت دلی جالی ہے۔“

”ایسا ہی ہوگا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
میں نے دیکھا جو وہ جوان شاہد کے آگے تھے وہ مسکرا رہے۔ شاید ہماری بات حریف کے جتنی، ایسے میں ابھی چپ کھٹے کی آواز آئی، میں اپنی جیب کی آواز پہچان گیا۔ چند لمحوں بعد تایاچی اور ڈیشان آ گئے۔ ان کے پیچھے ہی احتشام اور عابد تھے۔ جب تک تایاچی نے ان سے مل کر حال احوال پوچھا، تب تک انہوں نے دفتر خان بچھا دیا۔ کھانے کے بعد کافی دیر تک علاقے کی باتیں کرتے رہے، لیکن کرامت سے صلہ والی بات نہ جانے لگیوں اس نے نہیں کی۔ تایاچی اور ڈیشان واپس چلے گئے تو بھی وال میں نے پوچھا۔

”یہ بات تمہیں ان سے نہیں کرنی کیونکہ اس پر صرف تمہارا فیصلہ ہونا چاہیے اب مجھے تم جس سے بھی مشورہ کرو۔“ شاہد نے سکون سے کہا۔ بات اس کی حقیر تھی۔ پھر وہ کچھ دیر مزید بیٹھ کر چلا گیا۔

میں گھر کی کچھت پر بیٹھا ہوا شاہد کی باتیں سن رہا تھا۔ زندگی میں وہ مونچ آگیا تھا جہاں مجھے سمجھتا کہ جہاں جا رہا تھا۔ میرے سامنے طاقتور آکھتے ہوئے تھے جو میری حد متعین کر رہے تھے۔ میرے اندر کو ایک حصار بنا دیا گیا تھا کہ میں اسی میں محدود رہوں۔ میرے سامنے بیٹھنے والے ہوتے رہیں اور میں مصلحت کی چار اوڑھ کر سب کچھ دیکھتا رہوں۔ کل تک میں جس کا دشمن تصور کیا جا رہا تھا، جو مجھ سے مخالف تھا، آنے والے دنوں میں اسی کے اشاروں پر سب کچھ کروں گا۔ ایسے میں میرا فون بجا، اسکرین پر فریجی کے نمبر تھے۔ میرا من نہیں چاہ رہا تھا، میں اس کی کال ریسیور کروں۔ میں چہلے اسکرین پر دیکھتا رہا پھر کال ریسیور کر لی۔

”فون کیوں نہیں اٹھا رہے تھے؟“ اس نے دھمکتے ہوئے پوچھا۔
”لہجے میں ذرا سی بھی لوج نہیں تھی، نہ ضرورت نہ مان کچھ بھی نہیں تھا۔“

”میرا دل نہیں کر رہا تھا تم سے بات کرنے کو۔“ میں نے صاف کہہ دیا۔

”میں جانتی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔ مجھے پتا ہے تم مجھ سے ناراض ہو؟“ اس نے دھمکتے ہوئے فریجی سے کہا۔

”فریجی مجھے نہیں معلوم میں نے دیر کر دی، یا یہ اچھا ہوا کہ

میں کرامت کو نہیں... مار سکا، لیکن میں نے کبھی بھی ایسی بے بسی گھس نہیں کی تھی۔" میں نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا۔
 "اور اس کا ڈسٹے وارتم مجھے نمبر اہل ہے ہو؟" اس نے تھوڑا سختی سے پوچھا۔
 "کاش تم مجھے خان کے پاس نہ لے جاتیں۔" میں نے کہا۔

"یاد تم بھی انتہائی فضول آدمی ہو، خان جیسے لوگوں کے لیے ذمہ اہمیت رکھتے ہو نہ کرامت جیسے لوگ... انہیں تو وہی لوگ چاہیے ہوتے ہیں، جو طاقت ور ہوں... جو طاقت سے چاہتے ہوں۔" یا پھر جو زیادہ ان کی تابعداری کریں وہ انہیں پسند ہیں۔ اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے، تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے ایک دم سے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں اپنے فیصلے میں آزاد ہوں۔" میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔
 "ہاں... یہ بات میں تمہیں کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے تیزی سے کہا کہ مجھے ہر سانس لے کر بڑے سکون سے بولی۔ "لیکن تم انہیں رہے ہو، میں نہیں بلاری ہوں۔"
 "میں آؤں گا اور میں خان سے بھی ملوں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس سے کیوں؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔
 "یہ میں اسی وقت بتاؤں گا۔" میں نے کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہی پھر تھوڑی دیر مزید باتوں کے بعد کال بند کر دی۔
 مجھے اندیمہ کی کال کا انتظار تھا۔ دو گھنٹے سے زیادہ کا وقت ہو گیا تھا، اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مجھے انتظار کرتے ہوئے کونٹ ہونے لگی تھی۔ اس وقت میں یہ سوچ رہا تھا کہ اندیمہ کون کرے گا، اس کا فون آگیا۔

"وہ گھر پر ہی ہے۔" اس نے سکون سے کہا۔
 "چل پھر میں آ رہا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔
 "آ جاؤ لیکن بہت احتیاط سے۔" اس نے کہا تو میں نے فون بند کیا اور اٹھ کر نیچے گھن میں آگیا۔ گھن میں تایاچی لیٹے ہوئے تھے۔ میں ان کے قریب سے گزر کر بیٹھک میں گیا۔ وہاں جا کر اپنا سفل فون الماری میں رکھا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ اگرچہ سفل فون میرے نام پر نہیں تھا، لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے اس سفل فون سے مجھے ٹریس کر لیا جائے۔ جب بھی تفتیش ہو تو میرا سفل فون بتائے کہ میں گھر پر تھا۔ میں گلی میں آگیا۔ ہر طرف اندھیرا تھا، دور ایک گھر کے آگے ایک بلب لگا ہوا تھا۔ میں اس سے گزرتے ہوئے بڑھتا گیا، یہاں تک کہ گاڑی کے باہر اس سڑک پر آگیا، جو شہر کی

طرف جاتی تھی۔ میں پیدل ہی چل پڑا تھا۔ ابھی تھوڑا سا سفر طے کیا تھا کہ دائیں جانب سے آنے والے کچے راستے سے مجھے موٹر سائیکل کی ہیڈ لائٹ دکھائی دیں۔ میں نے قدم آگے کر لیے، چند منٹ بعد ندیم نے میرے قریب لاکر موٹر سائیکل روک دی۔

"چل بیٹو..." اس نے کہا تو میں اس کے پیچھے بیڑی میں اس نے موٹر سائیکل پر بھاڑی تو میں نے پوچھا۔
 "تو نے اچھی طرح توجہ نہ کر لیا تھا؟"
 "بالکل..." ابھی کچھ دیر پہلے وہ ڈیرے سے اٹھ کر اپنے گھر گیا ہے۔" اس نے آنکھوں دیکھا احتمال بتایا۔ وہ مجھے سمجھانے لگا کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔

کوئی پندرہ سے بیس منٹ کے دوران ہم چوہدری کرامت کے گاؤں پہنچ گئے۔ ندیم نے اس کے گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر موٹر سائیکل روک دی۔ آواز ایک نرم سنائے میں تبدیل ہوئی۔ میں نے نیچے میں اُڑے سے نکل کر نکلا اور اندر میرے میں ندیم کی طرف دیکھا۔ اس نے میرے کندھے پر یوں ہاتھ رکھ دیا جیسے مجھے حوصلہ دے رہا ہو۔
 "اگر تمہیں لگے کہ کوئی گزربڑ ہے تو میرے پیچھے نہیں آنا، یہاں سے نکل جانا ہے۔ سمجھتے تم؟" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم جاؤ۔" اس نے کہا اور تھوڑا پیچھے ہو کر اندر بیٹھ بیٹھ گیا، میں مڑا اور کرامت کے گھر کی طرف چل پڑا۔

اس کے گھر کا پچانک اس وقت بند تھا۔ میں نے دیوار پر چڑھ کر دیکھا۔ گھن میں دو چار پائیاں بھیجی ہوئی تھیں۔ ایک خالی گلی اور دوسری پر کرامت لیٹا ہوا تھا۔ اب مجھے یہ کس قسم نہیں تھا کہ وہ سویا ہوا ہے یا جاگ رہا ہے۔ میں دیوار پر چڑھ کر ایک دو منٹ بیٹھا رہا دیکھتا رہا۔ مجھے لگا کہ وہ سو رہا ہے۔ اور جاگ بھی رہا ہوتا تو مجھے کیا کرنا تھا؟ یہی سوچتے ہوئے میں بڑی احتیاط سے اندر کی طرف دوڑ گیا۔ چند لمحے دیوار کے ساتھ لگا فرش پر بیٹھا رہا، پھر گیت کی طرف بڑھا۔ وہاں پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا۔ اب چابی کے بغیر وہ تو نہیں... گیت نہیں کھل سکتا تھا۔ میں نے چابی ڈھونڈنے کے بجائے وہاں دیوار ہی سے باہر جانے کا سوچا۔ میں نے ایک نگاہ ڈالی، دیوار کوئی آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک چار پائی کھڑی تھی، میں نے اسے دیوار کے ساتھ لگا یا اور وہاں پلٹ کر کرامت کے پاس پہنچ گیا۔ میں بالکل اس کے سر ہانے کی طرف اُڑوں بیٹھ گیا۔ وہ سویا ہوا تھا، میں نے اسے جگایا، وہ ہڑبڑا کر اٹھا، پھر جیسے ہی اس کی ہچ پر نگاہ پڑی وہ خوف زدہ ہو

سمیا۔ چند لمحوں کے لیے تو اس کی آواز نہیں نکلی، پھر جیسے ہی اس نے شور مچانے کے لیے منہ کھولا تو میں نے سختی سے اس کا منہ دبا دیا۔

"نہیں کرامت نہیں۔ اب بس..." میں نے ہولے سے کہا تو وہ تیزی سے پچھلے لگا، وہ میری گرفت سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے پلٹ اس کے سر پر ہاتھ دیا، وہ بالکل ہی کم کر سکتا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں دھڑکنے لگیں۔ اس میں دقت لگ گئی۔ میں چاہتا تھا اس کا گلابا کر مار دیتا، لیکن اس میں دقت لگ گئی۔ میں چاہتا تھا کہ میرے قاز کرنے سے ایک دھماکا ہوگا، اس کے گھر کے کسے ہی کیا اور گرد کے لوگ بھی جاگ جائیں گے۔ میرے پاس دقت نہیں تھا، گھر کا کوئی بھی فرد اٹھ کر آسکتا تھا۔ میں نے اس کے ماتھے پر پلٹ کی نال رکھی اور قاز کر دیا۔ ایک دھماکا ہوا۔ میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، میں نے چند قدم لمحوں میں طے کیے، چار پائی پر چڑھا اور دیوار تک پہنچ گیا، دوسری طرف چھلانگ لگا کر تو ندیم میرے سامنے تھا، موٹر سائیکل اسٹارٹ تھی، میں اس کے پیچھے بیٹھا تو اس نے اسے دوڑا دیا۔ ندیم نے منتقلی مندی یہ کی تھی کہ ہیڈ لائٹس آن کر دی تھیں۔ اندھیرے میں اگر کوئی نہیں دور سے نہ دیکھتا تو اسے بتانہ چلتا کہ ہم کدھر گئے ہیں۔ ہم گاؤں سے باہر آ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆
 روشن دن میں ایک پچھل چلی ہوئی تھی۔ پورے علاقے میں یہ خبر گرم تھی کہ چوہدری کرامت کو قتل کر دیا گیا۔ قاتل کون تھا؟ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا تھا۔ میں تھا چوہدری مہمن میں بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ ایسے میں نمبر دار آگیا۔ وہ سامنے چار پائی پر بیٹھتے ہوئے فصاحت آمیز لہجے میں بولا۔
 "اسد پتر... تم ایک دو دن کے لیے کہیں اُدھر اُدھر چلے جاؤ۔"

"نمبر دار صاحب خیر ہے، ایسا کیا ہو گیا؟" تایاچی نے حیرت سے پوچھا تو وہ بھی مجھے بھرے لہجے میں بولا۔
 "اُدھالی تمہیں پتا نہیں... چوہدری کرامت قتل ہو گیا ہے۔"
 "ہاں مجھے خبر ملی ہے پر اسد کا اس قتل سے کیا تعلق؟" تایاچی نے پوچھا۔

بھنگل
 "میں خدا کا واسطہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے قتل کیا ہے، بلکہ یہاں جو کرامت کے رشتے دار ہیں وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ قتل اسد نے کیا ہوگا؟" اس نے تفصیلی بتاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تم ان کی بات سن کر آتے ہو؟" تایاچی نے کہا۔
 "تو اور کیا... اب پولیس تفتیش کرے گی۔" ایک دھڑکے میں کئی لوگ آگئے۔ سارا علاقہ جاتا ہے کہ اسد کی کرامت سے دشمنی چل رہی تھی۔ جیسے اس کے رشتے دار بھی کہہ رہے ہیں۔ پولیس تو پھر تنگ کرے گی نا۔ اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو تایاچی نے میری طرف دیکھا تو میں اطمینان سے بولا۔

"میں ان حالات میں کہیں اُدھر اُدھر ہوا تو شک زیادہ ہوگا۔ پولیس بھی آئی تو میں اس کا سامنا کروں گا۔ پولیس کیا، سب اپنا اپنا اطمینان کر لیں۔ میں یہاں سے جانے والا نہیں ہوں۔"

"یہ ٹھیک ہے..." تایاچی نے کہا۔
 "اگر میں نے اسے مارنا ہوتا تو اسی دن مار دیتا، جب اسے اٹھا کر پنجائے کے سامنے لایا تھا۔ میں اس کا ہونہر میری اس کے ساتھ دشمنی تھی، لیکن اگر میں قتل کرتا تو پورا علاقہ جانتا۔" میں نے بڑے دھڑکتے سے جھوٹ بول دیا جس پر نمبر دار چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا۔
 "بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔"

"اور پھر ایک اور بات ہے نمبر دار صاحب... پولیس میری طرف آئی نہیں، کہیں ایف آئی آر میں نام نہیں، سات کہیں قتل ہوا ہے، جس کی اطلاع ابھی کچھ دیر پہلے ملی ہے۔ میں ابویں بھاگ جاؤں۔ جب مجھ پر کوئی پکا الزام لگایا گیا تو میں بھگت لوں گا اور انہیں بھی دیکھ لوں گا، جو مجھ پر الزام لگائیں گے، نمبر دار صاحب..." میں نے اپنا موقف مزید پختہ بنانے کے لیے جذباتی سے لہجے میں بیان دے دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اپنے طور پر تفتیش کرنے آیا تھا کہ میرے خیالات کیا ہیں۔ میں نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ کچھ دیر تایاچی سے باتیں کرتے رہنے کے بعد اٹھ کر چلا گیا۔

رہے ہیں، میں نے۔۔۔
 "تو متوکل کے دروازے سے ایف آئی آر دلو، کوئی
 درخواست۔۔۔" وہ اب بھی نہیں کر سکتے اور تم اسے اٹھا بھی لائے
 ہو اور وہ بھی ہنگ آمیز انداز میں۔ "آفسر نے سخت لہجے میں

پوچھا۔
 "مظنی ہو گئی سر۔" اس نے فوراً ہی مان لیا۔ سیمیں پر
 مجھے تھوڑی بہت سمجھ آ گئی تھی اصل میں معاملہ کیا ہے۔ ظاہر ہے
 جہاں سے سب کا پیغام آیا تھا، وہی اب مجھے سزا دینے پر تھے

ہوئے تھے۔
 "مگر جس لکٹے کے کہ یہ طرز ہے، تو قانونی طریقے سے
 اسے جبراً پھر جیسے تفتیش کرنی ہے کرو۔ اس طرح غلطہ گردی
 مت کرو۔ اب بتاؤ۔ ہم کیا کریں، کوئی قانونی معاملہ کریں
 تمہارے ساتھ۔" آفسر نے کہا۔

"مظنی مان لی ہے میں نے سر۔" اس نے دھیسے سے
 کہا۔

"آئندہ شکایت کا موقع نہ ملے۔" اس نے سرزنش کی اور
 میری طرف دیکھ کر بولا۔ "آپ لوگ سب جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ آفسر تیزی سے اس کا دروازہ کی جانب بڑھا۔ اس
 کے ساتھ پرنٹنگ مشین بھی چلا گیا۔ سچی دیکھنے والے انیسٹر کی طرف
 دیکھ کر پوچھا۔

"بتاؤ۔۔۔" اس نے سب پر یہ ساروں کا دروازہ کی طرف
 "اوجھل جاکو۔۔۔" ایسٹرن سنہ کھاؤ۔" اس نے اکٹھے لہجے
 میں کہا سچی مجھے غصہ آ گیا، میرے منہ سے ایک دم سے گالی
 نکل گئی۔

"اؤں اؤئے۔۔۔" میں جانتا ہوں تم کس کے نشانوں پر
 توجہ رہے ہو، میں قانون کا احترام کرتا ہوں، اس وقت تم نہ
 وردی میں ہو اور نہ مجھے روک سکتے ہو، لیکن یاد رکھنا، جو تم نے
 میرے ساتھ، میرے بھائی کے ساتھ کیا ہے نا، اس کا مجھے
 بدلہ لینا ہے۔ ابھی لوں یا چند دن بعد۔۔۔"

میں جانتا تھا کہ اسے بہت غصہ آ رہا ہوگا، اس کا بس نہیں
 چل رہا تھا کہ میری ہڈی پلی ایک کر دے۔ اس میں کوئی شک
 نہیں کہ پولیس کے پاس بے پناہ اختیارات ہوتے ہیں، وہ
 چاہتا تو مجھے پھر سے بند کر سکتا تھا لیکن ایسا وہ لوگ کر سکتے ہیں
 جو اخلاقی طور پر جرات رکھتے ہوں۔ اس نے مجھے قہر آلود
 نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنے کمرے کی جانب چل پڑا۔

"آؤ چلیں۔" دیکھنے کے بعد اب ہم سب تھانے سے
 باہر نکل گئے۔

سورج نکل آیا تھا۔ میں چھت پر بیٹھا تھا ہاتھ ہاتھ
 غصہ غصہ آ رہا تھا۔ میں وہیں بیٹھا خود اپنے ساتھ دو دو
 دو چار کر رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں نے کئی کیا نہ تو وہ
 مار رہا تھا، جس کی دھمکی مجھے۔ وہی کئی تھی۔ اس سے ویلے
 ہاتھ مجھے پر قہار نہ ملے کروا چکا تھا۔ یہ میری قسمت تھی کہ
 میں جی جی، درد نہ دیر سے ساتھ کیا کرتے اس کا بس سوچ بھی
 نہیں سکتا تھا۔ جب مجھ پر یہ سب ہو رہا تھا تو انہوں نے مجھ
 سے پوچھا تک نہیں، اور اس سیدھے مجھ پر چڑھائی کر دی۔

حالات اس بچ پر آگئے تھے کہ اب مجھے بہت سوچ بچ کر
 ہر قدم اٹھانا تھا۔ بلاشبہ اب میری دشمنی انہی لوگوں سے گئی تھی
 بہت طاقتور دور تھے۔ مجھے اب ان کا مقابلہ کرنا تھا۔ انسان
 اپنے دشمن سے مقابلہ کر لیتا ہے، پتا ہوتا ہے کہ اسے کیا کرنا
 ہے، لیکن منافق۔ کا سامنا نہیں کر سکتا۔ کون کیا کرتا ہے، اس
 کی سمجھ آ جاتی تو اس دنیا سے شاید فساد ختم ہو جائے، لیکن جب
 تک منافقت ہے تب تک بلاشبہ فساد ختم نہیں ہو سکتا۔

نجانے خیالات کی رو دکھاں سے کہاں نکل گئی تھی،
 شاید ایسے ہی بیٹھا سوچتا رہتا کہ چھت پر کسی کا احساس کر کے
 دوسری جانب دیکھا، کئی بھائی میرے قریب آ گئی تھی۔ اس
 نے میری طرف نہیں دیکھا بلکہ مندر کے ساتھ کھڑے ہو کر
 بڑے سکون سے بولی۔

"میں نے تم کو سنا ہے۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے
 ہرے بھرے لہجے میں، یہ گھروں کی چھتیں، وہ سامنے مسجد کے
 مینار۔ اور پیچھے یہ تہار اکمر جس میں تہار اٹھا کھانا ہے۔
 "بھائی تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" میں نے نرم لہجے میں

پوچھا۔
 "میں نے تم کو سنا ہے۔ یہ زندگی بڑی عجیب شے ہے۔ اس
 میں اگر ہم بڑی باتیں ہی سوچیں رہیں گے تو سب برا ہی
 دکھائی دے گا، لیکن اگر اچھا سوچیں گے تو سب اچھا ہو جائے
 گا۔ اور اس۔۔۔" اس نے کہنا چاہا تو میں اس کی بات کاٹنے
 ہوئے بولا۔

"جبکہ دونوں ہی اس زندگی میں ہیں، کسی ایک کا انکار نہیں
 کیا جاسکتا۔"

"بالکل ایسا ہی ہے۔ میں یہی کہنا چاہ رہی تھی لیکن
 صرف ایک شے کو ہی سوچنے چاہتا تھا تو زندگی کے ساتھ زیادتی
 ہے یا میرے دیر۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" میں نے اس کی بات مانتے ہوئے کہا۔

"ساری کی ساری زندگی 'دشمنی' نہیں ہے۔ اس میں
 دوستی بھی ہے۔ برائی نہیں بھلائی بھی ہے۔ ہر بڑے بندے

سے ساتھ تم ہوئے نہیں آگئے لیکن ہر انسان کے ساتھ تم بھلائی
 کر سکتے ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ صرف دشمنیاں بنائے اور
 بڑھانے کے لیے نہیں ہے۔ اس نے کہا ہے کہ وہاں کے افراد
 میں کیا تو میں پوچھا۔

"لیکن کوئی دشمنی مسئلہ کر دے تو؟"
 "تو اس دشمنی سے چھٹکارا پالو۔ تم کو دشمنی کی نیت
 رکھو۔ بڑھاؤ نہیں۔ بہت کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے، اس
 نے اپنی رائے دی۔

"میں نے ایسا ہی چاہا تھا بھائی۔" میں نے حسرت سے
 کہا۔

"خیر ہم اس پر مہربان کریں گے، تم ابھی نیچے آؤ، سب
 جہاز رادہ دیکھ رہے ہیں۔" اس نے زنی سے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں آ رہا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر
 چھت پر پہنچنے کے لیے چلا گیا۔

میں فریٹن بڑے کچھن میں آیا تو سچی بیٹھے ہوئے تھے۔
 "بیٹھے ہی تائیاجی نے چنگیری کی طرف ہاتھ بڑھایا تو سچی
 ہاتھ کرتے لگے۔ اس دوران کوئی بات نہیں ہوئی۔ جب سب
 ناشا کر کے کھانا کھا کر پورے

"حالات بڑے عجیب ہو گئے ہیں۔ اب ہمیں بنیادی
 سوچنا ہوگا کہ ان سے ہمیں کسے؟"

"کیا آپ خوف زدہ ہیں؟" میں نے پوچھا تو وہ تیزی
 سے بولے۔

"نہیں پتہ، میں خوف زدہ نہیں۔ قطعاً نہیں۔ یہ
 سوچنا بھی مت۔ لیکن دشمن سر پر چڑھا آیا ہے۔ وہ ہمارے
 گھر کی دہلیز تک آ گیا ہے۔"

"آپ گھبراہٹ میں نہیں؟" میں نے کہا تو دیشان بھائی
 نے کہا۔

"لیکن ابا۔۔۔ ہم تو نہیں کہتے کہ دشمن ہمارے گھر تک
 آجائے۔ اب آ گیا ہے تو بھگتے گا بھی۔ میں اب پوری
 طرح ٹھیک ہوں، میں اسد کے ساتھ کھڑا ہوں۔"

"ابائی۔۔۔ آپ گھبراہٹ میں مت۔۔۔ ہم نے علاقے میں
 پائی ہوئی ہے، بگاڑی نہیں۔ ہم جرائم پیشہ لوگ نہیں ہیں،
 لیکن اتنے بھی کمزور نہیں کہ کسی سے دب جائیں۔ دیکھ لوں
 گا میں۔" ارسلان نے دبے دبے جوش سے کہا تو میں خود پر
 قابو رکھتے ہوئے بولا۔

"دیکھتے ہیں طوفان کب تک ہماری طرف بڑھتا ہے۔"

"بس اپنا دھیان رکھو پتہ۔۔۔ میرا سب کچھ تم تینوں

جنگل
 "ابائی نے جہاز کی کچھ میں کہا تو میرے ابا
 پائے۔
 "ابائی۔۔۔" وہ تو کبھی نہیں گھبراے تھے، یہ کہ
 کر رہے ہو حوصلہ بڑا۔ میں اس کو حوصلہ دے رہا تھا۔
 آئی رہی ہے۔"

"ابائی۔۔۔" میں نے جہاز کی کچھ میں کہا تھا۔ "ابائی نے
 اپنی آنکھوں میں آنے والوں پر غور کرتے ہوئے کہا اور پھر
 مجھے ہونے پڑے۔ مجھے۔ اور اس کا رنگ ہلکا ہے۔ آہا ہوں
 ابائی۔"

ارسلان اٹھ کر تائیاجی کے پیچھے چل دیا۔ سچی ایشیا نے
 کہا۔

"اؤئے اسد۔ حوصلہ رکھنا، میں تمہارے ساتھ ہوں۔
 اب میں تمہارے ساتھ ہا کر رہا ہوں۔"

"تم گھر کو سننا۔۔۔" اس نے خود سنبھال لیا۔ "میں
 نے کہا اور اٹھ کر چل دیا۔ میں ڈیرے پر ہانا چاہتا تھا۔ میں
 نے گیارہ کی طرف دیکھا، اب اس کی سب کے ساتھ سوار سائیکل
 کھڑی تھی، میں اس کی طرف بڑھا۔ میں نے اسے اشارت
 کیا ہی تھا کہ بھائی رضیہ نے کہا۔

"اؤئے اسد۔ اپنا فون تو لیتا جا۔"

سچی مجھے یاد آیا میرے پاس تو کل کا فون نہیں ہے۔ میں
 نے فون لیا، وہ بد تھا، میں نے اسے کھولا اور باہر نکل گیا۔
 ڈیرے پر پہنچ کر دیکھا تو فریج کی کئی بیج آئے ہوئے تھے۔
 میں نے وہ سارے بیج پڑھے، ان میں یہی تھا کہ میں چلی
 فرصت میں کال کروں۔ میں نے کچھ دیر تک سکون سے کال
 کرنے کا سوچا اور فون رکھ دیا۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا
 کہ شاید کال آگئی۔ میں نے کال ریسرو کر لی۔

"جی شاہد بھائی کیسے ہیں؟" میں نے زنی سے پوچھا۔

"او یا رکھل سے فون کر رہا ہوں، کہاں ہو تم؟ خیریت تو
 ہے نا، میں نے سنا ہے پولیس آئی تھی اور تمہیں پکڑ کر لے گئی
 تھی؟ اب کہاں ہو؟" اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر

ڈال دیے۔

"بھائی، پہلی بات تو یہ ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔" یہ
 کہتے ہوئے میں نے انہماک کے ساتھ ساری بات بتادی۔
 "مجھے خوف تھا کہ یہی کچھ ہونا ہے لیکن تم۔۔۔" سچی کہتے
 ہوئے وہ رک گیا، پھر توشیش ناک لہجے میں بولا۔ "تمہیں

اب گاؤں میں نہیں لانا چاہیے، فوراً وہاں سے نکلو۔ نہیں تو وہ
 تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔"

"بھائی۔۔۔ میں نے یہ وعدہ (فصلہ) لی ہے، اب ان کو

مٹا دے کروں گا، جو بھی میرے سامنے آیا۔" میں نے کہا تو وہ
لہجہ کو نرم رکھتے ہوئے بولا۔
"میں تم سے کوئی زیادہ دور نہیں ہوں۔ تم نکلو۔ اور شہر
تک پہنچو، آگے میں سنبھال لوں گا۔"
"بھائی! ابھی میں اس طرح نکلا تو لوگ یہ سمجھیں گے
میں بزدل ہوں، ان کا سامنا نہیں۔" میں نے کہنا چاہا تو وہ
گئی سے بولا۔

"گوئی بارو لوگوں کو، جس سے کام لو۔ وہ جہیں بھی جنگ
کریں گے اور تمہارے گھر والوں کو بھی۔ تم نکلے کا فیصلہ کرو،
میں بھائی کو گھر سے خود بات کر لیتا ہوں۔"
"مجھے آپ کی بات سے ہلکا ہوا، انکار نہیں مگر مجھے تھوڑا سا
وقت دو، میں بالکل۔" میں نے کہنا چاہا لیکن ان کی طرف
سے فون بیز ہو گیا۔ میں نے فون ایک طرف رکھا اور سوچنے
لگا، کیا میں مستبد رہا، کیا بات مان لوں؟ میں انہی سوچوں میں
تھا کہ عید ایک بھٹ بھٹی سی موثر سائیکل پر آیا۔ اس نے
موٹر سائیکل اسٹینڈ پر لگا دی اور میرے سامنے والی چار پائی پر
بیٹھنے ہوئے کہا۔

"علاقے میں تو دھوم ہے کہ تم نے نکرامت کا معاملہ گول
کر دیا، مگر یہ دھوم سراسر ہمارے خلاف ہے، یہی ہمارا سرے
جائے گی۔"
"تو پھر کیا کریں۔" میں نے سختی سے کہا۔ "مجھے اس
انسپکٹر کو۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہنا چاہا تو وہ میری
بات کاٹتے ہوئے آہستہ سے بولا۔

"اے خدا کے لیے، بس کرو، ایسے موقع پر یہ کیا سوچ
رہے ہو، ہم بچ جائیں کی بڑی بات ہے، بعد میں دیکھی
جائے گی۔"

"یار اُس نے۔" میں نے مٹھیاں بچھتے ہوئے کہا۔
"چھوڑو۔ میں تو کہتا ہوں، یہاں سے نکل چلو کچھ دنوں
کے لیے، جب حالات ذرا اچھڑے پڑیں تو آجائیں گے۔"
اس نے کہا۔

"یہی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی، ہماری غیر موجودگی
جنگ میں جلا کر دے گی، ہم یہاں ہیں، مشکل حالات ہیں
بھلے بڑے لیکن ہم سامنے ہیں، ہمیں چھپ کر نہیں بیٹھ گئے۔"
میں نے بھجائے ہوئے کہا۔

"دورا پہلو ہے میری جان، ہم جب سامنے نہیں ہوں
گے تو، بلکہ تم جب تک سامنے رہو گے تو دشمن بھی کچھ گا کہ
جہیں جہاں جائے، یہاں میں وہ نہیں مار کر رہے گا۔"
یہ کہہ کر اس نے سانس لیا پھر بولا۔ "اس وقت تمہاری لڑائی

نکرامت کے لوگوں سے نہیں، ان سے ہے جنہوں نے تمہیں
مسکرائی تھی۔ تمہیں وہ گھیر رہے ہیں، ان کی نگاہوں سے
اور جمل ہو تو نہیں۔ اس معاملے پر بھی کئی پڑ جائے گی۔"
"ہاں یہ بات تمہاری دل کو لگتی ہے۔" میں نے کہا۔
"شاید کہ فون کے بارے میں بتا دیا۔ وہ چند لمحوں پہنچا رہا
نہیں ہے پوچھا۔"

"یار ایک بات بتا، تمہیں اس پر بھروسہ ہے؟"
"ہاں ہے۔" میں نے پورے یقین سے کہا۔
"تو پھر تم چلے جاؤ اس کے پاس۔ چند دن رہو، پھر لوڑ
آتا، ہو سکتا ہے ان دنوں میں معاملہ اچھڑا پڑ جائے۔" اس نے
مشورہ دیا۔

"ہم یہ بات کر رہے ہیں۔" میں نے کہا کہ اسلان کا فون آ گیا۔ میں
سمجھ گیا تائی جی بات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کال ریسیو کر
دوسری طرف تائی جی ہی تھی۔

"اے پُتر۔۔۔۔۔ جس طرح چھادا کہتا ہے تا وہاں
لے۔"
"ٹھیک ہے تائی جی۔ لیکن مجھے یہاں کا فکرمند ہے۔"
میں نے کہا۔

"او چھڈ یار۔۔۔۔۔ ہم اب اتنے بھی گئے گزروں نہیں، میں
دیکھ لوں اس تیس مار خاں کو۔" اسی کا بندوبست کرنے والا
ہوں، تم جاؤ میرا پُتر۔" انہوں نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔ میں
نے اسی وقت شاہد بھائی کو فون ملا دیا۔

"بھائی میں آ رہا ہوں۔" میں نے کہا تو وہ مجھے سمجھانے لگا
کہ مجھے کہاں تک آنا ہے اور کب تک پہنچنا ہے۔ یہ سب سمجھا
کر اس نے فون بند کر دیا۔ ندیم میری طرف دیکھ رہا تھا، وہ
تھوڑا سا ہنس رہا تھا۔ میں اٹھا اور اسے بھی اپنے ساتھ اٹھا لیا پھر
اس کے ساتھ بغل گیر ہو گیا۔

"یار۔۔۔۔۔ اتنا داس کیوں ہو رہے ہو۔ ہم جلدی ملیں
گے۔" میں نے اسے زور سے بچھتے ہوئے کہا۔

"چل آجی شہر تک چھوڑ دوں۔" اس نے بھاری آواز
میں کہا تو میں نے اپنی موٹر سائیکل نکالی، وہ میرے پیچھے بیٹھ
گیا، پھر ہم وہاں سے نکلے چلے گئے۔ ہمارا رخ شہر کی طرف
تھا۔

میں اور ندیم چائے والے کھوکے کے باہر پڑی بیٹیوں پر
بیٹھے چائے پی رہے تھے، ہم دونوں خاموش تھے۔ میں شاہد کو
بتا چکا تھا کہ میں شہر پہنچ گیا ہوں۔ اسے اپنی لوکیشن بھی بتادی۔
سو اس کے انتظار میں تھا۔ ندیم کچھ زیادہ ہی مضطرب دکھائی
دے رہا تھا، اس نے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا ہوا تھا تو

دوسرے ہاتھ میں سگریٹ سلگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر
لڑی مندی تھی۔ ابھی میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے، اتنا پریشان کیوں ہے؟"
"پتا نہیں کیوں مجھے یہ لگ رہا ہے، شاید بھائی کے ساتھ
جانا۔ مجھے وجہ سمجھ نہیں آ رہی۔" اس نے اچھے اچھے لہجے
میں بے رہنمائی بات کی۔
"سچ پوچھو تو میں بھی پریشان ہوں، آنے والے دنوں میں
کیا ہوتا ہے، گاؤں میں کیسے حالات ہوں گے، مجھے کہاں رہنا
ہوگا، لیکن مجھے یہ بتاؤ، کیا ہم اسی خوف سے اچھڑتے رہیں گے؟"

میں نے پوچھا۔
"ہاں تم بھی ٹھیک کہتے ہو، جتنا اس عذاب سے نکلنے کی
کوشش کر رہے ہیں، اتنا ہی اس میں پھنسے نہیں دھنستے چلے جا
رہے ہیں۔" اس نے سختی سے کہا اور پھر سگریٹ کا گہرا کش لے
کر دھواں فضا میں اُڑا دیا۔ انہی لمحات میں ایک رکشا بالکل
ہمارے پاس آ کر رکا، میں نے فطری طور پر اس کی طرف
دیکھا تو پچھلی سیٹ پر شاہد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ میری طرف دیکھ رہا
تھا، اس نے اشارے سے مجھے بلایا تو میں نے ندیم کی طرف
دیکھ کر کہا۔

"لے بھی دیے، جا رہا ہوں میں۔"
"اوہ۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔" اس نے بے ساختہ کہا
اور رکشے کی طرف دیکھا، میں شاہد کے ساتھ بیٹھ گیا اور پھر وہ
چائے والا کھوکھا اور ندیم بہت پیچھے رہ گئے۔
☆☆☆

وہ ایک شاندار بیگلا تھا جس کے پورے میں فور وکیل رکی
تھی۔ ہم اپنے شہر سے سیدھے لاہور آئے تھے۔ شاہد نے
بڑی احتیاط دکھائی تھی، اس نے مجھے رکشے میں لایا، کچھ لمحوں
اور بازاروں کے چکر لگانے کے بعد ایک شاہنگ بال سے ذرا
دور اتارا پھر چند قدم پیدل چلنے کے بعد فور وکیل تک لایا،
اس میں بیٹھے اور لاہور چل پڑے تھے۔ شاہد بھائی پچھلی سیٹ
پر لیٹ کر سو گیا تھا۔ نجابہ وہ کب سے نہیں سو رہا تھا۔ میں پانچو
سیٹ پر بیٹھا ڈرائیور نے کوئی بات کیے بغیر فور وکیل چلا دی گئی۔
ہم لاؤنج میں گئے تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ ہم وہیں بیٹھ گئے۔
تقریباً دو منٹ بعد ایک ادھیڑ عمر شخص وہاں آیا، اس نے کسی
ردیوں کی طرح ہمیں اندر آنے کو کہا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ایک
بڑے سے فرنیچر کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔

"یہ سب کیا ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا تو میری
طرف دیکھ کر اکٹا ہٹ بھرے لہجے میں بولا۔

"سوچنا چھوڑو۔۔۔۔۔ جا نہادو! پھر کچھ کھائی کر آرام

کرتے ہیں۔"
میں چند لمحوں کی طرف دیکھتا رہا، پھر ہاتھ دم کی
جانب بڑھ گیا۔

میری جب آنکھ کھلی تو کمرے میں ادھیڑ تھا۔ شاہد
والے بلے پر شاہد سو رہا ہوا تھا، میں نے دوبارے اس کی کوشش کی
لیکن مجھے نیند نہیں آئی۔ اس وقت دروازے پر آگئی کسی دھک
ہوئی تو شاہد بھائی کی آواز ابھری۔
"کچھ باہر کون ہے؟"

میں نے کچھ دروازہ کھولا تو باہر ان دنوں میں سے ایک
نوجوان نکلا تھا، جو شاہد بھائی کے ساتھ گاؤں میں لے جے پ
آیا تھا۔ اس نے مسکرائی ہوئی آنکھوں سے میری طرف دیکھا
اور زری سے بولا۔

"بھوک تو لگی ہوگی؟"
"ہاں یار۔۔۔۔۔ لاؤ کچھ کھانے پینے کے لیے۔" شاہد نے
کہا۔
"شاہد جی آپ فریش ہو کر باہر آ جائے" اس نے کہا اور
واپس پلٹ گیا۔

وہ ایک شاندار کرا تھا۔ اس میں ٹیکل لگی ہوئی تھی، ہم
دونوں وہاں بیٹھے تو وہی دونوں نوجوان وہاں پر آ کر سامنے بیٹھ
گئے۔ ابھی شاہد بھائی نے کہا۔

"او ہاں یار۔۔۔۔۔ پھر دوبارہ ملاقات نہیں ہوگی۔ تمہارا
تعارف تو ہے ان کے ساتھ، یہ بھی اپنا تعارف کروا دیتے
ہیں۔"

"میں علی رضا ہوں۔" نیلی آنکھوں والے گورے چٹے
نوجوان نے کہا۔

"میں دیم کھوکھر۔۔۔۔۔ گندی رنگ اور گہری سیاہ چمکتی
آنکھوں والے میری طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا تو شاہد بھائی
نے کہا۔

"مجھے آج رات یا صبح کسی وقت نکل جانا ہے۔ اب تم
یہیں رہو، ان کے پاس۔"

"میں بھی آج کے ساتھ چلتا ہوں۔" میں نے کہا تو شاہد
بھائی میری طرف دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔

"تمہاری جگہ اُس درختوں والے جنگل میں نہیں، اس
آبادی والے جنگل میں ہے۔ یہاں رہو، ان سے کچھ
سیکھو۔۔۔۔۔ کھاؤ پیو اور سوچ کر دو۔"

"میں سمجھا نہیں؟" میں نے جان بوجھ کر کہا، میں چاہتا تھا
کہ وہ کھل کر کہے دراصل وہ مجھ سے چاہتا تھا۔

"اسد۔۔۔۔۔ یہاں رہو گے تو مجھو تمہاری زندگی جنگ ہوگی۔ یہ

بڑے مایوس لوگ تھے۔ آہستہ آہستہ چھپ چکے تھے۔ تم سو تو ہو یہ جسیں حریف چکا دیں گے۔ شاید بھائی نے سکرانے سے کہا تو میں ہنسنے ہوئے ہوں۔

”آپ کو کسے پتا چکا کہ میں سو ہوں۔“

”جب تم جنگ میں میرے پاس آئے تھے میں نے تمہارے ذہن کا شہسوار سوار کیا تھا۔ تم نے اسے پورا کر دکھایا۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں بھی۔“ میں نے پوچھا تو علی سکرانے ہوئے ہوں۔

”تو رتے ہو۔“

”نہیں۔ میں میں کسی پرو جوشکی بنا چاہتا۔“ میں نے کہا تو وہ دونوں قہقہہ کرکے دیکھے۔ میں دسم است آواز میں ہوں۔

”لوگے سوئے۔“ فیشن نے لے۔ انجوائے کر۔“

شاید یہاں ہر صبح صبح ہوتا ہے، دو ہندسے ریڈیو کے ماتر کھانے کے کمرے میں آکر اچھر اچھر کی باتیں کرتے ہوئے کھانا کھاتے ہیں۔ وہ دونوں لڑکی باتیں کر رہے تھے جس سے ایک بے چینی دکھائی دیتی تھی۔ پھر ہم باہر لان میں آگئے۔ وہاں چائے پانی۔ پھر میں اور شاہد بھائی سونے کے لیے چل دیے۔

میری آنکھ کھلی تو کھڑکی سے جو پ اندر آ رہی تھی میں خود پر سکرادیا۔ کہاں ایک دن پہلے حالات کے باعث خیریت تھی آ رہی تھی اور یہاں سو کر رہا حال ہو گیا تھا۔ میں فریٹ ہو کر کمرے میں آیا تو دسم کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر بولا۔

”جسٹنگل۔“ ہیرا منڈی چلیں دشا کرنے۔“

میں کچھ گیا، اس لیے کچھ کہہ رہا تھا اس کے ساتھ چل دیا۔

پرانی اور بد حال عمارتوں کے اڑے راستے میں ایک بوسیدہ سے مارک کے دروازے پر ہم آہٹھے۔ سامنے ایک چاقی ڈالنے کی دکان تھی۔ جس کے ارد گرد کافی لوگ تھے۔ چھوڑے ہوئے ٹیبلوں کا ٹولا بیٹھا ہوا اس تاک میں تھا کہ کوئی انہیں کھانا کھلا دے۔ ایک جانب کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ بڑے بے سکون ماحول تھا۔ لیکن لوگ چھوٹی چھوٹی کرسیوں اور درمیان میں دھری میزوں پر ناشا پھیلانے کھانے میں مگن تھے۔ ہم دونوں بھی ایک جانب بیٹھ گئے تو ایک دیر دھاتا ہوا آکھیا۔

”کیا ایک ٹیبل بکھیرا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”ایک سوال کیا تو میں گزرتا گیا۔“ میرے سامنے مارک کے کمرے میں بھی کس تھا کہ وہ ایسا کوئی سوال مجھ سے پوچھنے لگا۔

”لے کے لیے تو میں گزرتا تھا لیکن خود پر قابو پاسے میں سکرادیا بھر بولے سے بولا۔“

”خوشی لکھی خواہش نے کر سامنے آجائے۔“

”خوابش کو پوری کرنا پڑتی ہے۔“

”ولا۔“ ہونٹوں کی چابی۔“ اس نے سکرانے ہنسنے کہا۔

”تم کیا کرتے ہو؟“ میں نے ہنسنے ہوئے پوچھا تو قہقہہ لگا کر بولا۔

”میں۔“ لوگوں کی خواہشیں پوری کرتا ہوں، جو مجھے خواہش راستے لے کر آجائے۔“

”اس کا مطلب ہے، علی بھی یہی کام کرتا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”بالکل۔“ یہی کام۔“ اس نے بے پروائی سے کہا۔

”میں سمجھ گیا، وہ کوئی عام لوگ نہیں تھے۔“

”ایک بات یاد رکھنا اسد۔“ کسی بھی وقت، کسی بھی لمحے اپنے آپ سے، ارد گرد سے غافل نہیں رہنا۔ خاص طور پر سامنے والے سے۔ بس یہی راز ہے، یہاں طاقت سے نہیں چونکا رہے ہیں زندگی ہے۔“ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

”ممکن ہے، ہم اس بوسیدہ ماحول میں جو ناشا کر رہے ہیں، ضروری نہیں، یہی ناشایق مقصد ہو۔“ میں نے کہا تو اس کی آنکھیں چمک گئیں وہ ایک دم سے خوش ہوتا ہوا بولا۔

”یہ ہونی ناہات۔“ لگتا ہے پورے ہو، بس تھوڑی بہت اور۔“

”یہ کچھ ہے اس نے قہقہہ لگا دیا تو میں بھی ہنس دیا۔“

”ناشنا کافی حد تک لطف تھا۔ اس وقت، ہم ٹھنڈی کھانہ کی دکان پر آ گئے۔ جب ایک سیاہ رنگ کی کار ہم سے ٹھوڑے فاصلے پر آ گئی۔ اس میں سے چار افراد اتر گئے، ان میں ایک موٹر سائیکل پر آ رہا تھا اور باقی چاروں جوان تھے۔ ان کے انداز میں سنجیدگی نہیں اچھا نہیں تھا۔ انہوں نے ارد گرد دیکھا تو کئی دھڑ ان کی طرف بڑھے۔ کوئی کرسی لا رہا، کسی نے میز چکری اور ان چاروں کو بٹھا دیا۔

”دیکھو اس بندے کو فور سے۔“ یہ اس علاقے کا چھوٹا موٹا سیاست دان ہے، کسی دور میں کن تھا، آج خدشات پہنچے کا دھندا کرتے ہوئے بد معاشی کرتا ہے۔“ دسم نے میری توجہ اس اویز عمر کی طرف کرواتا۔

”یہ اپنے طور پر اس علاقے کا عزت دار بندہ بھی ہوگا۔“

میں نے ہنسنے لکھے میں کہا تو دسم نے عجیب سے لکھے میں پوچھا۔

”اگر ان کے یہاں دھڑ مارنے ہوں تو میں کوئی پراہم تو نہیں۔“

”بالکل بھی نہیں۔“ میں نے کہا اور لڑکی کا گلاس منہ سے لگا لیا پھر خالی گلاس میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”بیل دے دیا جائے یا۔“

”پہلے بل دینا ہے۔“ اس نے کہا اور دیر کو اشارہ کر دیا۔

”وہاں سے ہی اٹھ کر میں تھا، بھاگتا ہوا آیا۔ دسم نے اسے کچھ بڑے ٹوٹ دے دیے۔ وہ سلام کرتا ہوا چلا گیا۔ دسم نے اٹھ کر اٹھنا لیا اور ان لوگوں کی طرف چل پڑا، جن کے بارے میں اس نے بتایا تھا۔ مجھے صرف اتنی سمجھ گئی کہ وہ ان کے ساتھ ٹوٹا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے ذرا سی بھی جانکاری نہیں تھی۔ میں ایسے لمحات میں پیچھے نہیں ہٹ سکتا تھا۔

میں دسم سے چند قدم پیچھے تھا۔ وہ ان لوگوں کے قریب سے ہو کر اپنی کار کی جانب بڑھا ہوا تھا کہ اچانک ان میں سے ایک نو جوان نے اونچی آواز میں کہا۔

”اوکے دیکھو اوکے۔“ اس دن والا بندہ۔“

یہ اتنا بے ساختہ، پھر میں ان پر جھٹکا کہ سبھی نے دسم کی طرف دیکھا۔ جیسے ہی ان کی نگاہ دسم پر پڑی، وہ تینوں جوان ایک دم سے اٹھ کر بڑے ہی جارحانہ انداز میں دسم کی طرف بڑھے، یوں جیسے اسے مار رہی دیں گے۔ دسم کھڑا ہو گیا، اس نے اپنے آپ کو تیار کیا ہوا تھا، جیسے ہی ایک نو جوان نے اس کے گھونسا مارنا چاہا، اس نے جھکا لیا دی اور دسم کی پسیوں میں کہنی مار دی۔ جب تک میں سر پر پہنچ چکا تھا، میں نے تیرے کو گردن سے پکڑا اور گھما کر کرسیوں کی طرف پھینک دیا۔ ایک دسم نے سنبھال لیا تھا، بلاشبہ دسم ایک زبردست فائٹر تھا، دسم کو میں نے بازو سے پکڑا اور پسیوں پر مٹا مارا، وہ دھرا ہوا گیا، دسم ہاتھ گردن پر مارا، بلاشبہ اسے تارے دکھائی دے گئے ہوں گے۔ اس کی کٹائی میرے ہاتھ میں تھی، میں نے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ کھینچا چلا آیا، میں نے اسے جھکا ڈالا اور زور سے دبا دیا۔ کٹائی میں یہ داؤ بڑا خطرناک ہوتا ہے، اس سے پسیاں ٹوٹ جاتی ہیں، نہیں تو دباؤ پڑنے سے کم از کم سانس رکنا ہے، پھر اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ جان نکلی محسوس ہوتی ہے۔ میں نے اسے زور سے دبا دیا تو وہ بے دم سا ہو گیا، میں نے اسے چھوڑا اور بڑے پھینک دیا۔ دسم پر دونوں جوان اٹھ کر اچھڑ مارنے کی کوشش کر رہے

تھے اور دسم اگلے قدموں پیچھے ہٹ رہا تھا۔ میں انتہائی تیزی سے آگے بڑھا اور ایک کے برابر جا کر پیچھے سے زبردستی تھام لیا۔ تو وہ کھانا ہاں کھاتا ہوا سڑک پر جا کر، دسم کے سامنے اب ایک اکیلا بندہ تھا، وہ رک گیا اور اس نے بھر سامنے والے جوان کی دھننا شروع کر دی، میں ہائی دو کی طرف دیکھتا ہوا، درمیان میں کوئی ایک آدھ جڑ دیتا، اچانک سڑک پر پڑا ہوا جوان اٹھا اور اس نے حملہ کرنا چاہا، لیکن میں اس کے درمیان آ گیا۔ وہ جس طرح اڑتا ہوا آیا تھا، میں نے اس کے سینے پر گھونسا مارا اور وہ وہاں پر دھرا ہوا کہ اگر پھر سیدھا ہی لیٹ گیا۔ تب تک دسم نے کئی سامنے والے کو لٹا دیا۔ کرسیوں کے پاس گرا ہوا جوان ابھی تک نہیں اٹھ سکا تھا۔ ہم دونوں اس کی طرف بڑھے، اس کے چہرے پر شدید کرب تھا۔ تب دسم نے اس اویز عمر شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

”تم انہیں سمجھا نہیں سکتے تھے۔ کیا پچھلا سبق بھول گئے ہو سب؟“

”مجھ سے قسم لے لیں جناب۔“ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی یہ تم لوگوں پر دھنوں کی طرح چھپ بڑھے۔ میں جا میں سرکار میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، آپ کو دیکھ ہی رہے تھے۔“ اس نے منونیت والی مسکین صورت بنا کر کہا۔

دسم نے رعب سے کہا۔

”اب دھیان رکھنا، جو تم سے کہا ہے، وہ کر دینا، سمجھے تم؟“

”جی سمجھ گیا سرکار۔“ اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ دسم اپنی کار کی طرف بڑھ گیا، میں اس کے ساتھ سیٹ پر بیٹھا تو اس نے کار بڑھا دی۔ بڑی سڑک تک پہنچنے سے پہلے ہی میں نے پوچھا۔

”کیا معاملہ تھا؟“

”اسے تھوڑا یاد دلانا تھا، ولا دیا۔“ اس نے اختصار سے جواب دیا، پھر ایک دم سے خوش کن لکھے میں بولا۔ ”اچھا لڑ لیتے ہو تم۔“

”میں جی اب آپ سے سیکھتا ہے۔“ میں نے انکساری سے کہا تو اس نے ایک قہقہہ لگا دیا، پھر خوشگوار لکھے میں پوچھا۔

”اچھا کبھی عشق کی ہے؟“

”نہیں، کہتے ہیں عشق کیا نہیں جاتا ہو جاتا ہے، جب ہو جائے گا تو دیکھیں گے۔“ میں نے نرم سے لکھے میں جواب دیا۔

”کسی سے محبت۔۔۔۔۔؟“ اس نے پوچھا۔

”میں تو نہیں کرتا لیکن کوئی مجھ سے کرتی ہے۔“ میں نے بتایا۔

کہہ سکتے ہوئے ان نے جب سے ایک پرچہ لکھا اور مجھے
توایا جب میں نے اس کا تذکرہ کر دیا، اس کاغذ پر

ایک روز یہاں قحطی میں کئی قدیم و جدید آلات تھے۔ کچھ لوگ اپنے طور پر ورزش کر رہے تھے۔ میں تھوڑا سا آگے آجاتا تو ایک طرف سے ایک لڑکی سامنے آگئی۔ درمیانہ ساق، گونا گونا سینہ و مدارنگ، سیاہ نئے ٹنگریا لے پال، جسے اس نے نی میں باندھے ہوئے تھے۔ کمر چہرہ، لبو کھینچتے لب، مولی نکھیں، چھوٹی سی ناک، شفاف کمر، مختصر سی سیلو لیس برے لی ٹرٹ، جس سے لگتا تھا کہ ابھی لی ٹرٹ بچہ بنے گی۔ لی ٹرٹ اور سیاہ ٹراؤز کے درمیان تھوڑا سا فرق پاؤں میں جکے جا کر تھے، میں نے ایک نگاہ میں اس کا مزہ لے لیا۔ وہ بالکل میرے سامنے آکھڑی ہوئی۔ میں نے اور وہیم کی طرف دیکھا، وہیم کے چہرے پر ناگواری تھی۔ علی مسکرا رہا تھا۔ اس لڑکی نے علی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
”نیا کپڑا ہے کیا؟“

قریباً آدھے گھنٹے بعد ہم سیاہ کار میں کھل رہے تھے۔
 علی بھی ہمارے ساتھ تھا۔ وسم ڈرائیونگ کر رہا تھا اور
 اس کے ساتھ جبکہ علی پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ ہم مختلف سڑکوں
 پر گئے ہوتے نہر کنارے آئے، تھوڑا سا آگے جا کر پہلے

صرف دو سالوں کا لڑکا اپنی چالیسی سوڑا سائیکل سے جا رہا تھا۔ وہ
ہر کے ساتھ ساتھ بڑے سکون سے جا رہا تھا اور ہم اس کے
چھپے تھے۔ اگرچہ ان دونوں نے مجھے کوئی بات نہیں بتائی تھی
میں صرف میرا اپنا مشاہدہ تھا۔ مڑک ٹنڈا کے لکے کھیل پر لگے
پیلے بلیوں کی گودوں کے بڑھتے ہوئے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

یہاں تک کہ جب کسی حد تک ہو گیا تو دسم کے کار
ہو اس موٹر سائیکل والے کے ساتھ جڑی کر کے سوک کے
کنارے تک چلا پڑا، یہاں تک کہ وہ وارم کر کے رک گیا۔
اسی لمحے دسم نے بیک لگا دیے۔ وہ سالو لڑکا چوڑے کے
قاسلے پر رکھا ہوا تھا۔ علی پہلے ورداز سے سے نکل کر اس کی
طرف بڑھا۔ میں بھی باہر نکل آیا۔

”اے جیسے موٹر سائیکل نہیں چلاتا آتی۔“ علی نے اونچی
آواز میں پوچھا تو وہ لڑکا اچانک ہلے میں بولا۔
”اچھا نہیں آتی موٹر سائیکل چلاتا۔“ کار آپ مجھ میں
بار ہے تھے۔ ابھی مجھے کچلے لگے تھے۔“

”اگر دیر میں علی اس کے پاس جا پہنچا تھا۔ اس نے جاتے
ہی ایک تھپڑ اس لڑکے کو دے مارا۔ وہ ڈول گیا۔ اس کی موٹر
سائیکل گر گئی تو علی نے اسے اپنی طرف کھینچا، پھر دوسرا تھپڑ
مارتے ہوئے بولا۔

”بدتمیزی کرتا ہے۔“
”قصور تم لوگوں۔“ اس نے کہنا چاہا تو اتنی دیر میں دسم
کار پیچھے لے آیا، علی نے اسے ہار دے پکڑا اور گیت کھول کر
پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر دیا پھر خود پیچھے ہوئے بولا۔

”اسد..... جلدی بیٹھ۔“
میرے بیٹھے ہی کار چل پڑی۔
”کون لوگ ہو تم؟ مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟“ اس
لڑکے نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

”ہم تمہارے پھوپھو پکڑ لیتے ہیں اور تمہاری پھوپھی کے گھر
لے کر جا رہے ہیں۔ اب اطمینان ہے؟“ دسم نے بیک مرز
میں دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ سننے ہی وہ لڑکوں پھٹی پھٹی چٹنی لگا ہوں سے سب کو دیکھنے
لگا جیسے پاگل ہو گیا ہو، چند لمحے اس کی بچی کیفیت رہی۔ پھر وہ
نازل ہوتا گیا۔ ایک موٹر پر جب کار تھوڑا آہستہ ہوئی تو اس نے
اچانک دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ لاک تھا، پھر اس
نے تیزی سے شیشہ کھولنے کی کوشش کی تو وہ بھی نہیں کھلا۔

”بچے کیا کرنا چاہتا ہے، مجھے بتاؤ۔“ علی نے اس کے
کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔
”مجھے چھوڑ دو۔“ مجھے جانے دو۔“ اس نے لرزتی ہوئی
آواز میں کہا۔

”یاد رہے مجھے رکھ کر چار تھوڑی ڈالنا ہے، کہیں سکون
والی جگہ پر اطمینان سے بیٹھے ہیں، تھوڑی گھٹ کر میں
گئے۔ جائے وغیرہ نہیں گئے، پھر تم جہاں کہو گے وہیں چھوڑ
دیں گے۔“ علی نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

”پاگل بھی نہیں ہاں۔“ کیوں پریشان ہو رہا ہے۔
یاد رہی ہائی رکھو گے تو ہمیں بھی اپنا دوست ہی سمجھ کر
ہمیں پسند نہیں۔ کوئی بات اگر تم نہیں بتانا چاہتے تو صاف
دینا۔“ علی نے اسے اطمینان دلانے کے لیے پھر سکون دینے
میں کہا تو وہ تھوڑا اعتماد سے بولا۔

”میری موٹر سائیکل۔“
”نئی نہیں دیں۔“ وہ نہ سمجھ سکی نہ کسی تھا لے سے
جائے گی۔“ علی نے یوں کہا جسے اس کی تم ہوئی تھی یا لالہ
پوپ کے ہارے میں بات ہو رہی ہو۔ وہ لڑکا خاموش ہو گیا۔
علی نے اس کا ہیک پکڑا اور میری طرف بڑھا دیا، جب مجھے
چلا کہ اس ہیک میں لیپ ٹاپ ہے۔ ہمارے درمیان خاموشی
چھا گئی۔ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہم اس عمارت کے قریب
تھپتھپے والے ہیں، جب علی نے سیٹ پر رکھا ہوا پکڑا لڑکا اور اس
کی آنکھوں پر ہاندہ دیا۔ دسم نے کچھ منٹیں گھما پکڑا کر
پورچ میں لاکھ کھڑی کر دی۔ پھر اسے نکال کر میں اور علی ایک
گھر میں آگئے۔ دسم کہیں پیچھے رہ گیا۔

گھر میں چار کرسیاں اور ایک میز تھی۔ وہاں دسم کی
روشنی تھی۔ وہ سالو لڑکا اچانک مضطرب سا سر جھکائے بیٹھا
تھا۔ کچھ دیر تک علی اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے پوچھا۔
”ادا کارہ روزی کی ویڈیو کہاں ہیں؟“

”میرے لیپ ٹاپ میں۔“ اس نے سکون سے کہا۔
”کیوں بتا رہے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”میں نہیں بتا رہا، میں تو انہیں اپنی سرورس دے رہا
ہوں۔“ اس نے ہولے سے کہا۔

”چلو مان لیا، مگر یہ سرورس کیوں دے رہے ہو؟“ اس نے
پوچھا۔
”پیسے کی خاطر..... مجھے پڑھنا ہے، میرے اتنے وسائل
نہیں کہ میں سکون سے پڑھ سکوں۔ یہ کام میں پارٹ ٹائم
جواب سمجھ کر کرتا ہوں۔“ اس نے اعتماد سے کہا تو علی نے
پوچھا۔

”تم جانتے ہو کہ یہ ایک ویڈیو کسی کی زندگی تباہ کر سکتی
ہے؟“
”میں نہیں جانتی، میں تو صرف اتنا جانتا ہوں، میری جو
زندگی تباہ ہو رہی ہے، اس کا کون ذمے دار ہے؟“ اس نے کہا
تو اس کے لہجے میں دہی دہی نفرت تھی۔ تبھی علی نے حیرت
سے پوچھا۔

”کسی کی زندگی تباہ کر کے تم اپنی زندگی بنانا چاہتے ہو؟“
اس نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

اس نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

اس نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔

”محترم۔“ ہاں اگلے ہی بحث ہے۔ پہلا سوال تو یہ بنا
کہ جو لوگ اپنی مہاشی کے لیے یہ سب کرتے ہیں، وہ کیوں
کرتے ہیں، کیا اس پر کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا؟ اگر وہ ایسا
کرس ہی نہیں تو ویڈیو کی نہ سننے۔ وہ پیسے کے لئے میں مہاشی
کرس میں اور میں اپنی ہٹا کے لیے لڑوں، فرق تو ہے نا۔“ اس
نے احتجاجی لہجے میں کہا۔ علی نے دے دے پیسے میں پوچھا۔
”اچھا یہ جذباتی مہاشن دینا بند کر دو۔ یہ بتاؤ کون ہے تم
کر رہا ہے؟“

”اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ میرے پاس ویڈیو ہیں، کن
کی ہیں تو آپ کو بتا ہوتا چاہیے کہ یہ کون ہوا رہا ہے۔“
”نام بتاؤ۔“ اس نے پھینکارتے ہوئے کہا۔
”ناجیڈ۔“ اس نے ہولے سے کہا۔

”سب سے کام کر رہے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”یہی کوئی چرما ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے۔“ ہمیں ایک دو دن ہمارے پاس رہنا ہوگا۔
کرٹیک سے رہو گے اور ہم سے تعاون کرو گے تو سکون میں
ہو گے ورنہ.....“ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ میرے پاس ویڈیو ہیں، کن
کی ہیں تو آپ کو بتا ہوتا چاہیے کہ یہ کون ہوا رہا ہے۔“
”نام بتاؤ۔“ اس نے پھینکارتے ہوئے کہا۔
”ناجیڈ۔“ اس نے ہولے سے کہا۔

”سب سے کام کر رہے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”یہی کوئی چرما ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے۔“ ہمیں ایک دو دن ہمارے پاس رہنا ہوگا۔
کرٹیک سے رہو گے اور ہم سے تعاون کرو گے تو سکون میں
ہو گے ورنہ.....“ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ میرے پاس ویڈیو ہیں، کن
کی ہیں تو آپ کو بتا ہوتا چاہیے کہ یہ کون ہوا رہا ہے۔“
”نام بتاؤ۔“ اس نے پھینکارتے ہوئے کہا۔
”ناجیڈ۔“ اس نے ہولے سے کہا۔

”سب سے کام کر رہے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”یہی کوئی چرما ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے۔“ ہمیں ایک دو دن ہمارے پاس رہنا ہوگا۔
کرٹیک سے رہو گے اور ہم سے تعاون کرو گے تو سکون میں
ہو گے ورنہ.....“ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

”اگر آپ کو یہ معلوم ہے کہ میرے پاس ویڈیو ہیں، کن
کی ہیں تو آپ کو بتا ہوتا چاہیے کہ یہ کون ہوا رہا ہے۔“
”نام بتاؤ۔“ اس نے پھینکارتے ہوئے کہا۔
”ناجیڈ۔“ اس نے ہولے سے کہا۔

”سب سے کام کر رہے ہو؟“ اس نے پوچھا۔
”یہی کوئی چرما ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
”ٹھیک ہے۔“ ہمیں ایک دو دن ہمارے پاس رہنا ہوگا۔
کرٹیک سے رہو گے اور ہم سے تعاون کرو گے تو سکون میں
ہو گے ورنہ.....“ اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔

الہامیوں لیا اور اسے ساتھ میں چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ سالو
لڑکا اٹھا اور ان کے ساتھ چل پڑا۔ ہم گھر سے آئے۔
میں اپنے کمرے میں آ گیا اور..... ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔
میں اپنے دماغ سے اس سالو لڑکے کو اتارنا چاہتا تھا۔
نہیں وہ ٹھیک کبہا تھا یا لالہ؟ وہ کس طرح بنا رہا تھا تو کسی کی
بنائی؟ وہ صرف ایک اداکار تک ہی محدود ہے یا حد ہی؟
اس کا پھیلاؤ کس قدر ہو سکتا ہے؟ ایسے ہی بے شمار سوال
میرے دماغ میں آتے چلے جا رہے تھے۔ میں انہیں سوچتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

”سوئٹنگ پول پر جائیں اور نہا کر سو جائیں۔“
اتنا ہی کہا گیا اور اس کے ساتھ ہی لڑکے جان ہو گئی۔
میری مرضی پوچھی ہی نہیں کہ میں سوئٹنگ پول پر جاؤں گا، چاہتا
توں چاہتا تھا اس لیے کرسی پر بیٹھ کر خود کو محسوس کرنا چاہتا
تھا۔ رات کے دوسرے پہر کرسی سے بات کرنے کی ایک
عادت سی تھی لیکن دو تین ہفتوں سے میں نے اس سے بات
کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پتا نہیں خان کا لاشوری فیس اس پر اتار دیا
تھا یا پھر مجھے فری کاروتیہ پہنا نہیں لگا تھا۔ کچھ ایسا کیا تھا، یہ سمجھ
میں نہیں آ رہا تھا۔ فون کی تیل لے لیجئے چو کا یاد۔ سائڈ ٹیبل پر
پڑا ہوا فون بگڑا تھا، میں الہامی ریور الہامی، دوسری طرف
سے مشینی اعما میں کہا گیا۔

اگست 2024 کا شمار ایک نظر میں

خواہش اور کہانیاں کا مجموعہ

سپیشل سیکشن

مزید

خلیل الرحمن

میرزا مجید بیگ کی لیلیا لون گھر

صحرا میں پھول

بے سبب اور بے جوڑ محبتوں کے خواب دیکھنے والی دو شیراز کی
حسرتوں اور دلگداز احساسات پر مشتمل ایک دردناک داستان.....

بلال اسلم کے قلم کا شاہکار

عشق تمام

ماضی کا آئینہ، باختیار اور بے اختیار انسانوں کے سبق آموز
اور عبرت آمیز واقعات **ذویا صفوان** کے قلم کی روانی

شہ زور

عشق و محبت کے سحر انگیز جذبوں کی جنوں خیزی، لطیف رشتوں اور
کثیف سازشوں کے حال **اسما قادری** کے قلم کا کمال

جنگ باز

معاشرتی ناسوروں اور دہندوں کی خوں ریز سازشوں
اور زخم زخم ہونے والے ایک جنگ باز کی دلہندہ داستان

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی کے قلم کی جادوگری

صائمہ دانش، عاطر شاہین، محمد شاہ زین رضوان،
عیقوب بخاری، عائشہ نصیر ودیگر کی خوب صورت تحریریں

103

ہوں یا نہیں۔ اب چھوٹا کیا تھا اس لیے جانتا تھا۔ میں نے الماری سے شارکس نکالا، ایک تولیا لیا اور سوئچ پول کی جانب چل پڑا۔

میں راہداری سے ہوتا ہوا پول پر جا پہنچا۔ وہاں بہت دھبی روشنی تھی جس میں پانی بکھوڑے لے رہا تھا۔ میں نے کپڑے بدل کر شاور لیا اور پول میں داخل ہو گیا۔ پانی بہت خوشگوار تھا۔ میں نے ایک ڈبی لگا لی اور پھر جیسے ہی سر اٹھایا، کوئی اوپر سے پانی میں کودا تھا، پانی میں گرنے کا شور بلند ہوا اور پھر خاموشی چھانے لگی۔ میں ابھی اسے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک میرے سامنے پانی میں سے سر اُبھر ادا اور پانی کے اندر ہی سے مجھے پیچھے دھکیل دیا گیا، میں اس حملے کی توقع نہیں کر رہا تھا، اس لیے پیچھے ہو گیا، پانی میں ہونے کی وجہ سے کہیں پاؤں تو لکے نہیں تھے، میں ابھی خود کو سنبال ہی رہا تھا کہ ایک ہاتھ میری گردن پر پڑا، درد کی شدت میرے پورے بدن میں پھیل گئی۔

اگلے ہی لمحے مجھے منہ پر گھونپا پڑا، میں نے اچانک اٹا دے بیٹھنے کے لیے ڈبی لگا لی تو میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دبا یا جانے لگا۔ میں نے ایک دم سے اپنے سر پر موجود ہاتھ کو پکڑا اور زور لگا کر باہر نکلا۔ دوسرے ہاتھ سے سامنے والے وجود کو دھکیلتا چاہا تو مجھے حیرت کا جھٹکا لگا، وہ کوئی عورت تھی۔ میرا ہاتھ اس کے سینے پر پڑا تھا، میں نے سر نکال کر لمبا سانس لیا، میرے ہاتھ میں اس کی کلائی تھی، میں نے وہ زور سے مروڑ دی۔ وہ پانی ہی میں گھوم گئی۔ اور اس نے میری ٹانگوں کو پکڑنا چاہا لیکن نہ پکڑ سکی اور نہ اپنی کلائی چھڑوا سکی، جیسا سانس لینے کے لیے اس نے سر اٹھایا تو میں نے دیکھا، میرے سامنے روٹی تھی۔ مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ اس کا منہ میں بچھ رہا تھا، میں نے اسے تھوڑا سبق دینے کا سوچا اور کلائی موڑ دی، وہ دھری ہو کر رہ گئی۔ اس نے اپنی کلائی نہیں چھڑوائی بلکہ آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ میری گردن میں ڈال کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس کے وجود کے احساس نے مجھ پر جھرجھری طاری کی تو اس نے ایک دم سے اپنی کلائی چھڑائی۔ وہ اپنے عورت پن کا دار کر گئی تھی۔ اس نے میری گردن پر دباؤ بڑھایا اور مجھے غوطہ دے دیا۔ میں پانی میں گیا تو اس نے پھر میرا سر دبا دیا۔ میرا سانس دینے لگا تھا اور میں نے لاشعوری طور پر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارے۔ میں ایک طرف ہو کر پانی میں سے نکلا اور گہرا سانس لیا۔ تب تک وہ مجھے پھر سے چپ کر دی۔

اس بار مجھے شدید غصہ آیا۔ میں نے غور کیا کہ کبھی کبھار سا پیچھے ہوتے ہوئے خود کو اس سے چھڑا کر لکڑی کا دھڑی سے پیچھا چھڑا جاتا ہے تو اس کے پیچھے ہٹنے پر اسے جاتے ہیں، گردن کو جھکا دیا جاتا ہے، وہ کلائی بلاشبہ اس کے سینے پر لگے۔ وہ پیچھے ہٹ کر پھر مجھ پر اس وقت تک میں سنبھل چکا تھا۔ اب مجھے صرف اپنا زور ہی نہیں کرنا تھا، اس سے جان بھی چھڑانا تھی۔ میں مزید قہقہے چلا گیا۔ وہ بھی سمجھی کہ میں پول سے باہر جانے ہوں۔ اس نے شدت سے مجھے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھائے تو میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور بال پکڑ کر اسے غوطے دے کر پانی میں نیچے کی طرف لے گیا۔ وہ پہلے سے پھر تڑپنے لگی۔ میرا جب اپنا سانس اکھڑنے لگا تو میں اور آگیا، اسے چھوڑا اور پول سے باہر کنارے پر جا کر تھک سانس لینے لگا، وہ ابھری اور ایک طرف تیرنے لگی اور کنارے پر جا کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگی۔ بہت مشکل سے وہ کنارے پر چڑھ کر وہیں لیٹ گئی۔

میں نے چند لمحے سوچا کہ اس کے قریب جاؤں یا نہیں، کیونکہ وہ بے حس و حرکت تھی، مجھے اندیشہ تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہوگی۔ لیکن اسی جھجک کی وجہ سے قریب نہیں جا رہا تھا کہ وہ کھٹکتی پینے ہوئے ہے۔ میں نے دو تین منٹ دیکھا۔ اتنے میں میرا سانس بحال ہو چکا تھا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ میرے در پے کیوں ہو گئی ہے۔ میری اس سے کیا دشمنی جو وہ میرے لیے عذاب بن گئی تھی۔ یہی سوچتے ہوئے میں پول سے باہر نکلا اور اس کے پاس جا پہنچا، وہ بے حس و حرکت پڑی ہوئی تھی۔ مجھے ایک دم سے تشویش ہوئی، میں نے اپنا ہاتھ اس کی ناک کے قریب لے جا کر اس کی سانس دیکھی، وہ زندہ تھی۔ میں نے اسے ہوش میں لانے اور پانی نکالنے کے لیے اٹانا چاہا تو وہ ایک دم سے اٹھی اور دونوں ہاتھ میرے سینے پر مارے۔ میں اٹھ کر دوڑ جا کر گہرا، وہ انتہائی پھرتی سے اٹھی اور مجھ پر آن پڑی۔ اس نے میری گردن اور جڑے کے درمیان گھونسا مارا۔ میں اس کا وار سہہ گیا، لیکن جیسے ہی اس نے دوسرا گھونسا مارنے کی کوشش کی میں نے اسے ٹانگوں پر اٹھایا اور دوڑ چھینک دیا۔ میں تیزی سے اٹھ گیا۔ اس نے بھی اٹھنے میں اتنا ہی وقت لگایا۔ وہ میرے سامنے تن کر کھڑی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک تربیت یافتہ فائز تھی۔ وہ ایک قدم آگے بڑھی، میرا خیال تھا کہ وہ گھونسا یا

چھڑا رہے گی لیکن اگلے ہی لمحے اس نے اپنی ایک ٹانگ تھمائی اور میرے سینے پر مار دی۔ میں اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور گر کر گیا۔ میں ابھی سنبھل ہی نہ تھا کہ اس کا دوسرا چھڑ میرے سینے پر لگا، میں غرض پر گر کر گیا۔ وہ اپنی اچھلتی ہوئی آنی اور میرے اوپر گر گئی۔ ایک دم سے مجھے جوں لگا جیسے میرا سانس ہی بند ہو جائے گا، میں نے اسے دھکیلنا شروع کیا۔ پکڑا اور خود سے الگ کرنا چاہا اس نے میری آنکھوں میں ہاتھ ڈال کر میرا بازو اوپر کیا اور مجھ پر پینے لیس میرے بازو کو جھکا دیا۔ مجھے ایک دم سے احساس ہوا کہ یہ میرا بازو نکال دے گی۔ تھمی لاشعوری طور پر میں نے اس کی کلائی پکڑ لی اور زوردار جھکا دیا، یہ بڑا خطرناک واقعہ تھا، اس کے منہ سے تھج بلند ہوئی اور ساتھ ہی اس کا بدن ڈھیلا پڑا، میں نے اسی لمحے سے قانہ اٹھایا اور لٹھ کر اس کی پہلی میں گھونسا مارا، پھر اس کی ٹانگ پکڑ لی اور رکھا کر پانی میں پھینک دیا۔ وہ ایک دم سے نیچے گئی، اگلے دو تین لمحوں کے بعد وہ اوپر آئی، پھر دوسرے کنارے کی طرف بڑھی۔ میں اب پانی میں جانے کی بے وقوفی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ کنارے پر چڑھی اور اسی سمت بھاگ کر ہال سے باہر نکل گئی۔ میں نے ایک طویل سانس لیا۔

میں اپنی چونٹوں کو جھلاتا ہوں کرے میں آگیا۔ مجھے بہت دکھ تھا کہ اس نے پہلے تو مجھے دھوکے سے وہاں بلایا اور پھر بلا وجہ میرے ساتھ لڑنا شروع کر دیا، اب پتا نہیں اس کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے۔ میں رات گئے تک یہی سوچتا رہا، پھر نجانے کب سو گیا۔

☆☆☆

میں تیار ہو کر ناشتے کے لیے ہال میں پہنچا تو وہیم۔۔۔ اور علی ایک میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک گورا چٹا جوان بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے منہ میں نقش تھیمے تھے، وہ بھی بکلی شیو بڑھی ہوئی، لیے بال اور چوڑا سینہ تھا۔ میں جب وہاں جا کر بیٹھا تو اس کا تعارف ہوا، وہ فہد تھا۔ آئی ٹی میں بیٹنگ اور ڈیٹا کا ماہر۔ وہ ناشتا کر کے بیٹھے کب شپ کر رہے تھے۔ میں اپنا ناشتا لینے چلا گیا۔ وہاں آیا تو فہد جا چکا تھا۔ میں ان کے قریب بیٹھے ہوئے بولا۔

”یادرات میں بُرا پھنسا۔“
”کہاں پھنس گئے؟“ وہیم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
تو میں نے ساری زبودا سنائی۔ علی بڑے غور سے سن رہا، ساتھ میں مسکرا بھی رہا جبکہ وہیم کے چہرے پر گہری تنجید تھی۔ میں کہہ چکا تو علی بڑے سکون سے بولا۔

”مطلب آفریں، وہی جال گئی۔“
”میرا خیال ہے میں نے بھی تالا ہے۔“ میں نے آکٹا ہٹ سے کہا۔
”یار ایسا نہیں ہونا چاہیے۔“ وہیم نے گہری تنجید کی۔
کہا تو علی ایک دم سے فہد کا کمرس دیا اور بولا۔
”اوئے۔۔۔ نہ کر آئی اور الٹا ہی مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔“
”مطلب۔۔۔ یہ وہیم بھی اس کے ساتھ شامل تھا؟“
میں نے جھٹ سے پوچھا۔ تو وہ اطمینان سے بولا۔
”نہیں نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ فہد میں جالنا جا رہا تھا کہ تم کتنے پانی میں ہولے ہوئے تھے۔ یہ وہیم کو بھی پتا ہے، یوکی تنجید بنا بیٹھا ہے، مجھے اس پر فنی آ رہی ہے۔“
”تم دونوں میرا مذاق اڑا رہے ہو۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہیم جلدی سے بولا۔

”اسد یار تم ناشتا کرو۔ یہاں ایسے ڈرامے چلتے رہیں گے۔“ وہیم نے کہا۔
میں خاموشی سے ناشتا کرتا رہا اور علی مجھے وہاں کی باتیں بتاتا رہا کہ کس طرح یہاں لوگوں کو ڈالایا جاتا ہے۔
یوکی ہم کچھ دیر مزید بیٹھے رہے۔ میں ناشتا کر چکا تھا، ہم تینوں لاؤنج میں آگئے۔ وہاں سے چلتے ہوئے ہم پورج میں آئے تو ایک سفید کار وہاں آرکی، اس میں سے ایک لمبے قد کا ادیز عمر شخص باہر آیا، اس نے سیاہ سوٹ پر اٹلی ٹیلی شرٹ اور گہرے سرخ رنگ کی چیک دار ٹائی بانڈی ہوئی تھی۔ اس کی پر سنائی بہت زبردست تھی۔ جیسے ہی وہ قریب آیا، علی اور وہیم نے اسے بڑے ادب سے سلام کیا، میں نے بھی کر دیا۔ اس نے ہم تینوں کی طرف دیکھا اور ماتے پر تیوریاں ڈالتے ہوئے بولا۔
”میرے آفس میں آؤ۔“

”اوکے سر۔“ علی نے کہا اور اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا۔
”یہ ایسا صاحب ہیں، یہاں کے انچارج۔۔۔ بہت پیارے انسان ہیں، ایک تجربہ کار ماہر انسان۔“ وہیم نے تعارف کرایا۔

وہ ایک شاندار آفس تھا۔ ہم تینوں اُن کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔
”بیٹھو۔۔۔“ انہوں نے سامنے پڑی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، ہم بیٹھے گئے تو وہ بولے۔ ”ایک تھائی یابری۔۔۔ آج صبح لندن کی ٹلائٹ سے شہر میں آیا ہے۔“

اطلاع ہے کہ وہ رات تک وہاں چلا جائے گا یا پھر کسی دوسرے خیمہ میں منتقل ہوگا۔ اسے ہول کی گاڑی لینے آئی تھی لیکن وہ ہول نہیں پہنچا، ڈرائیور کا یہ کہنا ہے اس نے اپنا سامان اسے دے دیا اور خود راستے میں اتر گیا کہ میں دو تین گھنٹے بعد ہول آ جاؤں گا۔ وہ کہاں ہے؟ اب تک یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ اسے کسی نہ کسی طرح شام سے پہلے پکڑنا ہے۔

”اس کے بارے میں مزید کوئی افکار مشن؟“ علی نے پوچھا۔
”جی ہاں سی ڈی وی کیسرے سے لی ہوئی تصویر ہے۔“ انہوں نے اپنا سیل فون کھول کر اس میں سے تصویر سامنے کر دی۔ ہم تینوں نے دیکھی تو وہ بولے۔ ”ڈرائیور کے مطابق، یہ مال روڈ سے پہلے ہی اترتا ہے۔ چونکہ ایسا پہلے کسی نہیں ہوا تھا، اس نے بیک مرد میں دیکھا، وہ ایک رکشے میں بیٹھ رہا تھا، پھر کہاں گیا، کیا پتا نہیں۔ تصویر میں ہمیں بھیج دیتا ہوں۔“

”ٹھیک ہے سر۔۔۔“ علی نے کہا اور اٹھ گیا۔ ہم اس کے پیچھے ہی آگئے۔ علی نے کل آئے اور اس جگہ کا رخ کیا جہاں سے اس نے رکشا لیا تھا۔

وہ ایک مصروف چوک تھا، جس کے چاروں طرف گلیاں آباد تھیں۔ وہاں ہول بھی تھے، مختلف ریسٹوران اور دیگر دفاتر بھی تھے۔ دسم نے کار سڑک کنارے کھڑی کی اور اتر گیا۔ ہم بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ سیدھا چلتا ہوا، اس طرف بڑھا۔ جہاں کافی رکشے کھڑے تھے۔ وہاں قریب ہی ایک کھڑی کی بیچ پر موٹا سا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جیسے ہی دسم کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شامسائی ابھری۔ وہ اس کے ساتھ بیچ پر بیٹھا، ہم ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ اس نے اپنا فون کھولا تو اس میں تصویر ابھی تھی۔ اس دوران وہ مونس نے شخص سے حال احوال پوچھا رہا، جیسے ہی تصویر سامنے آئی تو وہ اسے دکھاتے ہوئے بولا۔

”یہ بندہ یہاں سے رکشے میں کہیں گیا ہے۔ کہاں گیا ہے؟“ اس نے ایک لگا غور سے تصویر کو دیکھا، پھر سوچے ہوئے بولا۔

”ہاں۔۔۔ کیا تو ہے۔“
”کہاں گیا، یہ پتا کرتا ہے؟“ دسم نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”اے۔۔۔ پتا نہیں ہے۔“

”وہ بیٹا۔“ رکشے والے نے پیچھے ایک پاس کو کھنکھاتے ہوئے توجہ ان کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ایک کھنکھاتے ہوئے بیٹا جانے لگا رہا تھا۔
”اے۔۔۔“ مونس نے شخص سے کہا تو وہ اسے اپنی جگہ پر مٹا دیا۔ بعد ہی پچھانی نام کا وہ توجہ ان سے سامنے تھا۔

”اے کہاں چھوڑا تھا؟“ دسم نے اُسے قصور و کوتاہی سے اس نے سوچے ہوئے کہا پھر تفصیل بتادی۔
”وہ مین روڈ سے کسی چھوٹی سڑک پر چھوڑا تھا۔“

”اے کے چلو ہاں پر۔“ مونس نے شخص سے کہا۔
”چلو جی۔“ وہ خود اپنی تیار ہو گیا۔ میں اور دسم اس کے ساتھ بیٹھ گئے، علی کار کی طرف بڑھ گیا۔
ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں پر پچھانی نے اس منظر بندے کو چھوڑا تھا۔

”ہم نیچے اتر آئے۔ اس نے رکشا آگے بڑھا دیا۔ مین روڈ سے آنے والی ایک ڈبلی سڑک تھی۔ جس پر تھوڑے تھوڑے قافلے پر دائیں بائیں گلیاں تھیں۔ کچھ گلیاں آباد تھیں۔ دونوں طرف دکانیں ہی دکانیں تھیں۔ وہ مین روڈ چاروں طرف دیکھا اور پھر مجھ سے بولا۔

”یہاں دیکھو۔۔۔ کہیں سی ڈی وی کیسر اٹکا ہو۔“

”اس کا کیا آئیڈیا ہو سکتا ہے۔“ میں نے کہا تو اسے میں علی بھی آگیا۔ اس نے کار ایک جگہ پارک کی اور ہمارے پاس آگیا۔ وہ بھی ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر بالکل سامنے والی دکان میں داخل ہو گیا۔ گاؤنٹر پر بیٹھے کسی بندے سے بات کرنے کے بعد اس نے ہمیں اشارہ کیا۔ ہم بھی پیچھے گئے۔ وہ گاؤنٹر پر بیٹھا ہوا لڑکا سامنے رکھی اسکرین پر دیکھ رہا تھا۔ وہ سی ڈی وی ریکارڈنگ کو پیچھے کر کے دیکھ رہا تھا۔ تقریباً سات منٹ بعد ایک جگہ روک کر پوچھا۔

”یہ ریکشا اور یہ بندہ۔۔۔“

”ہاں بالکل سہی۔۔۔ دیکھو یہاں جاتا ہے۔“ علی نے کہا تو اس نے ریکارڈنگ چلا دی۔ وہ منٹوں کو بندہ فون کرنے لگا۔ تقریباً آدھا منٹ فون کے بعد اس نے فون بند کیا، ایک چھوٹا سا بیگ نکالا، رکشے والے کو پیسے دیے، آگے بڑھا تو بالکل سامنے کی گلی سے ایک بندہ تیزی سے آیا، اس سے بغل گیر ہوا، اور اسے ساتھ لے کر گلی میں پلٹ گیا۔ ”کون ہے یہ بندہ؟“

”یہ قبر بھائی ہیں، اسی گلی میں رہتے ہیں۔“ لڑکے نے بتایا۔

”اے۔۔۔ کہاں ہے ان کا گھر؟“ علی نے جلدی سے پوچھا۔

”جی سامنے والی گلی میں دائیں جانب تیسرا گھر ہے۔“ اس لڑکے نے بتایا تو علی اس کا کھڑا ہوا۔ لڑکا، جبکہ دسم میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کی جانب لپک گیا۔ ہم بھی علی دکان سے باہر نکلا، میں اور دسم اس گلی میں گھس گئے۔ تھوڑی دیر میں جانب والا تیسرا مکان تین منزلہ تھا۔ وہی پرانا طرز تعمیر تھا۔ اس علاقے میں عام تھا۔ گلی کا بڑا سا دروازہ تھا جس سے گونے پر تیل گئی ہوئی تھی۔ دسم نے دو تیل دبا دی۔

تقریباً دو منٹ بعد ایک نو جوان سا لڑکا باہر نکلا، اس نے نظر والا چہرہ لگا دیا تھا۔ اس نے دسم کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا تو اس نے کہا۔

”قمر صاحب کو کچھ بوجھ۔“

”وہ تو نہیں ہیں۔“ اس نے عام سے لہجے میں بتایا۔
”کہاں ہیں، ابھی تو۔“ وہ کہتے کہتے رک گیا۔
”جی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک مہمان کے ساتھ گئے۔“ اس نے بتایا تو دسم نے پوچھا۔

”جی ہاں، کہاں گئے؟“

”جی نہیں معلوم۔“ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”قمر صاحب آپ کے کیا گتے ہیں؟“ دسم نے پوچھا۔
”میرے پاپا ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”اچھا ان کا نمبر دو، مجھے ان سے فوری ملنا ہے۔“ دسم نے کہا۔

”آپ کون ہیں؟“ اس نے چہرہ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

”میں اُن کا جاننے والا ہوں، مجھے جی اُن کے مہمان سے ملنا ہے۔“ اس نے فوری کہا تو لڑکے نے منٹوں کو لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تو پھر آپ کے پاس اُن کا نمبر ہونا چاہیے۔“
”نہیں ہے نا یار۔۔۔ اچھا انہیں کال کر کے میرا بتا دو۔“ دسم نے اکتاہٹ سے کہا۔

”اچھا ایک منٹ۔۔۔“ یہ کہہ کر وہ اندر جانے لگا تو علی نے اسے روک لیا، اس کا بازو پکڑ کر بولا۔

”نہیں چھوٹے۔۔۔ ایسے نہیں۔۔۔ ادھر باہر آؤ اور اندر اپنے باپ کو آواز دو۔۔۔ جلدی۔“

علی کے یوں بازو پکڑنے پر وہ لڑکا ایک دم سے گھبرا گیا۔ اس نے خوف زدہ آواز میں پوچھا۔

”کیا تم کو پتا ہے؟“
”سب کچھ میں نے سنا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔
”اے۔۔۔“ دسم نے اسے دیکھا تو اس نے لڑکے سے کہا۔
”جی ہاں، ایک منٹ کے بعد وہ اندر چلا گیا۔“

”کیا تم نے اسے دیکھا؟“
”نہیں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔
”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

”جی ہاں، میں نے اسے دیکھا۔“ اس نے جواب دیا۔

سران فستری

غیر ذمّے داری..... حسرت اور خیانت کے مرتکب و جوہر کا انجام.....

کتنی حیرت کی بات تھی کہ میں اس کی محبت میں بڑی طرح گرفتار ہونے کے باوجود بھی اس کی شکل و صورت ہے اچھا۔ وہ کس عمر کی تھی؟ مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے اسے دیکھا تھا۔ صرف محسوس کیا تھا یا پھر کچھ دیر بات چیت کی تھی۔ وہ اندھیرے کمرے میں میری چند کمٹوں کی روشنی بنا دی کی تھی اور دوسرے دن منداخیر میرے اسے وہاں سے ہٹا لیا گیا تھا۔ اب وہ میرے حواسوں پر سوار تھی۔ میں آنکھیں بند کرتا تھا تو اس کی ٹھنڈی میرے داغ میں سیاہی بھرنے کے



قہوڑی پہل قدمی کے بعد ہی سونا چاہتا تھا۔ میں سانس لے
 سائے لان میں چلا گیا۔ ادا حق ہوئی شام اور اترتی ہوئی
 رات کا غم تھا۔ رویشیاں جبکہ انہی جیسے۔ تازہ ہوا میں سکون
 آنے لگا تھا۔ ابھی مجھے وہاں بیٹھے قہوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ
 مجھے سامنے سے روٹی آتی ہوئی دکھائی دی، میرا سوا ایک سو
 سے قراوب ہو گیا۔ وہ کھاتی ہوئی میرے پاس آگئی۔ اسی
 وقت اس نے صنف کا لباس پہنا ہوا تھا۔ ننگی ہینوں پر سلیپ
 کرتے جس پر ہلکے نیلے رنگ کی لاکھائی کی ہوئی تھی۔ وہ
 مسکراتی ہوئی میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ مسلسل
 میری طرف دیکھتے چلی جا رہی تھی۔

”یاد تیرے ساتھ عشق لڑانے کو جی کر رہا ہے۔“ اس

”خیر ہے.....“ میں نے طنزیہ لہجہ میں کہا۔
”بس دل کر رہا ہے۔ اب دل پر کوئی جبر تو نہیں کر سکتا۔“
میری خواہش ہے، تمہارے ساتھ ڈیٹ پر جاؤں، ہم
یہیں کسی پارک میں گھومیں پھریں، کسی ریسٹوران سے کھانا
کھائیں، اگلے چہرہ کرکین فلم دیکھیں، اور ہو سکے تو تھوڑی
بہت سستی بھی کر لیں۔“ اس نے یوں کہا جیسے کوئی کسی
نبیو نے بچے کو لالچ دیتا ہے۔

”اچھا..... دیے مجھے شک تھا کہ تمہارے دماغ کا کوئی
روزہ ڈھلا ہے لیکن اب یقین ہو گیا ہے کہ تم پاگل ہو۔“ میں
نے بیزار کن لہجے میں کہا۔

”پاکل تو ہوتا ہے تمہارے پیار میں..... چل اٹھ باہر
 ملیں۔ میں تمہارے ساتھ ڈیٹ پر جانا چاہتی ہوں۔“ اس
 نے سنجیدگی سے کہا۔

"جاؤ میں نہیں جانا چاہتا۔" میں نے کہا تو وہ ہنس دی،
ریوی۔

”تم ابھی میرے ساتھ جاؤ گے۔“
اس نے فون نکالا اور اٹھ کر پورج کی جانب بڑھ گئی۔
سے گئے ہوئے مانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ علی کا فون

”اے..... روپی جو کہہ رہی ہے، وہ کرو۔ وہ تمہاری سہیلی ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ میں حیران رہ گیا۔

دشمنی کے راز داں دشمن کون تھے،
باقی واقعات آئندہ ماہ پڑھیں

اگست 2024ء

میں روؤ تک جاتے ہی علی نے لون پر ہٹا دیا کہ ہم اس غیر ملکی تک پہنچ گئے ہیں اور اسے ساتھ میں لارہے ہیں۔ مگر اسے کچھ بدایات ملیں تو اس نے دسم کہیا۔

”اے ہوٹل می لے چلو اس کے کمرے میں۔“
 ”ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا اور سامنے دیکھنے لگا۔ جیسی ملی
 نے اس غیر ملکی سے پاسپورٹ مانگا جو اس نے اپنے بیگ

سے نکال کر اسے دے دیا۔
 ”یہ تمہاری ہے اور اس کا نام سو سوچی ہے۔“ اس نے
 اپنی آواز میں ہنسا تو صاف انگریزی میں بولا۔

”نہیں تو؟ ہم جہیں تمہارے ہوئے لے کر جا رہے ہیں۔“ علی نے بھی انگریزی ہی میں جواب دیا۔

میں اور علی ہوئی کی لابی میں جا پہنچے۔ وسیم کار پارک کرنے چلا گیا تھا۔ سچی سانسے کاؤنٹر پر ایک جوان یوں کھڑا تھا جیسے ہمارا مختصر بولہاس نے ہاتھ کے اشارے سے علی کو

لفٹ کی جانب جانے کا اشارہ کیا، ہم لفٹ کے پاس چلے گئے۔ دو تیزی سے ہماری طرف آیا اور بولا۔
 ”اب تم دونوں جا سکتے ہو۔“

”اوسکے.....“ علی نے کہا اور واپس چلتے کیا میں بھی اس کے ساتھ چل دیا۔ ہونٹوں سے باہر کھل کر میں نے پوچھا۔

”کون تمہارہ؟“

”ہمارا دوست تھا۔ اب ہماری ذمہ داری ختم۔۔۔۔۔“

اس نے پھر سکون لہجے میں کہا اور سامنے سے آتے ہوئے

وسم کو دیکھنے لگا۔ ہم اس کی طرف بڑھ گئے، پھر پارکنگ سے گاڑی لے کر نکلتے ہوئے علی نے اسے صورت حال بتا دی۔ وہ سکون سے ڈرائیونگ کرتا آگے بڑھتا رہا۔

☆☆☆
اس شام میں اپنے کمرے کے باہر کا ریڈور میں بیٹھا
مجھے پڑھنے کے ایک ریسرچ رپورٹ دی

میں نے جسے میں پڑھ چکا تھا اور ابھی اس کا جواب لکھنے کا کام رہتا تھا۔ میں چائے پیٹے ہوئے اس کا جواب سوچنے لگا۔ میرے سامنے میز پر کافز اور قلم رکھا ہوا تھا، کچھ دیر

سوچے رہنے کے بعد میرے ذہن میں آسکا کہ مجھے کیا لکھنا ہے۔ میں پھر لکھنا چلا گیا۔ جس وقت میں نے لکھ کر سر اٹھایا تو شام کا سایہ پھیل چکا تھا۔

ابھی جان کر سوا جاؤں جسکی ابھی کھٹے دڑنا تھا اور کب
جاسوسی ڈائجسٹ

ماتر ضرور ہوتی تھی جس کی کوئی فصل و صورت نہیں تھی۔

میرے اور مرگزرے ہوئے واقعے کو بھٹہ ہونے والا تھا لیکن مجھے ایسا لگتا تھا جیسے کل کی بات ہو۔ مجھے رات کو نیند نہیں آتی تھی اور بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔ میری بیوی حیرا کو معلوم تھا کہ میں کھانے پینے کا شوقین ہوں اور میں نے بچے بھر سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ اس لیے اسے شک ہو گیا اور وہ میری ٹوہ میں رہنے لگی۔ اگر اسے مجھ پر مرگزرے والے واقعے کے متعلق معلوم ہو جاتا تو وہ فوراً مجھ سے طلاق لے لیتی۔ اسے مجھ سے محبت نہیں تھی لیکن وہ دوسری عورتوں کی طرح شرارت پسند نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اتنی بدینت تھی کہ اپنے احتیاج شدہ کپڑے بھی کسی کو نہیں دیتی تھی۔ انہیں جلا دیا کرتی تھی۔ اس واقعے کے متعلق معلوم ہونے پر شاید وہ مجھے گولی ہی مار دیتی۔ میرے پاس نوکری نہیں تھی اور حیرا کو رخصت کاغذ میں لپیٹ کر رکھی۔ میں نے اس سے شادی اس لیے کی تھی کہ ان کی کھڑی تخواہ پر گل چمرے اڑا سکوں اور اڑا بھی رہا تھا۔ اس لیے کاغذ چھوڑنے کے بعد میں اس کی گاڑی میں شہر کی خوب صورت لڑکیوں کو گھماتا پھرتا تھا اور کاغذ بند ہونے سے پہلے انہیں ان کے گھر میں چھوڑ آیا کرتا تھا۔ ہماری کوٹھی میں نوکر چاکر کام کرتے تھے۔ اس لیے مجھے کوئی کام نہیں کرنا پڑتا تھا۔ آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ میں فطرتاً آزاد اور عیاشی طبیعت کا مالک ہوں اور یہ تمام عیاشی حیرا کی مرہون منت تھی۔ کتنی ہی لڑکیاں میری زندگی میں آئیں اور واپس چلی گئیں۔ ان سب باتوں کے باوجود بھی حیرا کی نگاہوں میں، میں سیدھا سادہ اور سعادت مند ثابت کا وزن مرید شوہر تھا۔ اسے میری آوارہ فطرت کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

اس واقعے کے بعد اب میں بہت پریشان تھا۔ اس سیاہ ہولے نے میری راتوں کی نیند حرام کر کے رکھ دی تھی۔ مجھے اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں سے آئی تھی اور میرے ساتھ ایک رات بسر کرنے کے بعد کہاں چلی گئی تھی۔ اس نے مجھے پاگل کر کے رکھ دیا تھا۔ اسے ایک رات کے لیے میرے حوالے فضل صاحب نے کیا تھا اور وہ مجھے اس کے متعلق کچھ بھی بتانے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ میں کتنے ہی دنوں سے ان کی منت سماجت کر کے تھک چکا تھا۔ لیکن معاہدہ ہونے سے قبل ہی انہوں نے مجھے بتا دیا تھا کہ اگر میں نے اس کے متعلق معلومات کرنے کی کوشش کی تو حالات کا زہرے والا میں خود ہوں گا۔ میں نے اس وقت تو ہائی بھر لی تھی لیکن بعد میں جب وہاں سے رخصت ہو کر مجھ کو

لاچار ہو کر دماغ کو استعمال کرنے لگا۔ میرے پاس اس سے متعلق کچھ ایسا سامان موجود تھا جس کی مدد سے میں اس شکر پر آسانی پہنچ سکتا تھا لیکن میں اسے وقت سے پہلے استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے فضل صاحب کی منت زاری کرنے لگا۔ لیکن چند دن پہلے انہیں کل کر دیا گیا۔ وہ شہر کی معروف ترین شاہراہ سے گزر رہے تھے کہ بجائے کہاں سے ان پر گولی چلائی گئی اور موقع پر ہی ان کی موت واقع ہو گئی۔ تب مجھے اندازہ لگنے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ کس ہاتھ نے انہیں چاہتا تھا کہ میں اس مادیہ وجود کے متعلق کچھ بھی معلوم کر سکوں۔ مجھے فضل صاحب کی موت پر بہت افسوس محسوس ہوا۔ ان کی موت میری وجہ سے ہوئی تھی۔ میں جب تعزیت کے لیے ان کے گھر گیا تو ان کے لڑکے فواد سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ میرا ہم عمر تھا اور میری اس کے ساتھ ابھی خاصی دوستی تھی۔ میں نے اس سے فضل صاحب کے دوستوں کے متعلق پوچھا تو اس نے مجھے چند نام بتا دیے۔ ان سب کا شہر ان کے قریبی دوستوں میں ہوتا تھا۔ میں نے وہ تمام نام اپنی ڈائری میں محفوظ کر لیے۔ ان کے موبائل نمبر بھی مجھے مل گئے تھے۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ ان میں سے ایک کو میں تلاش کیسے کرتا۔ جس کی لڑکی کے ساتھ میں نے رات بسر کی تھی۔ میں شاید غلط کہہ رہا ہوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ لڑکی تھی یا پھر عورت۔۔۔۔۔

بات کچھ حیرت میں مبتلا کر دینے والی ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ کسی کو چوچکا دے۔ خام سی بات ہے تو پھر آئیے میں آپ کو معاملے کے متعلق مکمل کر بتاتا ہوں۔ پہلے میں فضل صاحب کے متعلق بتائے دیتا ہوں۔ وہ یونیورسٹی میں میرے پرنسپل رہ چکے ہیں۔ اس لیے ان کی حیرا سے بھی ابھی خاصی جان بچائی ہے۔ وہ گرین ٹاؤن میں ہماری کوٹھی سے کچھ آگے ہی رہتے ہیں۔ میری ان سے سلام دعا شادی کے بعد گہری ہوتی چلی گئی۔ لیکن انہیں اس سے پہلے میں گرین ٹاؤن میں نہیں رہتا تھا۔ ہم نے کبھی شادی کے بعد خریدی تھی۔ میں پھر غلط کہہ رہا ہوں۔ کوئی حیرا کے نام تھی۔ اس لیے اس کے کاغذات پر بھی حیرا کے دستخط تھے۔ میری حیثیت پہلے بھی ایک شوفر کی تھی اور اب بھی شوفر کی ہی ہے۔ میں صرف نام کا شوہر ہوں لیکن مجھے اور کچھ چاہیے بھی نہیں۔ مجھے اچھا خاصا کھانے اور پینے کو مل جاتا ہے۔ میں پہلی ترین گاڑیوں میں گھومتا پھرتا ہوں اور مجھے منع کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ حیرا کے ماں باپ وفات پا چکے تھے۔ ایک بھائی تھا جو بیرون ملک مقیم تھا اور کافی عرصہ ہوا ملک واپس نہیں آیا تھا۔

بس یوں کہ میں پیش و پشت کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ چند دن پہلے مجھے میری ماں لڑکی سے محبت ہوئی تھی۔ جب کچھ وقت گزارنے کے بعد وہ اس بات پر اصرار کرنے لگی کہ میں اس سے شادی کر لوں لیکن میں نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کے نام پر ابھی خاصی دولت تھی لیکن نہ صرف اس کے ماں باپ چانت تھے بلکہ چھ کے قریب بہن بھائی بھی اس کے ساتھ کوٹھی میں رہتے تھے اور اس کے ماں باپ کا خا خا تھا کہ میں مگر داماد بن کر ان کے ساتھ کوٹھی میں رہوں۔ اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ میں ایسی دولت کا کیا کرتا جس کی رکھوالی پر چھ سانپ پیرا رہے ہوتے۔ ماں باپ آج نہیں توکل مر رہی جاتے۔ لیکن بہن بھائیوں کا میں کیا کرتا۔

حیرا میرے لیے کسی سونے کا انڈا دینی والی مرقی سے کم نہیں تھی۔ اب میں لگے ہاتھوں حیرا کے متعلق بھی بتا دوں۔ وہ قبول صورت لیکن بعد سے جسم کی مالک تھی۔ تاہم پڑوسی کو بھی زیادہ ہونے کی وجہ سے ناک پر کبھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ لپیٹ کر اس کی پرورش نوکری کے علاوہ اس کے ماں باپ نے اس کے نام ابھی خاصی جائیداد بھی چھوڑی تھی۔ اس لیے مگرین ٹاؤن والی کوٹھی میں مہارانیوں کی طرح زندگی گزار رہی تھی۔ نوکریوں کی ایک فوج تھی جو ہماری کوٹھی میں دن رات کام کرتی تھی۔ اس کے بینک بیلنس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ خواہ کے علاوہ بہت سی جائیدادیں بھی جس کی آمدنی لاکھوں روپے سالانہ تھی اور خرچ کرنے والے ہم دونوں تھے۔ ہماری اولاد نہیں تھی۔ حیرا کو اس کی فکر نہیں تھی اور مجھے بھی شوق نہیں تھا۔ ہم اپنی سالانہ چھٹیاں لندن، پیرس اور کینیڈا میں گزارتے تھے۔ دن رات بہت اچھے گزر رہے تھے۔

ایک دن مجھے فضل صاحب کا فون موصول ہوا اور انہوں نے مجھے ملاقات کے لیے یونیورسٹی کیلئے آنے کے لیے کہا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ معاملہ اتنا حساس ہے کہ فون پر نہیں بتایا جاسکتا۔ مجھے حیرت تو بہت ہوئی لیکن میں نے زیادہ اصرار نہیں کیا اور اگلی شام پانچ بجے حیرا کو بتا کر یونیورسٹی کیلئے چلا آیا۔ میں اپنے معاشقوں کے علاوہ حیرا سے اور کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا ہوں یا پھر اس واقعے کو میں نے جان بوجھ کر حیرا سے چھپائے رکھا۔ اگر میں اس کے متعلق اسے بتا دیتا تو وہ مجھے بھی مٹی وہاں جانے نہ دیتی۔ جب میں نہادو کو یونیورسٹی کیلئے جانے کے لیے نکلنے لگا تب حیرا نے مجھ سے پوچھا کہ ”فضل صاحب کو ایسا کیا معاملہ درپیش آیا جس کی وجہ سے انہوں نے شہر کے دوسرے

ناہیہ وجود

کوٹھے میں واقع کیلئے کا انتخاب کیا۔ میری بات ان کو کھل کر سن لو کہ اگر کوئی گزرتا کرے کی کوشش کی تو میں اگلے دن ہی انہیں طلاق دے دوں گی۔“ وہ ایسی دھمکیاں لگاتے آئے دن دیتی رہتی تھی۔ میں ایک کان سے سن کر دوسرے سے کال دیا کرتا تھا۔ مجھے اس کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اس لیے میں نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ جو بھی معاملہ ہوگا میں واپس آنے کے بعد اس کو تفصیل سے آگاہ کر دوں گا۔ اور گاڑی میں بیٹھ کر یونیورسٹی کیلئے کی طرف چلا آیا۔ یہ شہر کا ہنگام تھا۔ فضل صاحب نے جس یز کا انتخاب کیا تھا، وہ کیلئے کے کوٹھے میں نصب تھی اور اس کے آگے چھپے دیوار تھی۔ وہ کرچی پر بیٹھے اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ ان کے چہرے پر سوچ کی نگیریں تھیں جنہیں دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ انہیں اخبار میں کوئی خاص روپ بھی نہیں تھی۔ درحقیقت وہ کچھ پریشان تھے۔ میں جب ان کے قریب کرچی پر بیٹھا تو انہوں نے طویل سانس لینے ہوئے اخبار کو ایک جانب رکھا اور قریب کھڑے ہوئے ویٹر کو گاڑی کے ساتھ سینڈوچ لانے کا آرڈر دے دیا۔

میں نے کیلئے میں بٹلانے کی وجہ دریافت کی تو مسکراتے ہوئے بولے۔ ”بہت ہی عجیب قسم کا معاملہ درپیش ہے۔ شاید تمہارا واسطہ اس سے پہلے ایسے معاملے سے نہ پڑا ہوگا۔ تاہم اس کے متعلق میں تمہیں آرڈر دے دیتا ہوں کہ بتاؤں گا۔ میں نہیں چاہتا ہوں کہ ویٹر کے کانوں میں اس کی جھجک پڑے، یہ بہت حساس معاملہ ہے۔“

میں چپ ہو گیا۔ جلد ہی ویٹر گاڑی اور سینڈوچ لے آیا۔ میں نے سینڈوچ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ ”کیسے معاملے کا تعلق حیرا سے تو نہیں ہے۔ آپ ابھی طرح جانتے ہیں، میں اس کی ناراضی مول نہیں لے سکتا اگر معاملہ اس کے خلاف ہے تو میں قتل از وقت ہی انکار کر دوں گا۔“

فضل صاحب کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولے۔ ”یہ قدم تو تمہیں اٹھانا ہی پڑے گا۔ شاید یہ تمہارا پہلا اور آخری قدم ہوگا۔ لیکن تم مجھے دعا دو گے۔ معاملہ حساس نوعیت کا ہونے کے علاوہ دلچسپ بھی ہے۔“

”اگر معاملے میں حیرا ملوث ہے تو پھر معاملہ واقعی حساس نوعیت کا ہوگا اور مجھے اپنی ازدواجی زندگی بہت عزیز ہے۔ آپ کسی اور کا انتخاب کر لیجئے۔“

فضل صاحب نے بولے۔ ”اگر احتیاط سے کام لو گے تو تمہاری ازدواجی زندگی پر اثر نہیں ہوگا۔ اب تک تم نے کتنی

کرو وہاں کی برقی کے علاوہ اس گلی بھی بہت مشہور ہے۔
میں ایک گلوہ بھی بیک کروا دوں گا۔

مجھے ابھی طرح معلوم تھا کہ حیرا کو سٹائی بہت پسند ہے لیکن یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کمزوری کا فائدہ کب اور کہاں اٹھایا جاسکتا ہے۔ فضل صاحب نے بروقت فائدہ اٹھا کر اپنا الو سپر حاکر لیا تھا۔ اس طرح معاہدے پر حتمی مہر ثبت ہو گئی اور کوئی سے رخصت ہوتے ہوئے فضل صاحب نے مجھے بتایا کہ پختے کی شام کو میں تیار ہوں۔ وہ اپنے اسٹوڈنٹ کو فون کر کے معاملے کی رضامندی کی اطلاع دے دیں گے۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا لیکن نہ جانے کیوں مجھے یہ محسوس ہوا تھا جیسے حیرا کو معاملے کے متعلق سب کچھ معلوم ہے اور یہ سب من گھڑت کہانی کی طرح ترتیب دیا گیا ہو۔ مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ سب کچھ حیرا ہی تو نہیں کروا رہی تھی۔ اس نے ایک دفعہ اپنی سہیلیوں کو اکسایا تھا کہ وہ مجھ سے فون پر بات چیت کر کے مجھے درحلالے کی کوششیں کریں لیکن میں نے جی کو لیا نہیں تھکی تھی۔ مجھے فوراً معلوم ہو گیا کہ اس کی سہیلیاں فون کر رہی ہیں۔ اس لیے میں نے انہیں زیادہ گھاس نہیں ڈالی۔ میں نے ایک اور موبائل خرید رکھا تھا جس کے متعلق حیرا کو معلوم نہیں تھا۔ لڑکیوں سے بات چیت کے لیے میں اسے استعمال کیا کرتا تھا اور جو موبائل زیادہ تیرسی کر جب میں رکھا ہوتا تھا اسے میں صرف حیرا کے ساتھ بات چیت کے لیے استعمال کرتا تھا۔ تاہم مجھے فضل صاحب پر پورا اعتبار تھا۔ وہ مجھے دھوکا نہیں دے سکتے تھے اس لیے میں پختے کی شام کا انتظار کرنے لگا۔

☆☆☆

اس دن مجھے صبح کے وقت کوئی کو خیر باد کہہ دینا پڑا۔ کیونکہ در پردہ تو مجھے فضل صاحب کو قریبی شہر پہنچانا تھا اور اس کے لیے سفر چکرنا تھا۔ شام تک کا یہ وقت میں نے یونیورسٹی کے کئے کے اوپر بنے ہوئے کمرے میں گزارا اور چھ بجے کے قریب فضل صاحب کی کوئی میں چلا آیا۔ وہ میرے منتظر تھے۔ انہیں واقعی میٹنگ کے لیے قریبی شہر جانا تھا لیکن اگلے دن ڈرائیور کے ہمراہ جانا تھا اور آج کی رات انہوں نے میرے ساتھ اسٹوڈنٹ کے گھر میں بسر کرنا تھی۔ میں نے جب کوئی میں قدم رکھا تو فضل صاحب تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کے لیے کہا اور خود میرے ساتھ ہجلی سیٹ پر بیٹھ گئے گاڑی نے جن سڑکوں پر سڑکا، وہ میں نے ذہن نشین کر لیں۔ میں دل میں تہیہ کر چکا تھا کہ جہاں تک ہوسکا لڑکی کے حدود وارے کے متعلق معلوم کرنے کی

نہیں ہے۔“ فضل صاحب چپ ہو گئے۔ وہ بھی میری طرح حیرا سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ وہ ان کا بہت احترام کرتی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کمرے میں آ گئی اور کونے پر بیٹھے ہوئے بولی۔

”مجھے معلوم ہے کہ یہ سب ٹلی بھگت ہے لیکن میں جانا چاہتی ہوں کہ آپ دونوں کو کیا رہا ہے؟“ فضل صاحب ہڑبڑاتے ہوئے لہجے میں بولے۔ ”کہیں تم نے انٹینس سے بات چیت تو نہیں کی۔ اسے کچھ زیادہ معلوم نہیں ہے۔ دو دن قبل میرا ڈرائیور نوکری چھوڑ کر چلا گیا اور سالانہ میٹنگ میں شرکت کے لیے مجھے قریبی شہر جانا ہے۔ ڈاکٹر نے مجھے گاڑی چلانے سے منع کر دیا ہے تو میں ایک دن کے لیے باسٹ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔“ حیرا غصیلے لہجے میں بولی۔ ”تو پھر مجھے کالج چھوڑنے کے لیے کون لے کر جائے گا۔ کیا میں پیدل جاؤں گی یا پھر بس میں؟“

فضل صاحب بولے۔ ”پیدل جائیں تمہارے دشمن، تم جلا کیوں جاؤ گی۔ آن لائن ٹیکسی نہیں گھر سے پک کر کے دوپہر کو کوئی کے سامنے ڈراپ کر دے گی۔ صرف ایک دن کی بات ہے۔ کل دن باسٹ واپس آجائے گا۔“ وہ دوبارہ غصیلے لہجے میں بولی۔ ”ٹیکسی کا استعمال آپ بھی کر سکتے ہیں اور میرے خیال میں وہ آپ کے لیے بہتر بھی رہے گی۔ آپ کی گاڑی کی حالت نے زیادہ ان کی کنڈیشن لاکھ روپے بہتر ہوئی ہے۔“

فضل صاحب انکار میں سر ہلاتے ہوئے بولے۔ ”قریبی شہر تک جانے اور پھر واپس آنے میں بہت دم لگ جائے گی اور میرا ہاتھ آج کل کچھ تنگ ہے۔ اس لیے میں اس فغول خرچہ کا تحمل نہیں ہوسکتا۔ ایک دن کی تو بات ہے تم اجازت دے دو۔ میرا بھلا ہوجائے گا۔“ حیرا سوچ میں پڑ گئی۔ تاہم اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

فضل صاحب دوبارہ بولے۔ ”تمہیں کھوئے والی برقی پسند ہے۔ جس شہر جا رہا ہوں وہاں کی برقی بہت مشہور ہے، آتے ہوئے باسٹ دو کلو برقی ساتھ لے آئے گا۔“ حیرا یکدم مسکرا دی۔ ”اگر برقی خالص نہ ہو تو میں باسٹ کو واپس شہر بھجوا دوں گی۔ آپ کے اسٹوڈنٹ کی ازدواجی زندگی اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔“ فضل صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ ”تم فکر ہی نہ

لیے اگر معاوضہ دیا جائے گا تو مجھ کو وہ حلالہ ہی کھل ہوسکتا ہے۔ ایک اسلامی طریقہ کار ہے۔ اگر شوہر غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دینے کے بعد دوبارہ شادی کرنا چاہے تو اس کے لیے حلالہ کا طریقہ بتایا گیا ہے۔“

میں نے منہ نہاتے ہوئے کہا۔ ”تو آپ مجھ سے حلالہ کروانا چاہتے ہیں، اگر حیرا کو معلوم ہو گیا تو میری گردن میں چند اڑاں کر مجھے تختے کے ساتھ لٹا ڈال دے گی۔“

فضل صاحب بولے۔ ”تو جب ہو گا تب اسے معلوم ہو گا۔ میں تمہیں ایک دن کے لیے اپنی کوئی میں بلواؤں گا اور اس دوران تمہیں وہاں لے جایا جائے گا جہاں تمام انتظام کیا گیا ہے۔“

میں نے مستی خیز انداز میں فضل صاحب کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تو میرا انداز درست ہے۔ آپ قربانی کا بکرا مجھے بنانا چاہتے ہیں، اب یہ بھی بتا دیجیے کہ آپ کا اسٹوڈنٹ کون ہے۔“

”میں پہلے بتا چکا ہوں کہ تمہیں کسی کے نام سے باخبر نہیں کیا جائے گا۔ تم ہر لحاظ سے بے خبر رہو گے۔“ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”میں تیار ہوں لیکن حیرا سے یہاں کیا کروں گا۔ آج تک میں نے اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام نہیں کیا۔ وہ تو ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔“

فضل صاحب بولے۔ ”چند دن پہلے میری کمر میں درد ہوا اور ڈاکٹر نے مجھے گاڑی چلانے سے منع کر دیا۔ مجھے ہفتے کو میٹنگ کے لیے قریبی شہر جانا ہے۔ مجھے ڈرائیور کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ میرا ڈرائیور چند دن پہلے نوکری چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اس لیے میں تمہیں اپنے ہمراہ قریبی شہر میٹنگ انڈیز کرنے کے لیے لے جاؤں گا۔“

”تو حیکم ہے۔ میں تیار ہوں لیکن حیرا سے بات چیت آپ کو کرنا ہوگی۔ میں سارے معاملے سے لافعل رہوں گا۔“

فضل صاحب نے اثبات میں سر ہلایا اور ہم دونوں اٹھ کر کوئی آگے۔ حیرا رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ عموماً رات کا کھانا خود تیار کیا کرتی تھی۔ میں نے جب اسے بتایا کہ فضل صاحب اس سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تو وہ چونک کر میری جانب دیکھنے لگی۔ میں اس کی نگاہوں کے سامنے زیادہ دیر تک ٹک نہیں سکتا۔ اس لیے ہولکا کر ہینک روم کی طرف آ گیا جہاں فضل صاحب صوفے پر براجمان لٹکی لگا ہوں سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ میں نے بتایا۔ ”وہ آرہی ہے اور اس کا موڈ بھی بہتر

ہی رہی تھی ہی پڑکیوں کے ساتھ سر کی تیر تو پھر ایک رات اور بھی سکی۔“ لیکن اس دفعہ شاید کسی کا بھلا ہی ہوگا۔“ میں نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ”کس کا بھلا ہوگا۔ آپ سہیلیاں کیوں بھجوا رہے ہیں۔ عمل کر بتائیے کہ معاملہ کیا ہے۔“

فضل صاحب سنجیدہ لہجے میں بولے۔ ”میرے ایک اسٹوڈنٹ کو میری کچھ حدود کا ہے۔ میں اس کا نام نہیں نہیں بتاؤں گا۔ لیکن اتنا ضرور بتاؤں گا کہ اس کے مجھ پر بھت احسان تھا۔ یہ شاید میری جوانی کے دنوں کی بات ہے۔ میں ایک کالج میں پیکرار تھا۔ مجھے یہ پوسٹ اس اسٹوڈنٹ کے باپ کی سفارش سے ملی تھی۔ اس کے گھرانے کے مجھ پر اس کے علاوہ بھی بہت احسان ہیں۔ ان احسانات کو اتارنے کا وقت آ گیا ہے۔ اس لیے میں نے تمہیں یہاں لے جایا ہے۔ میں نے دوبارہ حیرت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور اس شخص کو تو میں، میں سیٹھوچ کی تمام پلیٹ صاف کر چکا تھا۔“

وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ ”میرے اس اسٹوڈنٹ کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ بیوی سے بہت محبت کرتا ہے۔ لیکن چند دن پہلے اس نے غصے کے عالم میں اسے طلاق دے دی۔ اس کی بیوی ناراض ہو کر اپنے باپ کے پاس چلی گئی اور اس نے طلاق کے حلقے باپ کو سب کچھ صاف صاف بتا دیا۔ لڑکی کا باپ تبلیغی گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ میرا اسٹوڈنٹ غصہ اترنے کے بعد جب بیوی کو واپس لینے کے لیے سرسرا گیا تو اس کے سرسرنے شرط رکھ دی کہ وہ حلالہ کے بعد اپنی بیوی کو دوبارہ نکاح کر کے اپنے ہمراہ لے کر جائے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میرے اسٹوڈنٹ کا تعلق بہت بڑے گھرانے سے ہے۔ اس کے لیے یہ ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ اس کی بیوی کسی مرد کے ساتھ حلالہ کرے اور بعد میں دوبارہ اس سے شادی کرے۔ اس کے حلقہ احباب میں اس کی ناک کٹ کر رہ جاتی۔ وہ اس کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ لیکن اسے سر کے اسرار کو تو نظر رکھتے ہوئے وہ تیار ہو گیا۔ تاہم اس نے بھی شرط عائد کر دی کہ وہ حلالہ کے لیے مرد کا انتخاب اپنی مرضی سے کرے گا اور جس مرد کا انتخاب کرے گا وہ اس کی بیوی کے لیے اپنی ہوگا۔“

میں نے ایک دفعہ پھر حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ ”یعنی کمرے کے اندر آنے اور پھر واپس جانے کے بعد ہاتھ دھو کر کھانا کھانے کا اس حیرت کا۔“ فضل صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ ”حلالہ کے

اپنے دلوں میں ہمدردی اور اہمیت کے جذبات رکھتے تھے اسی لیے وہ میری امت بندھانے اور مجھے حوصلہ دینے کے لیے اشعر کی بیت کے ہمراہ وہاں آئے تھے۔ اشعر آوا میرا چھوٹا اور انکوتا بھائی آج میرا رخا ہوا ہے۔

میں اشعر کی قبر کی پائنتی گم گم کھڑا تھا۔ اب جب میں اشعر کے جسدِ خاکی کو گلہ میں اتار رہا تھا۔ والا تھا۔ میرا داغ جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ یہ تک مجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا سوچوں؟ غرضی اور کی کی ساری سوچوں پر برف سی جم گئی تھی۔ میرے جذبات اور احساسات اس صدمے کی شدت سے بھگدے ہو گئے تھے۔ میں کسی شینی انسان کے مانند، میاگی انداز میں بس، لوگوں کی دیکھا دیکھی بے حسنی اور غیر ارادی حرکت کر رہا تھا۔ شاید میری یہ معشکہ خیز حرکت وہاں موجود لوگوں کو ہار کرانے کے لیے تھی کہ میں زندہ ہوں اور اپنے موتی بھائی کی تدفین کے لیے قبرستان آیا ہوا ہوں۔

جیسے ہی اشعر کی بیت کو گلہ کے اندر پہنچایا گیا، میرے سبیل فون میں قمر تھر تھراہٹ چلا ہوئی۔ قبرستان کی طرف آتے وقت میں نے اپنے سبیل فون کو سائیکس موڈ پر ڈال دیا تھا اور یہ واٹر فیشن ایسی سبھی۔ مسلسل واٹر فیشن کا ایک ہی مطلب تھا کہ کوئی مجھے کال کر رہا ہے۔ میں نے غیر ارادی طور پر سبیل فون کو جیب سے نکال کر ڈپلے پر لگا دیا۔

انگلے ہی لمحے میرے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ ڈپلے پر دکھائی دینے والے نام نے میرے رگ دپے میں زیریلی ناگواریت دوڑا دی تھی۔ ایک فوری خیال کے تحت، میں نے سبیل فون کو سوچ آف کر کے اپنی جیب میں رکھ لیا۔

اشعر کے جنازے کو گلہ میں اتارنے کے بعد، اس کے اوپر سبلی سلیب وغیرہ بنادی گئی تھی اور اب قبر کے اوپر سبلی ڈالی جا رہی تھی۔ میں بھی پوچھ دل، معطل جذبات اور جھنجھلاہٹ بھرے انداز میں اپنے عزیز از جان بھائی کو کٹھنی دینے میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

میرا نام ساجد علی ہے۔ میں اس شہر کا ایک چھوٹا بزنس مین ہوں۔ میں لیڈر گڈز، فیکٹس، لیڈیز پرس، والٹ اور مختلف قسم کے شووز پاکستان سے باہر بھیجتا ہوں۔ میرا مال زیادہ تر ٹرل ایسٹ، جنوبی افریقا اور بعض مغربی ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ آپ مجھے لیڈر گڈز ایکسپورڈر کہہ سکتے ہیں۔ میں شہر کے انڈسٹریل ایریا سے اپنی مرضی کا سامان تیار کرتا ہوں اور اپنے برانڈ کے ایک کے ساتھ اسے ایکسپورٹ کر دیتا

ہوں۔ میں نے اس کاروبار کو بھانے کے لیے برسوں کوئی محنت کی ہے۔ اللہ کا شکر کہ میں اس وقت ایک کامیاب ایکسپورڈر کی حیثیت سے کام کر رہا ہوں۔

جیسا کہ میں نے بتایا، میں ملک فیکٹریز سے آرڈر کرنا ایکسپورٹ کوئی کا مال تیار کرتا ہوں۔ طارق روڈ پر میری اپنی ایک شاپ بھی ہے۔ آپ اس شاپ کو میرا ایلیٹ سٹور بھی کہہ سکتے ہیں۔ میرے تمام ڈلف فٹیل احمد صاحب اس شاپ میں موجود ہوتے ہیں۔ ایک بات کی وضاحت کروں کہ کہانی کے بنیادی نقائص کے تئیں نظر تمام نام اور مقامات کو تبدیل کر دیا گیا ہے، سوائے میرے بھائی اشعر کے جو مجھے چھوڑ کر بہت دور جا چکا ہے جہاں سے صرف اس کی یاد ہی آسکتی ہے۔ تڑپانے اور دلانے کے لیے

اشعر کی تدفین کے بعد جب ہم گھر واپس آئے تو میرا مکان ایک طرح سے "بھامیں بھامیں" ہی کر رہا تھا۔ بزنس کیونٹی سے جو لوگ میری ڈھارس بندھانے آئے تھے، وہ مسجد سے قبرستان تک تو ساتھ رہے تھے۔ اس کے بعد وہ اپنی اپنی راہ ہو لیے تھے۔

میرے والدین کافی عرصہ پہلے اس دنیا سے گئے بعد دیگرے رخصت ہو گئے تھے۔ اس وقت اشعر نے اپنا "اولیول" شروع کیا تھا۔ گویا میں نے اشعر کو بھائی، باپ اور ماں بن کر پروان چڑھایا تھا۔ وہ میرے لیے ایک چھوٹے بھائی سے زیادہ سگی اولاد کی طرح تھا، میں اسے اپنے پانچ سالہ بیٹے زین کا بڑا بھائی سمجھتا تھا۔

میرے خاندان میں بھی زیادہ لوگ نہیں تھے۔ قریبی رشتہ صرف دو افراد سے تھا یعنی میری سالی مائرہ اور اس کا شوہر قتل احمد۔ ان دونوں کی شادی کو تین سال سے زیادہ ہو گئے تھے مگر وہ لوگ اب بھی تک اولاد اس نعمت سے محروم تھے۔ آپ کو بتانا چلوں کہ دو سال پہلے میری نصف بہتر سائرہ کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ سائرہ کی موت کے وقت زین محض تین سال کا تھا۔ آپ خود اندازہ لگا لیں کہ زین کو سنبھالنے میں مجھے کس قدر مشکلات اٹھانا پڑی ہوں گی۔

تقریب کے لیے آنے والے آس پر دھن کے چند لوگ جب رخصت ہو گئے تو میں اپنے بیٹے زین کے ساتھ گھر میں اکیلا رہ گیا۔ ہاں البتہ..... قتل احمد اور مائرہ بھی وہاں موجود تھے۔ وہ لوگ دراصل ہمارے مکان کی بالائی منزل پر ہائس پزیر تھے۔ میرا یہ دو منزلہ گھر بہادر آباد میں ہے۔ قتل اور مائرہ پہلے گلشن اقبال میں رہتے تھے لیکن جب میری بیوی سائرہ مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلی گئی تو میں نے

خندہ کے انہیں اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس طرح زین کو خال سے روپ میں بڑی حد تک ماں کا پیار مل گیا تھا اور ایسا ہی معاملہ دوسری جانب بھی تھا۔ مائرہ اور قتل ایک بے اولاد جوڑا تھے۔ زین کی کل میں انہیں بھی ایک بھائی مل گیا تھا۔ قدرت کے عمل کی خزانے ہیں۔ لیکن اور بھائی، دو بیوی دو بیویوں کے مانند ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ گویا طبعی خوشی اور چمکے کام انسانی زندگی کے لازمی اجزائے ترکیبی ہیں۔ انہیں مکمل دل سے تسلیم کر لینے سے زندگی قدرے آسان ہو جاتی ہے مگر یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

میں آرزو خاطر نڈھال سا آنکھیں بند کیے ایک مونسے پر غم و راز تھا کہ زین میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے نئے منے ہاتھوں میں دبوچا اور معصیت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بابا! کیا آپ سو رہے ہیں؟"

"جی نہیں میری جان.....!" میں نے آنکھیں کھولے

"جواب دیا۔" بس، ایسے ہی لینا ہوا ہوں۔"

"آپ بہت تھک گئے ہیں نا.....؟"

"ہاں.....!" میں نے اثبات میں جواب دیا۔

"چلیں، پھر سنے دیں۔" وہ سرسری انداز میں بولا۔

"کیا رہنے دوں؟.....!" میں نے بے ساختہ آنکھیں کھول دیں اور مونسے پر سیدھا جھپٹتے ہوئے پوچھا۔ "بیٹائی! آپ کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ بتاؤ مجھے.....!"

"کچھ نہیں بابا.....!" وہ بات بدلنے والے انداز میں بولا۔

"کچھ تو ہے۔" میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔ "کیا آپ اپنے بابا سے کچھ چھپا رہے ہو؟"

"نہیں بابا.....!" وہ ہچکچاہٹ آمیز لہجے میں بولا۔ "وہ"

کل آپ نے بولا تھا کہ آج آپ مجھے اپنے ساتھ مارکیٹ لے کر جائیں گے اور.....!"

"ارے ہاں.....!" میں نے اسے گود میں لے لیا۔

"کل تو چودہ اگست ہے..... پاکستان کا یوم آزادی۔" میں نے اس کے ہاتھوں کو گرم جوشی سے دبا تے ہوئے کہا۔ "آج میں نے آپ کو چھٹیاں اور دوسری چیزیں دلانے جانا تھا لیکن مج سے اس قدر مصروفیت رہی کہ میں آپ پر توجہ ہی نہیں دے سکا۔ آئی ایم سوری بیٹائی.....!" میں نے لمحائی توقف کر کے زین کو گود سے اتارا اور ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

آزادی

"آپ آزاد ہوا ہے ہاں؟ گئی کہ وہ آپ کو تیار کر دیں۔ ہم ابھی مارکیٹ جا رہے ہیں۔"

"زین! اوکے بابا!" مجھے ہونے والے ہاتھ مل گئے، میری بات نے اس کے اندر ایک نئی توانائی سے بھر پور زندگی بھر دی تھی۔ وہ چند منٹ پہلے تک وہ حیران لگے آواز میں بولتا تھا۔

زین کو میرے پاس سے مجھے دو منٹ کی نہیں ہوئے تھے کہ قتل نے وہاں آکر مجھ سے پوچھا۔ "ساجد بھائی! کیا آپ زین کو دوا دیکھنے کے حوالے سے شاپنگ کرنے لے کر جا رہے ہیں؟"

"ہاں بابا.....!" میں نے اثبات میں جواب دیا۔

"میں نے دو دن پہلے زین سے وعدہ کیا تھا اور آج تک بھی اس بات کی حسی لیکن اشعر کی بیماری، اسپتال کے بیکر اور پھر.....!"

بولتے بولتے میری آواز اندھ گئی اور میں، آنکھوں میں اتر آنے والے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کرنے لگا۔ قتل میرے پہلو میں بیٹھ گیا اور کم تک سنجیدگی سے بولا۔

"ساجد بھائی! آج اس گھر سے ایک جنازہ اٹھائے۔ اگر اس سال ہم چودہ اگست نہیں منا سکیں گے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

موقع عمل کی مناسبت سے قتل نے ایک جائزہ اور مناسب بات کی تھی لیکن اس کا یہ شور میرے دل کو نہیں لگا۔ میں نے اس کے چہرے پر لگا ہوا کرسپاٹ آواز میں کہا۔

"قتل صاحب! اپوری دنیا کے مسلمانوں کے حصے میں تین عیدیں آتی ہیں۔ یعنی عید الفطر، عید الاضحیٰ اور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم جبکہ پاکستان کے مسلمانوں کو ایک اضافی عید بھی منانے کو ملتی ہے اور وہ ہے جشن آزادی پاکستان، چودہ اگست.....!" میں نے لمحائی توقف کر کے ایک پوچھ سانس خارج کی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے کہا۔

"اس خاص حقیقت کو مجھ سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے کہ تھوڑی دیر پہلے میں نے اپنے چھوٹے بھائی کو بہر رخا کیا ہے لیکن زین ایک چھوٹا بچہ ہے۔ ہر بچہ کی طرح اسے بھی یوم آزادی منانا ہے۔ میں اس کی خوشی کو اپنے غم کی نذر نہیں کر سکتا۔ اس گھر میں جو بھی چل رہا ہے، وہ ہم بڑوں کا مسئلہ ہے قتل صاحب۔ زین ہر حال میں چودہ اگست منائے گا۔ آپ مائرہ سے کہیں، اسے جلدی سے تیار کر دے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے کر باہر جا رہا ہوں۔"

میں نے جھپٹ لیا۔ میرے جگر میں کچھ تھکا پھوٹا تھا۔
 اچھے اس کی پتہ انھیں تھی۔ "شعر پڑھا" "آج" تھا اور وہ مجھ
 سے مل کر لکھنے کے بعد میں کہیں کہیں چکا تھا لیکن میرا چہرہ
 واپس نہیں جی رہا تھا۔ اس کے سامنے تھا۔ اس کی خوشیوں کو وہام لگتا
 میری لڑنے والی تھی اور سب سے بڑی بات میں نے زمین
 سے دھو کر لکھا تھا کہ ہم ہم آزدی پر سے جڑیں خروار کے
 ساتھ دھو گئے۔

"اگر آپ کو ہمارے نو ذریعہ تو زمین کو میں اپنے ساتھ لے
 جاتا ہوں۔" "فصل نے معتدل انداز میں کہا۔" آپ کو کھر
 کھر کرنا آرام کرتا ہے۔"

"میرے خیال میں، اگر میں کھر سے باہر لگوں گا تو یہ
 میرے لیے زیادہ اچھا رہے گا۔" میں نے جتنی لہجے میں کہا۔
 "اور دوسری بات یہ کہ زمین سے دھو کر آپ نے نہیں، میں
 نے کیا ہے لہذا میں ہی یہ دھو پورا کرنے دیتی۔"

میرے اس دوک انداز کے بعد حریف کسی سوال و
 جواب کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی چنانچہ فصل احمد یہ کہتے
 ہوئے کھر سے لٹک گیا۔

"ٹھیک ہے ساجد بھائی، جو آپ کو مناسب
 لگے۔"

☆☆☆☆

"اولیل" میں اشعر کے پاس تمام سائنس کا
 تھے۔ میری یہ خواہش تھی کہ وہ اکثر بیٹے لیکن اس نے کچھ
 اور ہی سوچ رکھا تھا۔ جب "اے لیل" کی باری آئی تو اس
 نے اپنا فیصلہ سنایا۔

"بھائی جان! میں میتھ، فزکس اور کچھ سائنس لوں
 گا۔" اس نے دوک انداز میں کہا۔

"لیکن میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کے لیے تو فزکس
 کے ساتھ کیمسٹری اور بائیولوجی بھی ضروری ہے۔" میں نے
 سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا۔ "ڈاکٹر بتاتے تو یہ دونوں
 سائنس لازمی لیتا ہوں گے؟"

ایک بات کی وضاحت کر دوں کہ ہم دونوں بھائیوں
 کے درمیان دوستوں ایسی بے لگنی تھی۔ وہ اپنے دل کی ہر
 بات بے درجہ مجھ سے کہہ لیتا تھا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں بھائی جان مگر مجھے
 ڈاکٹر نہیں بننا ہی لیے میں نے اپنے سائنس تبدیل کیے
 ہیں۔" اس نے ہرچیز دیکھ میں جواب دیا۔ "میرا مطلب
 ہے تبدیلی کر کے فیصلہ کیا ہے۔"

"اب مجھے بھی بتا دو کہ آخر میں نے سوائے کیا کیا

ہے۔" میں نے اس کے چہرہ پر کلمہ لکھا تھا۔
 لکھا۔
 "اے لیل! کے بعد سیدھا جانچ کر تک پہنچیں۔
 اس نے بتایا۔" میں سائنس و دیگر کچھ پڑھا تھا ہوں لیکن
 جانچ کر کے صرف آئی لی کا زمانہ ہے۔ مجھے اس کی تعلیم
 اپنا کرتا ہے۔"

"فیصلہ ہو گیا۔" میں نے تائیدی انداز میں
 ہاتھ دے دیے۔ "میں سائنس کے ساتھ ہوں۔ چاہے میری
 تمہارا کام ہے۔ تم اپنا کام لکھتے رہو۔ باقی سب میں
 دیکھ لوں گا۔"

اشعر نے بہت اچھے گریڈز کے ساتھ اسے لیل
 کیا تھا لہذا انھیں تک پہنچ رہی تھی اس واسطے کے لیے اسے
 وقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کے بعد وقت ایسے
 گرا گیا کہ چار سال گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ اشعر
 سائنس و دیگر کچھ پڑھ کر وہ پڑھائی کے اس سلسلے کو
 ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اشعر کو یونیورسٹی کی جانب سے سائنس و دیگر کچھ پڑھ
 ڈگری ایوارڈ ہو چکی تھی اس نے اس سے پوچھا۔ "اب کیا ارادہ
 ہے لوجان؟"

اشعر میں مجھ سے تیرہ سال چھوٹا تھا مگر میں نے
 اسے اپنے ساتھ (خصوصاً والدین کے انتقال کے بعد) اتنے
 فری کر رکھا تھا کہ میں اسے مخاطب کرتے ہوئے۔ بیٹائی،
 لوجان، یا، برو۔ وغیرہ جیسے الفاظ ادا کیا کرتا تھا۔

"میں حریف پڑھائی کے لیے ملک سے باہر جانا چاہتا
 ہوں۔" اس نے میرے سوال کے جواب میں بتایا۔
 "تمہاری پڑھائی تو مکمل ہو چکی؟" میں نے سوالیہ
 اس کی طرف دیکھا۔

"یہ تو میں نے "لی ایس" کیا ہے بھائی جان۔"
 وہ وضاحت کرتے ہوئے لگا۔ "دو سال کے لیے ملک سے
 باہر چلا جاؤں گا تو "ایم ایس" پڑھانے کا یعنی سائنس و دیگر
 انجینئرنگ کی ماسٹر ڈگری میرے ہاتھ میں آجائے گی جس کی
 اپنی ہی ایک دلچسپی ہے۔"

کچھ بات تو یہ کہ میں اشعر کو خود سے دور کرنے کے حق
 میں نہیں تھا۔ آپ اسے میری جذباتی خود غرضی سمجھ لیں کہ میں
 اسے اپنے نزدیک اور اپنی فکر کے سامنے دیکھنا چاہتا تھا۔
 بہر کیف میں نے اس سے پوچھا۔

"ماسٹر ڈگری کے لیے کس ملک جانا چاہو گے؟"
 "میری پہلی ترجیح تو امریکا ہے بھائی جان!" اس نے

جواب دیا۔ "اس کے بعد آسٹریلیا کا مگر ہے۔"
 میں اپنی تعلیم پڑھتا ہوں۔ سادہ سے گریجویٹ
 کے بعد میں پڑھیں میں آگیا تھا اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑ
 لیا۔ پھر میں نے کچھ حریف دیکھا۔ جیسے کہ میں نے بتایا،
 میں اشعر کی چھٹی کو بدداشت نہیں کر سکتا تھا اس لیے اسے
 اپنے قریب رکھنے کا خواہش مند تھا۔ یہ میری بشری کمزوری
 یہ تھی کہ میں اشعر کو تعلیم کی غرض سے بیرون ملک بھیجے
 تھا کچھ اور خدشات بھی مجھے ہوتے تھے۔ سو، میں
 خود غرضی کے علاوہ اس کی بھلائی کا خواہش بھی تھا کیونکہ میں
 نے سادہ دیکھا تھا کہ بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے والے
 لوجان پھر باہر ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شاید ہی ڈر
 سے میں اشعر کو باہر بھیجے کے حق میں نہیں تھا۔ میرے پاس
 اتنے کا دیباہ کچھ تھا۔ مگر اشعر پاکستان ہی میں رہ کر کچھ بھی
 کرنا چاہتا تو میں کسی بھی کی کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

میں نے اشعر کے جذبات اور خوشی کو بے نظر رکھتے
 ہوئے نرم لہجے میں استدعا کیا۔ "بیرون ملک ایڈمیشن کا
 پتہ کب شروع ہوگا اور اس کا طریقہ کار کیا ہے؟"

"پتہ کب اس میں چار پانچ ماہ باقی ہیں بھائی جان!"
 اس نے بتایا۔ "اس دوران میں، میں کنسلٹنسی کلاسز لوں
 گا۔"

"کس قسم کی کلاسز ہوتی ہیں؟" میں نے پوچھا۔
 "شعر کے مختلف حصوں میں خصوصاً سائنس فیل اور
 یونیورسٹی روڈ پر ایسے فرینک سینٹرز کھلے ہوئے ہیں جو تعلیم
 کے حصول کے لیے بیرون ملک جانے کے خواہش مند
 اسٹوڈنٹس کی رہنمائی کرتے ہیں۔" وہ وضاحت کرتے
 ہوئے بولا۔ "وہ لوگ دنیا کی مختلف یونیورسٹی کے بارے
 میں معلومات فراہم کرنے کے علاوہ وہاں ایڈمیشن بھی
 کرواتے ہیں جس کے بعد مختلف ملک کا اسٹوڈنٹ ویزا
 حاصل کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔"

اشعر کے عزم اور جوش خوشی کے سامنے میں نے ہر
 ڈال دی۔ اس کے اعزاز و اطوار کو دیکھ کر مجھے یہ خوبی اعزاز
 ہو گیا تھا کہ اگر میں نے اس کے بیرون ملک تعلیم حاصل
 کرنے کے حق میں فیصلہ نہیں دیا تو اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔
 میں بالی طور پر اتنا مستحکم تھا کہ اس کی بیرون ملک پڑھائی کا
 خدشہ بے آسانی اٹھا سکتا تھا۔ میں اسے ہر حال میں خوش دیکھنا
 چاہتا تھا اور اس کی چاہت کی تکمیل کے لیے میں نے اسے دو
 سال کے لیے باہر بھیجے کا فیصلہ کر لیا۔

میں اسے اشعر کی زندگی میں ایک نیا موڑ آیا۔ آپ

آہا اچھا
 لکھی کچھ ہے ہوں گے کہ شعر اس کا آسٹریلیا جتنے چاہا
 ہوگا اور پھر میں وہیں نہیں آئی۔
 ایسی بات نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہو گیا
 تھا۔ شعر نے سائنس فیل کے جس اہلی لیٹ میں بیٹنگ
 کے لیے داخلہ لیا تھا، وہاں کے اسٹاف میں شامل ایک طرح
 دار حریف سے اسے محبت ہو گئی تھی۔ اس ماہ نہیں کا نام تھا۔

لوجان نے شعر پر اپنے حسن کا ایسا جادو چلا دیا کہ وہ
 بیرون ملک پڑھائی کا خیال ذہن سے نکال کر اس کا ہو کر رہ
 گیا تھا۔ وہ شعر کے حواس پر چھائی تھی اور وہ دل و جان سے
 فروغ کو چاہنے لگا تھا اور اس چاہت میں اتنی زیادہ شہرت
 بلکہ دیباہی بھی کہ شعر نے فروغ سے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔

☆☆☆☆

میں نے ایک کھٹے کے اندر زمین کو اس کی پسند کا سارا
 سامان دلا دیا۔ مذکورہ ساز و سامان میں کافور سے تیار کی
 جانے والی، ڈوری دار سیکڑوں کوئی جھنڈا ہیں، بڑے ساڑ
 کے دو جھنڈے، یوم آزادی سے تعلق رکھنے والا سوٹ، مختلف
 ساڑ اور ڈیزائن کے بیجوز۔ وغیرہ۔ زمین کی خواہش پر میں
 نے ایک مناسب ساڑ کا ٹیکسٹائل اپنی گاڑی پر بھی لگوا دیا تھا۔
 "بیٹائی! آئسکریم کھاؤ گے؟" جب زمین کی شاپنگ
 مکمل ہو گئی تو میں نے بڑے ڈولار سے پوچھا۔

"جی ہاں، ضرور کھاؤں گا۔" اس نے کہا۔
 "مگر۔۔۔!"

اس نے جملہ ادھر اچھوڑا تو میں پوچھے بنانہ روکا۔
 "مگر کیا؟"

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اضطرابی لہجے میں
 بولا۔ "پہلے میں کچھ کھاؤں گا۔ اس کے بعد آئسکریم۔"
 "ڈیل!" میں نے کہا اور پوچھا۔ "میری جان کیا کھاؤ
 گے؟"

"کچھ کر۔۔۔!" اس نے ترنت جواب دیا۔
 "ٹھیک ہے۔ تو پھر ہم دیکھ کر اس طرف چلتے ہیں۔"
 میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "پسٹ پوچھا بھی ہو جائے گی
 اور اسی بہانے ہم سمندر کا نظارہ بھی کر لیں گے۔"
 وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔ "ڈیل۔۔۔!"

کراچی کے رہنے والے یہ بات بہ خوبی جانتے ہیں
 کہ طارق روڈ اور بھاد آباد شہر کے دو ایسے علاقے ہیں جنہیں
 کھانے کی سہولتیں کہا جاسکتا ہے۔ جہاں پر آپ کو کسی
 بدیسی ہر ڈش کھانے کو مل جائے گی۔ میں چاہتا تھا کہ



بس ڈر گیا میری گاڑی سے..... بزدل کہیں گا

کی خواہش مند ہیں۔ مجھے اُمید ہے، پوچھیں آپ کی سمجھ میں آچکی ہوگی۔

اپنی بات کے اختتام پر اشعر نے اُمید بھری سوالیہ نظر سے مجھے دیکھا تو میں نے گہمیر انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے جوان ہے۔ مجھے دو، تین دن سوچنے کی مہلت دو۔ اس کے بعد ہم اس موضوع پر دوبارہ فائنل بات کریں گے۔“

”بھائی جان! آپ سوچنے کے لیے چاہے کتنی بھی مہلت لے لیں لیکن ایک بات طے ہے کہ میں اگر شادی کروں گا تو فروغ سے ورنہ میں شادی کے خیال کو اپنے ذہن سے ہمیشہ کے لیے نکال دوں گا۔“

اشعر ایسا ہی دو ٹوک اور قہری لڑکا تھا۔ میں بچپن سے اسے دیکھتا آیا تھا۔ وہ جو بھی شان لیتا تھا، ہر حال میں اسے کر کے ہی دم لیتا تھا۔ وہ فروغ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ میں فروغ سے فیصلہ کی بات کر چکا تھا۔ وہ اشعر کے لیے مجھے موزوں لگتی تھی لیکن میرے ذہن کے کسی گوشے میں ایک نامعلوم سی بے چینی بھرا کیے ہوئے تھی۔ میں اس ناخوشگوار احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔

اگلے دن میں نے اپنے ہم زلف بھائی احمد سے اس

بات نہیں تھی۔ فروغ کا سراپا اور جو بن کسی بھی مرد کے ہوش پر چھوڑ دیتا تھا۔ اشعر کا انتخاب مجھے پسند آیا لیکن بعض اہم معاملات کی وضاحت ضروری تھی جن میں سرپرست فروغ کی ماں کی طرف سے فوری شادی کا مطالبہ تھا۔ میں ابھی تک امتری بیگم (فروغ کی والدہ) سے ملا نہیں تھا اور نہ ہی ان لوگوں کا اعظم بستی والا گھر دیکھا تھا۔ میری معلومات کے مطابق، امتری بیگم ایک بیمار اور بوڑھی عورت تھیں اور کہیں آتی نہ تھیں تھیں۔ اس کا زیادہ وقت گھر میں ہی گزارتا تھا۔ دو سال پہلے فروغ کے باپ تصدق حسین کا انتقال ہو چکا تھا۔ فروغ کا اور کوئی بھائی نہیں تھا۔ وہ ماں بنی اعظم بستی والے گھر میں جیسے تیسے گزارہ کر رہی تھیں۔

فروغ کو رخصت کرنے کے بعد اشعر نے مجھ سے پوچھا۔ ”بھائی جان! فردوس آپ کو کیسی لگی ہے؟“

”وہ ایک مہذب، خوب صورت اور تیز دار لڑکی ہے۔ میں نے سوچ میں ڈوبے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”کون سی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔“

”آخر ان لوگوں کو شادی کی اتنی جلدی کیوں ہے؟“ میں نے اپنی ابھرنے والی نظر لکھا۔ ”تم نے مجھے یہی بتایا ہے نا کہ فروغ کی ماں ایک ماہ کے اندر شادی پر زور دے رہی ہے۔“

”جی بھائی جان!“ وہ اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ ”میں نے آپ سے ایسا ہی کہا ہے اور اس کا ایک خاص سبب ہے۔“ وہ کچھ بھر کے لیے تھما پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

”ایک نہیں، بلکہ دو سبب ہیں بھائی جان!“ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے وضاحتی انداز میں کہا۔ ”میرا ایک عزیز، والدہ گزشتہ بیس سال سے پھیپھڑوں کے ایک ایسے مرض میں مبتلا ہیں جس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اس وقت وہ ایک چوتھائی پھیپھڑوں کے ساتھ زندہ ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک پھیپھڑا مکمل طور پر ضائع ہو چکا ہے اور دوسرے پھیپھڑے کا تین چوتھائی بھی کسی کام کا نہیں رہا۔ نمبر دو۔“ لہذا تو وقت کر کے اس نے ایک بار پھر گہری سانس لی اور اپنی بات پوری کرتے ہوئے بتانے لگا۔

”اس وقت فروغ کے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں لیکن فروغ ان میں سے کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔“ فروغ نے اپنی والدہ کو میرے بارے میں تفصیلاً بتا رکھا ہے۔ امتری بیگم آنکھ بند ہونے سے پہلے اپنی بیٹی کی شادی

نہیں ہوا تھا۔ میرے خیال میں کسی کو بھی انسان کو مجھے لے بہ بہت کم وقت ہوتا ہے۔ اشعر جذبات کے دباؤ میں فروغ کی حمایت میں جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، میں آنکھیں میچ کر اس پر یقین نہیں کر سکتا تھا تاہم میں نے اسے ابھی سنا سے آگاہ نہیں کیا، مبادا اس کے جذبات کو مجھ سے پھینک دے۔ ”برو!“ میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔ ”تم نے مجھے بتایا ہے کہ فروغ نے اس لڑکی کو سیزر کی جاب چھوڑ دی ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟ میں یہ سن کر جانا چاہوں گا کہ اب وہ کیا کر رہی ہے؟“

”فروغ نے میرے ہی کہنے پر وہ جاب چھوڑ دی ہے۔“ اشعر نے خوش انداز میں جواب دیا۔ ”جبراً ہم نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو پھر فروغ کو وہ معمولی سی جاب کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“

اشعر کے حتیٰ اور دو ٹوک انداز کو دیکھ کر میں کچھ گھبرا گیا کہ وہ اہل فیصلہ کر چکا ہے۔ اس کے لہجے کی مضبوطی اور چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ ہر قیمت پر فروغ سے شادی کا ارادہ باندھ چکا ہے۔ میں اس کی ایک ایک رگ اور ایک ایک اداسے بخوبی واقف تھا۔ میں نے آج تک اس کی ہر فرمائش پوری کی تھی مگر شادی کوئی گڈی گڈے کا مکمل نہیں ہے۔ زندگی کا اتنا بڑا اور اہم فیصلہ آنکھیں بند کر کے نہیں کیا جاسکتا۔ اشعر اس وقت جذبات کے جوار بھانے کی زد میں تھا۔ وہ فروغ کو پانے کی جاہت میں حقائق کے ان زاویوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا جو مجھے کرکل کیلئے نظر آرہے تھے۔

”ٹھیک ہے جوان۔!“ میں نے مصلحت آمیز لہجے میں کہا۔ ”بتاؤ فروغ سے مجھے کب ملواریے ہو۔ جس لڑکی کی محبت نے تمہاری مدد، مدد، چھین لی ہے، میں اس سے ایک بھر پور ملاقات کرنا چاہوں گا۔“

”آپ جب نہیں گئے، میں اسے اپنے ساتھ لے آؤں گا۔“ اشعر نے مضبوط لہجے میں کہا۔ ”وہ بھی کئی بار آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کر چکی ہے۔“

آئندہ روز اشعر نے فروغ کو مجھ سے ملواریا۔ ہماری وہ ملاقات کم و بیش دو گھنٹے کی طوالت کی حامل تھی۔ فروغ نے گریجویشن کر رکھا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک حسین و جمیل اور پُرکشش لڑکی تھی۔ اسے بات کرنے کا سلیقہ بھی آتا تھا۔ اس کی عمر کے حوالے سے میرا اندازہ بھیجیں کہ اریب قریب تھا۔ اس وقت اشعر تیس سال کا تھا۔

فروغ کے تروتازہ حسن اور دل کشی کو دیکھ کر میں کچھ گھبرا گیا کہ اگر اشعر اس کا دیوانہ ہو گیا تھا تو اس میں اچھے کی کوئی

کوشش کرنا تو بہت اچھی بات ہے۔ تمہارے اس فیصلے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔“ میں نے اس کے چہرے پر لگا ہوا کھرا کھرا اور دھم دھم لہجے میں پوچھا۔ ”مجھے بتاؤ، تم نے کس بنا پر ”ایم ایس“ کا ارادہ ترک کیا ہے؟“

”مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔“ اس نے انکشاف انگیز لہجے میں جواب دیا۔ ”میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں بھائی جان۔“

”میں محبت کے خلاف نہیں ہوں اور جہاں تک شادی کی بات ہے تو تم حائل اور بالغ ہو چکے ہو۔ تمہاری شادی تو اب ہو ہی جانا چاہیے۔“ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری تنبیہ کی کہ۔ ”مجھے بتاؤ، وہ لڑکی کون ہے، کیا کرتی ہے، کہاں رہتی ہے اور اس کا نام کیا ہے۔“

میں نے ایک ہی سانس میں متعدد سوالات کر ڈالے تھے۔ اس نے توجہ سے میری بات سنی اور جواب دیا۔

”اس کا نام فروغ ہے۔ وہ اعظم بستی میں رہتی ہے۔ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ گھر میں صرف اس کی ایک بوڑھی بہن ہیں۔ چار روز پہلے ایک حادثہ میں اس کی ایک میں کام کر رہی تھی جہاں میں نے حال ہی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ فروغ نے گریجویشن کر رکھا ہے اور وہ انتہائی خوب ہے مگر میں اس سے بے انتہا محبت کرتا ہوں اور۔۔۔۔۔ اور میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں بھائی جان۔“ فروغ بھی مجھے بہت زیادہ چاہتی ہے۔“

”غریب ہونا کوئی عیب یا گالی نہیں ہے بیٹا جی۔“ میں نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”انسان کے پاس صرف دو چیزیں ہونا چاہئیں۔ باقی سب کچھ آتی جاتی ہے۔“

”کون سی دو چیزیں بھائی جان؟“ اس نے پوچھا۔

”دیکر یکٹر اور کنٹ۔۔۔۔۔!“ میں نے معتدل انداز میں جواب دیا۔ ”اگر کوئی انسان صاحبِ کردار ہے اور زبان کا ٹکڑا ہے تو ان دو خصوصیات کے مدد سے اس کی دس خاتونیں کو بھرا انداز کیا جاسکتا ہے۔“ لہذا تو وقت کر کے میں نے ایک گہری سانس لی پھر اشعر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”تم نے فروغ کو کیا پایا ہے؟“

”وہ مجھے کردار کی مضبوط لگی ہے اور ایقائے عہد پر بھی اس کا یقین ہے۔“ اس نے جواب دیا۔ ”ہم دونوں کی پسند اور ناپسند بھی ایک جیسی ہیں۔ ہم دونوں ایک ساتھ بہت خوش رہیں گے۔“

اشعر اس بات پر حائل ہو گیا تھا تو اس میں اچھے کی کوئی

موسم پر سنجیدہ گفتگو کی۔ اسے اس معاملے کی سُن گئی تھی لیکن جب میں نے اسے تفصیل سے بتایا تو اس کے چہرے پر اچھن بھرے تاثرات اُبھر آئے۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے ہنسنے لگے۔

”ساجد بھائی! آپ مجھ سے بڑے ہیں اور میں آپ کو خود سے زیادہ محکم منہ بھی سمجھتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ اشعر سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی میں آپ کو اپنی رائے دینے میں کسی تردد یا ہچکچاہٹ سے کام نہیں لوں گا کیونکہ آپ نے مجھ سے مشورہ مانگا ہے اور اس حال سے میں اس بات کا قائل ہوں کہ مشورہ دینے وقت سامنے والے کی پسند، ناپسند یا خوشی، غصہ کو نہیں دیکھنا چاہیے۔“

”آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ میں نے تائیدی انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”آپ اپنی رائے دیں۔ میں توجہ سے سُن رہا ہوں۔“

”آپ کے بیان کردہ حالات و واقعات کی روشنی میں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ مسئلہ اصل میں ٹاٹ کے پوند ایسا ہے اور میرے ایسا سمجھنے کی خوشی دیتا ہے۔“ عقیل احمد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”فردوخ کی ماں اگر تیس سال سے پیچھڑوں کے کسی مہلک مرض میں مبتلا ہیں اور اب تک زندہ ہیں تو وہ دو سال اور بھی زندہ رہ سکتی ہیں۔ اللہ سے اچھے کی امید رکھنا چاہیے۔ میرے خیال میں اشعر کو کمپیوٹر سائنس میں ”ایم ایس“ کرنے کے لیے ملک سے باہر ضرور جانا چاہیے۔ باقی رہا یہ سوال کہ فردوخ کے دو تین رشتے آئے ہوئے ہیں تو اس کا بھی ایک آسان ساحل موجود ہے۔“ وہ سانس ہموار کرنے کی غرض سے متوقف ہوا پھر اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”آپ فی الحال اشعر اور فردوخ کی گفتگو کر دیں اور وہ بھی مناسب چھان بین کے بعد دو سال کے بعد جب اشعر اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آئے گا تو ان کی شادی کر دیجیے گا۔ ایک دور ان میں اگر فردوخ کو کوئی جاب نہیں کرنا تو ہم ان ناں مالی کی قلت کی ذمہ داری اٹھالیتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم انہیں اعظم ہستی جیسے پسماندہ علاقے سے نکال کر کسی مناسب جگہ پر چھوٹا سا گھر دلوا دیتے ہیں۔ اس طرح ان کی زندگی کا معیار کچھ بہتر ہو جائے گا۔ دو سال کوئی طویل عرصہ نہیں ہے ساجد بھائی۔ آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا اور اشعر اپنا ”ایم ایس“ کر کے واپس آجائے گا۔ اس دوران میں آپ کو فردوخ اور اس کی ماں کو کھینچ کر اپنے گھر لے جائے گا۔ اس بات کے

روشن امکانات ہیں کہ اگر فردوخ کی ماں کا وضع کیا جائے تو اس کی صحت کو سنبھالا جاسکتا ہے۔“ عقیل احمد کا مشورہ ہر لحاظ سے جتنی برحق تھا اور اشعر معقول تھا۔ میں نے توجہ سے اس کی بات سُنی اور اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

”ٹھیک ہے میں اشعر سے بات کرتا ہوں۔“

”اشعر اگرچہ پوری طرح جوان ہو چکا ہے لیکن شادی، زندگی بھر کا معاملہ ہے ساجد بھائی۔“ عقیل احمد نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”اس وقت اشعر پر فردوخ کی بھرتی بھرتی سوار ہے اور یہ بھرتی انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو معطل کر دیتا ہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں اسے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں؟“

”پہلے میں اس سے بات کر لوں۔“ میں نے سرکاری انداز میں کہا۔ ”باقی سب بعد میں دیکھیں گے۔“

میرے اس جواب پر عقیل احمد خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد ”ابنی“ ہو گئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دروازے کا کام کیا۔“ کے مصداق اشعر کو مقبولیت کی راہ پر لانے کی ہر کوشش بے سود ثابت ہوئی۔ اس کی سوچ کی سوتلی ایک ہی مقام پر ٹانگ کر رہ گئی تھی اور وہ نازک مقام کچھ اس قسم کا تھا۔ ”مجھے کسی بھی قیمت پر پڑھائی کے لیے ملک سے باہر نہیں جانا۔۔۔۔۔۔ مجھے جلد از جلد فردوخ سے شادی کرنا ہے۔ اگر میری اس خواہش کو پورا نہ کیا گیا تو میری زندگی کا کوئی مقصد باقی نہیں رہے گا۔ وغیرہ۔“

میں اشعر کی بے وقوفی کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا مگر اسے اس حقائق سے باز رکھنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ فردوخ کی محبت میں اندھا ہو چکا تھا اور میں اس کی محبت کے ہاتھوں مجبور اور لاچار۔ کافی سوچ بچار کے بعد میں نے اس خیال سے اشعر کی بالک ہٹ کے سامنے کھٹکے دیے۔

”زیادہ سے زیادہ کیا ہوگا؟ یہی ناکہ اشعر کا یہ تجربہ ناکام رہے گا۔۔۔۔۔۔ ہو جانے دیتا ہوں۔۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے، اس ٹھوکر کے بعد اس کے سوچنے کے انداز میں کچھ آجائے اور میں ممکن ہے، جذبات کی رو میں کیا گیا یہ فیصلہ سرخ رو ہو جائے۔“

میں نے اشعر کی خوشی کی خاطر اس کی ضد مان لی۔

☆☆☆

میں اور زین جب واپس آئے تو عقیل احمد نے ایک پھولا ہوا شاہنشاہ بیگ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”یہ زین کے لیے ہے۔“

میں نے مذکورہ بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور پوچھا۔ ”اس میں کیا ہے؟“

”آپ خود ہی دیکھ لیں بھائی!“ وہ معنی خیز انداز میں بولا۔

میں نے شاہنشاہ بیگ کو کھول کر دیکھا۔ اس کے اندر فیروز لائسنس کی بہت ساری لٹریاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ رنگ رنگی خوش نما جل بچھ ہونے والی لائسنس آپ نے عید میلاد النبیؐ کے موقع پر، ہر گھر میں روشن دیکھی ہوں گی۔ بجلی سے چلنے والی یہ فیروز لائسنس مختلف انداز میں جل بچھ کر حسین اور دلکش مناظر پیش کرتی ہیں اور دیکھنے والی ہر آنکھ کو بھائی اور ہر دل کو بھائی ہیں۔

ہم بھی سجاد کا کافی سامان خرید لائے تھے۔ بس تو پھر ہم سب مل کر کام سے لگ گئے۔ عقیل احمد اور اس کی بیوی ماڑہ بھی بڑے بھرپور انداز میں ہماری مدد کر رہے تھے۔ ہندو ایک سے ڈیڑھ گھنٹے میں ہم نے اس دو منزلہ مکان کو طرے اور سیلے سے سجا دیا۔ اس ”معمروفیت کے دوران میں بعض پردہ پوش نے ہمیں بڑی عجیب سی نظروں سے بھی دیکھا لیکن ہم نے خصوصاً میں نے کسی کی پروا نہیں کی۔ ان میں سے کوئی بھی اپنی جگہ غلط نہیں تھا۔ جس گھر سے چند گھنٹے پہلے ایک چٹا زہرا اٹھا ہوا وہاں اس نوعیت کی جوش بھری سرگرمیوں کا کوئی تصور نہیں کر سکتا مگر۔۔۔۔۔۔ اپنی جگہ میں بھی غلط نہیں تھا۔ میرا بڑا ”بیٹا“ پوٹو خاک ہو چکا تھا۔ میں اسے واپس نہیں لا سکتا تھا۔ ہاں، لیکن میں اپنے چھوٹے بیٹے کی خوشی کو ضرور پورا کر سکتا تھا اور۔۔۔۔۔۔ میں وہی کر رہا تھا۔

جب تیرہ اگست نے جودہ اگست کے دروازے پر دھک دی تو شہر میں جیسے ایک بھونچال سا آگیا۔ بے دریغ فائرنگ کی خوف ناک آوازیں، آتش بازی، لوگوں کا ہلکا سا ہلچلنگی ہوئی موٹر بائیکس کا بے ہنگم اور بیزار کن شور۔۔۔۔۔۔ انہیں ایسا محسوس ہوتا تھا، پورا کراچی گھروں سے باہر نکل آیا ہو۔ میں نے زین کو عقیل احمد اور ماڑہ کے پاس چھوڑا اور اپنے کمرے میں آکر لیٹ گیا۔

میں نے جیسے ہی آنکھیں بند کیں، اشعر کا چہرہ بند آنکھوں کے پیچھے روشن ہو گیا۔ وہ چہرہ جو زندگی کے آخری لمحات میں بے بسی، لاچار، ناامیدی اور نامرادی کی عبرت برائے دہر بنا ہوا تھا۔ اشعر کی یہ حالت مجھ سے دیکھی زندگی اور میں نے ہر بڑا کرا آنکھیں کھول دیں۔

میں اشعر کی زندگی کے ان دنوں کے بارے میں سوچے لگا جب اس کی خوشیوں کو کسی بدخواہ کی نظر لگ گئی تھی۔

آزاد سی

فردوخ سے اس کی شادی کو لگ بھگ ایک ماہ ہوا تھا۔ ایک سب سے اچھے تھانے۔

”بھائی جان! فردوخ لگ رہے ہیں کہ خدا کر رہی ہے۔“

”کیسا اس گھر میں اسے کوئی تکلیف ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”میرے خیال میں ایسی تو کوئی بات نہیں۔“

”تم نے فردوخ سے پوچھا کہ وہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟“

”ہاں، اس شخص پر میری اس سے تفصیلی بات ہو چکی ہے۔“ اس نے بتایا۔ ”فردوخ کا کہنا ہے کہ یہ اس کی نہیں بلکہ اس کی ماں کی خواہش ہے۔ اسفری بیگم یہ چاہتی ہیں کہ ہم دونوں میاں بیوی الگ گھر میں رہیں اور وہ گھر فردوخ کے نام سے ہو۔ میرا مطلب ہے، مذکورہ گھر فردوخ کے نام سے خریداجائے۔“

”اس بڑھیا کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟“ میں نے بے حد کڑوے لہجے میں کہا۔ ”وہ قبر میں لٹائے بیٹھی ہے اور نت نئے فتنے جگانے سے اسے فرمت نہیں ہے۔“

”بھائی جان!۔۔۔۔۔۔!“ اشعر نے بے بسی کی آنکھوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”میں فردوخ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔“

”تو تم بھی یہی چاہتے ہو کہ میں فردوخ کے نام سے ایک گھر خریدوں جہاں ہم دونوں ازدواجی زندگی گزار سکیں؟“

میں نے اشعر کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سپاٹ آواز میں سوال کیا۔

”بھائی جان! مجھے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا۔۔۔۔۔۔ وہ ہندو بڑا انداز میں بولا۔ ”لیکن دوسرا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔“

”کیا تم نے فردوخ کو سمجھانے کی کوشش کی؟۔۔۔۔۔۔“

”ہر کوشش کر کے دیکھ چکا ہوں بھائی جان مگر فردوخ ایک ہی بات پر اڑی ہوئی ہے۔“ وہ روہاسی آواز میں بولا۔ ”وہ کہتی ہے کہ اگر اس کی ماں کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔ اگر فردوخ چلی گئی تو۔۔۔۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑی اور وحشت زدہ نظر سے مجھے دیکھنے لگا۔

میرے جی میں تو آئی کہ اسے کہہ دوں۔۔۔۔۔۔ ”اے اے اے اے! اس سبکی عورت سے کہہ دے، ہل کی جاتی، ابھی دفع ہو جا۔۔۔۔۔۔“ لیکن میں نے اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے معتدل انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے جوان! مجھے سوچنے کے لیے ایک ہفتہ کا وقت دو۔ انشاء اللہ! میں اس مسئلے کا کوئی پائے دار حل نکال دوں گا۔“

کامیابی اسی کو ملتی ہے جو ثابت قدم اور مستقل رہتا ہے۔
اپنی منزل کی جانب گامزن رہتا ہے۔ وقت کی ایک سیڑھی
سفاک کرٹ ہے اس کے جیون میں بھی زہر گھول دیا تھا۔
ناکردہ جرم کی پاداش میں اس کا لڑکپن اور جوانی بید و بند کی
صعوبتوں کی نذر ہو گئیں۔ زمانہ اسیری نے ایک طرف اس کے
دل و دماغ پر صدمات کے ان من نقش چھوڑے تو دوسری
جانب اس نے جلم و پیر کا بحر بے کنار اپنے وجود میں سمیٹ لیا۔
اس نے آزاد عملی میدان میں قدم رکھا تو لت نے دشمنوں سے
اس کا سابقہ پڑا۔ جلد ہی اس پر منکشف ہوا کہ خالق نے اسے
زمینی خدائی کی سرکوبی کے لیے تخلیق کیا ہے۔ مقصد حیات
واضح ہوا تو اس نے خود کو منشیانہ قدرت کے سامنے سرنگوں
کر دیا۔ اس کا زار فنا و بقا کی اہلہ پا چند جہد میں ایک دل
اشیں یہ جبین اس کی رفیق سفر نہیری۔ اپنے اطراف میں
پھیلی تین ہند لہریں کو برداشت کرتے ہوئے اس کا سفر
جاری تھا جہاں بھیدیوں کا سازشی ذہن دنیا پر حکمرانی کا
اپنا خواب شرمندہ تصور کرنا چاہتا تھا۔

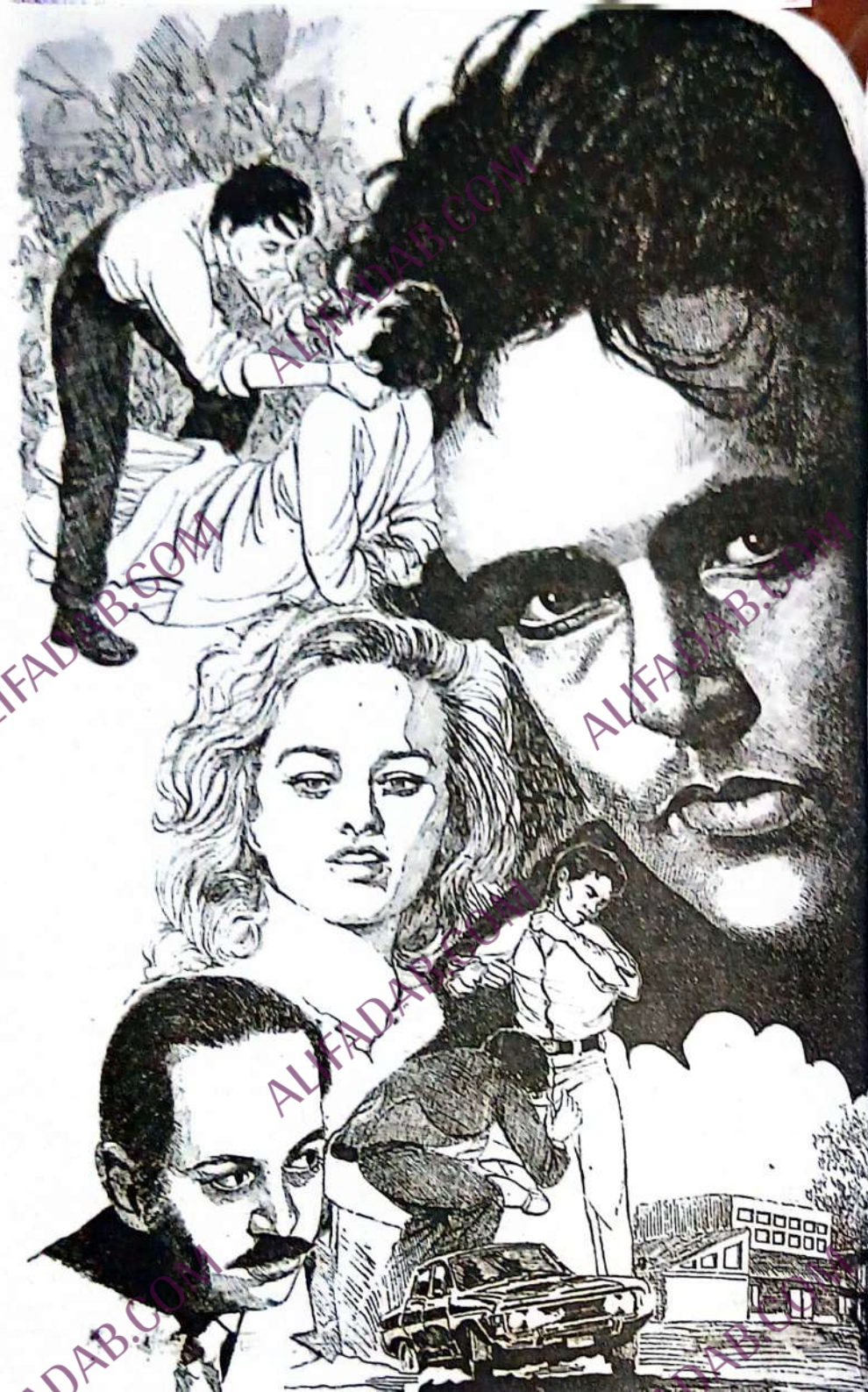
چند لوگوں میں زندگی بدل دینے والے ہمارے ہنوں کی ہوش ربا چیزیں

آنکھ کھلی تو جام نے خود کو ایک ایسے مقام پر پایا ہے
جموڑا مندا جگہ کہا جاسکتا تھا۔ وہاں گلستان بھی تھا اور گیٹان بھی۔
اس ارض کے کچھ حصے جنگل ہاں تھے تو بعض مقامات کو سبز و
شاداب جمنستان کی حیثیت حاصل گی۔

آنکھ کھلتے ہی اسے پہلا احساس یہ ہوا کہ وہ کسی سخت اور سٹ
جگہ پر لینا ہوا ہے۔ اس نے دائیں کرٹ لے لی تھی اور اس کے
کھٹے پیٹ کے اندر گھسے ہوئے تھے۔ اس نے اٹھ کر بیٹھے کی
کوشش کی تو تکلیف کی شدت سے کرا دیا۔ جان نکال دینے والا
دوسرا کی بائیں ران میں جاگ تھا۔ بے ساختہ اس کا ہاتھ ٹانگ
کے متاثر حصے پر چلا گیا جس کے بعد اس کی یادداشت میں روشنی
اجھسا کا سا ہوا اور اس تکلیف کا پس منظر آئینہ میں اجاگر ہو گیا۔

جام کو اچھی طرح یاد تھا۔ وہ اولگ کے ساتھ کروڑ شپ پر
ار تھا۔ نین اکتوبر کی سچ وہ اور اولگ تاشے کے بعد شپ کے
نئی برج پر موجود تھے۔ وہ دونوں اپنے ذاتی مسائل پر انتہائی
بے شکوکہ کر رہے تھے کہ تیرے شخص نے اولگ سے شامانی ظاہر

تے ہوئے اس کا ہاتھ چل لیا تھا۔ اولگ اس پر تنبیہ کر رہا تھا کہ
جانی گی۔ جام نے اس سے کہنے کوئی الاکان نظر انداز



کرتا چلا گیا تھا۔ اسی بے اختیاری کے دوران میں اس نے اولک کے حشر سے اپنا اصل نام بھی سنا تھا۔ یہ اس کے لیے مقامِ حشر تھا۔ وہ اولک سے شہد و سوالات کرنا چاہتا تھا مگر اس نے جاسم کو اس کا موقع نہیں دیا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ اولک کو سوپ چکا تھا اور کسی رپوٹ کے مانند اس کے ہر دم کی فیصل کر رہا تھا۔ اولک نے کہا، آنکھیں بند کر لو۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اولک نے حکم دیا، آنکھیں کھول لو۔ اس نے آنکھیں کھول دی جس لیکن اس دوران میں کتاوت گزر گیا اور اس کے ساتھ کیا حالات و واقعات پیش آئے، اس کی جاسم کو مطلقاً خبر نہیں تھی۔ آنکھیں کھولنے کے بعد اسے سب سے پہلے اپنی ٹانگ کی تکلیف کا احساس ہوا تھا اور اس نے خود کو اپنی ماحول میں پایا تھا جہاں اولک کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی وہ کروڑشپ پر تھا۔

وہ دیر سے دیر سے مرہم پٹی شدہ ٹانگ کو سہلانے لگا۔ ٹانگ کے اچانک حرکت میں آنے سے تکلیف کی جواہر بھی تھی، اب اس اذیت میں کافی کمی واقع ہو چکی تھی۔ وہ ابھی تک سچ جگہ پر ہی لیٹا ہوا تھا۔ اس کا ہاتھ کر بیٹھے کو بہت جی چاہ رہا تھا اور اس خواہش کو ایک مخصوص انداز سے ہمیز کر دیا۔ وہ سمندری موجوں کا دلکش اور مدھم مدھم متاثرہ جالنگھ کو بہ احتیاط سنبھالے اٹھ کر بیٹھ گیا اور بھی اسے چا چلا کہ وہ ایک چٹان پر موجود تھا اور اس کے چاروں طرف تاحہ نکاح نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ اسی لمحے ایک آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”تو تم جاگ گئے۔“

بے ساختہ اس نے گردن گھما کر اس سمت دیکھا جہاں سے وہ آواز آئی تھی۔ اگلے ہی لمحے ایک بچہ اس کی نگاہ میں آ گیا۔ مذکورہ بچے کی عمر گیارہ سے بارہ سال رہی ہوگی مگر جاسم نے جو آواز سنی تھی، وہ کسی بالغ لڑکی یا عورت کی تھی۔

جاسم اس بچے اور نسوانی آواز کے بارے میں سوچ رہی رہا تھا کہ وہ بچہ ناقابلِ یقین رفتار سے چلتے ہوئے اس کے نزدیک پہنچ گیا اور اسے اپنے قریب دیکھ کر جاسم کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ کوئی اور نہیں، ایضاً تھی۔

”ائیش..... تم یہاں؟“ جاسم نے قویٰ خیز نظر سے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ”تم تو مرغ پر چلی گئی تھیں۔ وہاں تمہیں اپنی برادری کے لوگوں کے مسائل کو دیکھنا تھا۔ ہماری الوداعی ملاقات بھی ہو گئی تھی، پھر یہ سب کیا ہے۔ کیا میں بھی اس وقت تمہارا ساتھ مرغ میں ہوں.....؟“

”ہاں! ایضاً میں نے اس گردن ہلاتے ہوئے“

جواب دیا۔ ”یہ تمہاری ہی دنیا کا ایک حصہ“ کوزل آئی لکھ رہی ہے۔ تم یہاں کیسے پہنچے، میں بعد میں بتاؤں گی۔“ جاسم نے اس مفروضہ پر (جریرے) کے بارے میں جھگڑا کر دیا۔ وہ جاسم کے سامنے بیٹھی تھی اور ان الفاظ میں اٹھ کھڑی ہو کر دلی، یہ جان کا رویہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ آئندہ چند روز میں اس کے ساتھ اسی جریرے پر گزریں گی۔

”اولک۔“ جاسم نے سرسراہٹ ہوئی آواز میں کہا۔ بے چینی سے گردنوں میں نگاہ دوڑائی۔ وہ میرے ساتھ کروڑشپ پر تھی۔ ”وہ افسردہ لکھنے میں یوں.....“ جیسے کوئی لگتی تھی اور..... اور..... اولک کہاں ہے۔“

”اگر تم اسی طرح سوال پر سوال پوچھتے چلے گئے تو میں جیسوں وہ نہیں بتا پاؤں گی جس کا جانتا تھا میرے لیے انتہائی اہم اور ناگزیر ہے۔“ ایش نے سائٹ آواز میں کہا۔ ”میرے پاس وقت بہت کم ہے اور کہنے کو بہت زیادہ بات سمجھ میں آ رہی ہے نا۔“

”ٹھیک ہے۔“ جاسم نے موقع محل کی مناسبت سے عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب میں کچھ نہیں کہوں گا، تم بولتی جاؤ۔“

”کوزل آئی لینڈ کم ویش ایک مرغی کلومیٹر کے رتبے پر پھیلا ہوا ایک الگ تھلک اور عجیب و غریب چھوٹا سا جزیرہ ہے۔“ ایضاً نے ٹھہرے ہوئے لکھنے میں بتانا شروع کیا۔ ”اور اس ٹاپو کی کل آبادی دونوں پر مشتمل ہے جن میں سے ایک کا نام جاسم اور دوسری کا نام اولک ہے جو کچھ دیر پہلے ہی کوزل آئی لینڈ پر آ کر آباد ہوئے ہیں اور وہ بھی چند دن کے لیے.....“

ایضاً نے لحاظی توقف کیا تو جاسم نے حسبِ وعدہ خاموشی اختیار کیے رکھی حالانکہ ایش کے اکتشاف نے اس کے اندر سوالات کا ایک طوفان اٹھا دیا تھا۔ وہ بادی خلوت ایسی ہی ہلا دینے والی باتیں کیا کرتی تھی اور جاسم اب اس کا عادی ہو چکا تھا۔

”بڑا عظیم افریقا اور بڑا عظیم انٹارکٹیکا کے درمیان لگ بھگ ساڑھے پانچ ہزار کلومیٹر کی دوری ہے اور یہ سارا علاقہ بحر اوقیانوس نے گھیر رکھا ہے۔“ ایضاً، جاسم کے چہرے پر نگاہ جما کر اپنے بیان کو آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔ ”کوزل آئی لینڈ دراصل ساؤتھ افریقا کے آخری ٹھہرے کیپ ٹاؤن سے تین ہزار کلومیٹر جنوب میں واقع ہے۔“ کوزل آئی لینڈ اور انٹارکٹیکا کے درمیان ڈھائی ہزار کلومیٹر

کی مسافت ہے اور یہ کرم حیران ہو جاؤ گے کہ اس جزیرے کا ذکر با واسطہ قرآن مجید میں بھی کیا گیا ہے۔“

”کہاں..... کس جگہ..... کس سورۃ میں.....؟“ جاسم نے جاسوسی ٹونہ پر۔ ”میں نے بھی قرآن پاک کو کتر بے کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجھے تو کہیں بھی کوزل آئی لینڈ کا ذکر نہیں ملتا۔“

”تم خاکی حقوق بہت ہی جلد باز اور بے مہرے“ ایش نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔ ”اگر تم نے میرے ادا کیے ہوئے لفظ با واسطہ“ پر ذرا سا بھی غور کیا ہوتا تو میں تیرے سوال نہ کرتے۔ بہر کیف.....“ وہ لمحے بھر کے لیے سچی پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔

”تم نے مجھ سے کوزل آئی لینڈ کا ریفرنس ملا ہے تو سنو، اس ٹاپو کے اطراف میں تمہیں جو پانی نظر آ رہا ہے، یہ حقیقت دو سمندروں کے باہمی ملاپ کا مقام ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ الرحمن کی آیات انہیں اور میں میں کیا گیا ہے۔“

”اوسانی گاؤ.....!“ جاسم نے سرسراہٹ ہوئی آواز میں کہا اور ایک سخت آنکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”اسی نے دو دریا (سمندر) رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں۔“ اس نے سمندر پر نگاہ جما کر بے ساختہ کہا۔ ”اس کے باوجود بھی دونوں میں ایک آڑ ہے جو انہیں ملنے نہیں دیتی.....“ پھر وہ ایضاً کی طرف متوجہ ہوا اور افسردہ لکھنے میں بولا۔

”ائیش!“ اس نے سمندر کے ایک مقام کی جانب اشارہ کیا اور کہا۔ ”وہ دیکھو، نیلے رنگ کا پانی، مگر بے نیلے رنگ کے پانی سے ٹکرا رہا ہے مگر یہ دونوں پانی آپس میں مل کر ایک نہیں ہو رہے۔ ایسا رواج پرور نظارہ میں نے پہلے بھی نہیں دیکھا۔“

”نیللا پانی دراصل بحرِ ہند ہے جس کی کثافت (تمکثات کا تناسب) اور درجہ حرارت بحر اوقیانوس سے کہیں زیادہ ہے اسی لیے وہ کم کثافت والے بحر اوقیانوس کے ٹھنڈے اور گہرے نیلے پانی کے ساتھ مل تو رہا ہے مگر اس میں شامل نہیں ہو رہا.....“ ایش نے گہری تنجید کی سے کہا۔ ”ایسے خوب صورت مناظر تمہاری دنیا میں دو دریا مقامات پر بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ نمبر ایک..... جب امریکی ریاست الاسکا کے نزدیک بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل اور بحر ہند ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ خیر.....“ وہ لمحے بھر کے لیے رکی پڑ جال کیا۔

”تمہاری انکس کی تکلیف کی ہے؟“ ”اور..... میں تو اپنی انکس کو کھول ہی چکا تھا۔“ جاسم نے افسردہ لکھنے میں کہا۔ ”کہاں..... کہاں..... میں نے اس میں اب کچھ سا بھی دو گھنٹوں نہیں دی.....“ پہلے تو میں اس کی انکس کھول رہا تھا اور پھر میں پاپا ایک اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور..... اور اب..... ٹھیک ہو چکا ہے۔“

”ہاں، تمہاری ٹانگ کا ڈرم بھر گیا ہے لہذا اس کی دیکھو۔“ وہ بیان ہٹا کر میری باتوں پر توجہ دے دیا۔ ”نہایت نے معتدل انداز میں کہا۔ ”بس، آج کا دن اپنی زندگی رہنے دو۔ میں کچھ کھول دینا۔ میں نے کوئی ٹھکانہ لگا دیا۔“

”جسٹ کارک مرہم لگا دیا ہے۔“ ”اس مرہم کا روی کے لیے تم نے مجھے بے لاس تو کیا ہو گا ایش!“ جاسم نے جیسے ہوئے شریر لکھنے میں استفسار کیا۔ ”کیونکہ پٹی تو میری چانگہ پر بندھی ہے جو میری ہڈیوں کے اندر ہے؟“

”اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ میں نے کب کب تمہارے ساتھ..... کیا کیا، کیا ہے۔“ وہ جھپٹاتے سے عاری لکھنے میں بولی۔ ”کیونکہ میں جو بھی کرتی ہوں اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد چھپا ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کہ تمہارا دماغ میں اولک کا خیال آجائے.....“ وہ بات کو ادھورا پھوڑ کر گھنے درختوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے جاسم سے مستفسر ہوئی۔

”جس میں وہ، ہٹ نظر آ رہا ہے نا.....؟“ جاسم نے اس کی بتائی ہوئی سمت میں دیکھا۔ اس طرف گھنے درختوں کا ایک ٹہنڈا تھا جن کے اندر ایک ہٹ نظر آ رہا تھا۔ جاسم نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے ٹھہر جواب دیا۔

”ہاں!“ ”اولک اس ہٹ کے اندر سکون کی فینڈ سوری ہے اور اس کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ ہر لحاظ سے بے عافیت ہے۔“ ایضاً نے سلی بھرے انداز میں کہا۔ ”تم زخمی تھے، اس لیے تمہاری آنکھ جلدی کھل گئی۔ میرے جانے کے بعد اولک بھی بیدار ہو جائے گی۔“

”ائیش! تمہاری باتوں سے تو میں بھی سمجھ پایا ہوں کہ تم ہی نے مجھے اور اولک کو کروڑشپ سے یہاں پہنچایا ہے۔“ جاسم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔ ”کروڑشپ“ اسی ایکسٹنٹ، ”جو جب مجھے کوئی بھی تو تم میرے آس پاس موجود تھیں اور تم ہی نے اولک کے جسم پر

”وہ مجھ سے بڑی جادوئی ہے۔ ایسا کیوں؟“
 ”تاجہ کی شکل اور فطرتی کاسمب ہم ہو جاسم“
 وہ ہارنے صاف گولی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری
 ہے اچانک لے اے تم سے دور کر دیا ہے۔ اس، اگلی بات
 ہے۔“

”میں جانتی ہوں، اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔“ وہ
 سٹائی فٹن کرتے ہوئے بولا۔ ”میں اپنے حالات سے مجبور
 ہوں۔“

”ہاں، میں جانتی ہوں۔“ وہ اثبات میں گردن
 ہلاتے ہوئے بولی۔ ”لیکن اس میں تاجہ کا بھی کوئی قصور
 نہیں۔ وہ اپنے احساسات سے مجبور ہے۔“

”اور وہ پلی والا۔۔۔“ جاسم نے سوالیہ نظر سے
 اس کی طرف دیکھا۔

”ایشان صرف پنی والا لوجوان، تاجہ پر لائن ضرور
 مار رہا ہے اور وہ بھی اعلیٰ قضاوس کے اندر رہتے ہوئے،
 مٹری ماحول کے مطابق، اس کے ساتھ گرم جوشی سے پیش
 آرہی ہے لیکن اس کے دل میں ایشان کے لیے کچھ بھی نہیں
 ہے۔ تم خواہ لوہ اس پنی والے ہڈی لوجوان کو اپنا رقبہ
 نہ کھو۔ وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تاجہ کی زندگی
 میں تمہارے سوا اور کوئی مرد نہیں ہے۔“
 جاسم ایک گہری، اطمینان بخش اور سکون آور سانس
 لے کر رہ گیا۔ ایشان نے اس کے دل پر سے ایک بہت بڑا
 بوجھ اتار دیا تھا۔

”بس، ایک آخری سوال۔۔۔“ جاسم نے
 ایشان کی طرف سے کہا۔ ”اس اوگلا کا کیا کروں؟“
 ”پچھلے دو، تین روز سے جو کر رہے ہو، اگر وہ ٹھیک
 نہیں لگ رہا تو پھر اس کی پیشکش کو قبول کر لو۔“ ایشان نے
 متنی خیر انداز میں کہا۔

جاسم پوچھے بنانہ رہ سکا۔ ”ایٹس اتم کس پیشکش کی
 بات کر رہی ہو؟“

”وہ تمہاری خاطر، مذہب اسلام قبول کرنا چاہتی
 ہے۔ وہ ایک ایک لفظ پر دباؤ ڈالتے ہوئے گہری سنجیدگی
 سے بولی۔ ”تم اس کی خاطر اس کی خواہش پوری کر دو۔“
 ”مطلب۔۔۔ میں اوگلا سے شادی کر لوں۔۔۔؟“
 ”تو اس میں برائی کیا ہے مگر۔۔۔“

ایشان نے بات ادھوری چھوڑی تو جاسم نے الجھن
 زدہ لہجے میں استدعا کی۔ ”مگر کے بعد ایٹس؟“
 ”مجھے پس لگا کہ اوگلا زیادہ عرصے تک تمہارے
 ساتھ رہے۔“

ساتھ رہے گی۔“ وہ سمجھ آواز میں بولی۔ ”اے تمہارے
 دوست کی تمہاری جیت چکا ہے؟“
 ”ہاں۔۔۔“ جاسم نے کہا۔ ”مگر وہ رقی ہو ایٹس؟“ جاسم نے
 ایشان کی طرف سے استشار کیا۔

”میں نے سوال کا جواب دینے کے بجائے ایشان نے
 ایک اشارہ کیا کہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سٹائی آؤ
 میں کہا۔ ”میرے پاس کے بعد اس پر پے کو کھول کر پڑھا
 اور اس پر درج آیات کا ایک حصہ پاس کرنا اور۔۔۔ اب تم
 بھی جاؤ۔“

”کہاں۔۔۔ میں کہاں جاؤں؟“
 ”اوگلا بیدار ہونے والی ہے۔“ ایشان نے جواب
 دیا۔ ”اگر اس نے جیسے میرے ساتھ دیکھ لیا تو تمہارے
 لیے جواب دہی دشوار ہو جائے گی۔ اس نے پہلے ہی جیسے
 اپنے خطرناک سوالات کی باز پر کھما ہوا ہے۔“

کوئی سوال کیے بغیر جاسم پوچھل قدموں اور جھکی
 گردن کے ساتھ، درختوں کے ٹھنڈے میں سے ہوتے
 جھونڈے (ہٹ) کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

وہ حیرت ناک اور مستی خیز منظر اگر براخا کے بجائے
 کسی اور انسان کے پیش نظر ہوتا تو اس کا ذہن اس آنکھوں
 دیکھی حقیقت کو کسی قیمت پر تسلیم نہ کرتا مگر وہ تو میڈم براخا
 تھی، قبالہ جیسے دنیا کے استہانی زوداثر اور خوف ناک جادو کی
 ماہر۔ تمام ملوہ حریات پر گہری نگاہ رکھنے والی حسین و جمیل
 سحر طراز۔ پٹائزم اور مسریم ایسے نفسیاتی معاملات کے
 توسط سے ظہور پذیر کی جانے والی کرشمہ کاریوں میں اس کا
 کوئی غلط نہیں تھا۔ بلاشبہ، وہ ایک بے مثال ”پٹائٹک“
 (Hypnotic) تھی مگر اس کا کیا کیجیے کہ بعض اوقات
 بڑے بڑوں کے حوالے بھی دھوکا کھا جاتے ہیں۔
 دوسروں کے لاشعور اور تحت الشعور سے کھیلنے والی اس
 جادوگر کی کے حواس بھی جزوی فریب کا شکار ہو گئے تھے۔
 براخا کی آنکھوں نے دیکھا، اوگلا نے اپنے ساتھ ٹوبان
 (جاسم) کو ٹپٹی پورٹ کر لیا تھا لیکن افسوس کہ یہ دیکھنا ہی تھا۔
 ادھر راج ہو یا جھوٹ۔۔۔ ہمیشہ غلطی پیدا کرتا ہے۔

”میں کی حالت دیدنی تھی۔ اس نے اپنی میڈیم کے حکم
 پر ”سب ختم کرنے“ کے لیے ٹوبان کو نشانہ بناتے ہوئے
 اس پر کیے بعد دیگرے تین گولیاں چلا دی تھیں۔ تم کو اس
 بات کی اجازت نہیں تھی کہ وہ جاسم یعنی ٹوبان کو جانی نقصان
 پہنچائے اسی لیے اس نے ٹوبان کے بدن کے زیریں حصے

پر گولی چلائی تھی اور ایک گولی ٹوبان کی ران میں بھی لگی تھی
 جس کے بعد وہ دلی حالت میں چلی گئی تھی۔ ”وہ“ سے
 مراد ٹوبان کو ہے جس کو مسعود تھا اور اس عاے نے تم
 اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا لیکن اس کے بعد وہاں جو کچھ
 پیش آیا، وہ تم کے وہم و گمان میں آنے والا معاملہ نہیں تھا۔
 اس نے آج تک کسی کو بھی غائب ہونے نہیں دیکھا تھا جسے
 اوگلا اور ٹوبان جنم زدن میں سب کی نگاہ سے اٹھ کر جاتے
 تھے۔

قاریب کی آواز میں ایسی وحشت اور دہشت شامل
 تھی کہ وہاں موجود لوگوں میں افراتفری پھیل گئی۔ چند لمبے
 پہلے تک وہ قاتلانی سنے تم اور ٹوبان کو ایک دوسرے کو زیر
 کرنے کی کوشش میں مصروف دیکھ رہے تھے اور اب سب کو
 اپنی جان کی سلامتی کی فکر پڑی ہوئی تھی لہذا جس کا منہ جس
 طرف اٹھا، وہ ادھر ہی نکل کھڑا ہوا۔

اس بیگامی صورت حال میں براخا ایک لمبے کے لیے
 بھی نہیں گھبرائی تھی۔ اس کے میٹل اور شاطردہن نے پک
 چمکنے میں آئندہ کا لاٹھیل تیار کر لیا تھا۔ ایک فوری فیصلے پر
 چلنے کے بعد اس نے تم کو اپنی جانب آنے کا اشارہ کیا۔ تم
 نے فوراً بے ہوشی اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔

”میری بات دھیان سے سنو! وہ اس کی آنکھوں
 کے راستے دماغ تک رسائی حاصل کرتے ہوئے سمجھنا نہ
 انداز میں بولی۔ ”اگلی یہاں جو کچھ بھی عجیب و غریب اور
 ناقابل فہم پیش آیا ہے، ہمیں اس سے منشا ہے اور اس سلسلے
 میں تم مجھے بھرپور تعاون کرو گے۔۔۔“

”بس سیم!“ وہ خواب ناک لہجے میں بولا۔ ”میں
 آپ کے حکم کا غلام ہوں۔ آپ جو کہیں گی، میں کروں گا۔“
 ”تمہیں معلوم ہے، ایک بلیک کور ایٹلی کا پٹھو ٹوبان کو
 لینے کے لیے یہاں بھیج چکا ہے۔“ براخا نے کہا۔ ”مگر وہ
 اچانک کہیں غائب ہو گئے ہیں۔“

”ہاں۔۔۔ اور میں حیران ہوں کہ وہ اچانک کہاں
 چلے گئے۔“

”ٹوبان اور ایکسٹیل کے بارے میں سوچ کر اپنے
 دماغ کو مت الجھاؤ۔“ براخا نے ٹھوس انداز میں کہا۔
 ”تمہیں صرف میری باتوں پر توجہ دینا ہے اور۔۔۔ میں جو
 بھی حکم دوں، اس کی تعمیل کرنا ہے۔“

”مجھے کیا سیم!“ وہ کسی سرزدہ انسان کے مانند بولا۔
 ”اب اس بلیک کور میں ٹوبان کی جگہ تم جاؤ گے۔“
 براخا نے دونوں انداز میں کہا۔ ”میں تمہیں ایک دہشت

گردہ مار کر اور قاتل کی حیثیت سے اپنی کاپی میں مار
 کرانے ہادی ہوں۔ کیا تمہیں اس کی خبر ہے؟“
 ”میں جانتی ہوں۔“ جاسم نے کہا۔

”یہاں!“ براخا نے ٹھوس لہجے میں کہا۔
 ”ہو سکتا ہے، آنے والے میرے ہم پر جس کا وہ کبھی
 کریں۔ جس فوری راکٹ کے لیے وہ قاتل اور جانی
 طور پر تیار رہتا ہوگا۔“

”میں آپ کے اشارے پر اپنی جان بھی دے سکتا
 ہوں۔“ جاسم نے فرما کر دہری سے کہا۔ ”تمہاری راکٹ اور
 مہولہ بات ہے۔“

”وہ آگے ہیں۔“ براخا نے مٹھل انداز میں کہا۔
 ”میرے ذرا سے میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لیے
 ریڈی ہو جاؤ۔“

”میں ریڈی ہوں سیم۔“ تم نے مضبوط لہجے
 میں کہا۔

اس دوران میں وہی دباؤ بڑھ جاتے وقت پر بھی
 گئے تھے۔ وہ ہر قسم کے ضروری مسئلے سے پوری طرح بے
 تھے۔ براخا ان کے نزدیک پہنچ گئی اور اس کی جانب اشارہ
 کرتے ہوئے ٹھوس انداز میں کہا۔

”آپ لوگوں کا ڈارنگ ہیں شخص ہے۔ یہ ایشان
 خطرناک ہے۔ اگلی اس نے دو افراد کو اٹھا کر سمندر میں
 پھینکا ہے اور اس سے پہلے یہ ان دونوں پر قاتلنگ بھی کر چکا
 تھا۔ اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے بہت زیادہ محتاط رہنے کی
 ضرورت ہے کیونکہ یہ جادو ٹوبان بھی جانتا ہے۔“

براخا کے اعتبار میں اس قدر تاثیر تھی کہ سب کا رُخ
 میں سے کسی نے زیادہ جرح بحث نہیں کی۔ ایک نے بس اتنا
 پوچھا اور وہ بھی بڑے احترام کے ساتھ۔ اس کا انداز
 تصدیق طلب تھا۔

”آپ یقیناً میڈیم براخا ہیں۔؟“

”مجھ پہچانے۔“ براخا نے اثبات میں گردن
 ہلاتے ہوئے جواب دیا۔ ”سرڈیٹل کاری سے میری بات
 ہو گئی ہے۔ آپ پہلی فرصت میں اسے یہاں سے لے
 جائیں تاکہ میں سرکوشن کی کامیابی کی اطلاع دے دوں۔“
 ”اوکے سیم!“ بلیک کور میں آنے والے سچ افراد
 نے فرمانبرداری سے کہا اور کسی ماہر شکاری کے مانند وہم و گم
 جانب بڑھے۔

پروڈیٹل لوگوں کے کام کرنے کا ایک اپنا ہی پانچا
 انداز ہوتا ہے۔ وہ اپنے ٹارگٹ کو ”قاپو“ کرنے میں بڑی

بھرتی اور سرعت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ہم اس وقت چونکہ براخانہ کے عوامی محل کے زیر اثر تھا اس لیے اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ چند سیکنڈ میں وہ دونوں کمانڈوز کم کو اپنے بس میں کر کے بیکل گاڑی کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔

براخانہ ڈیٹیل کاری کا نام لے کر جتنے اعتماد کے ساتھ ان دونوں سے بات کی تھی، اس کے نتیجے میں انہیں ایک لمبے کے لیے بھی یہ شک نہیں ہوا کہ براخانہ ان کے ساتھ بہت بڑا ہاتھ کر دیا تھا اور براخانہ اپنے اس ہنگامی فیصلے پر ایک ڈرامائی بھی نرس نہیں تھی کیونکہ وہ جانتی تھی، اس کے بعد اسے کیا کرنا ہے۔

مگر کمانڈوز نے کم کو اپنے قابو میں کرنے کے بعد اس کے سر پر ایک سیاہ غلاف چڑھا دیا تھا جس نے سر کے بالوں سے لے کر گردن تک ہر شے کو پوری طرح ڈھانپ لیا تھا۔ بیکل گاڑی کے اندر ان کمانڈوز کے دیگر ساتھی بھی یقیناً موجود ہوں گے۔ براخانہ اس وقت تک ڈیک نمبر پانچ پر کھڑی رہی جب تک چور (بیکل گاڑی) ہوا میں بلند نہیں ہوا۔ اس کے بعد وہ اپنے لگژری جیٹ کی جانب بڑھ گئی کیونکہ پچھلے چند منٹ میں جو ”آٹا گوندھا“ تھا اب اس کی ”روٹیاں بننے“ کا وقت آن پہنچا تھا۔

پچھلے رات براخانہ ڈیٹیل کاری میں یہ شے کیا کیا تھا کہ آج صبح گیارہ بجے ایک بیکل گاڑی ٹویان کو لینے اس کو روضہ پر پہنچ جائے گا۔ ڈیٹیل کاری نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا تھا مگر ”سی اسکپ“ کے ڈیک نمبر پانچ پر جو کچھ ہوا تھا، اس نے مشن کی ایسی کم تھی کہ اس کے رکھ دی گئی کسی کے سامان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اچانک اتنا بڑا آپ سیٹ ہو جائے گا۔

براخانہ اپنے سوئٹ میں بیٹھنے کے بعد ڈیٹیل کاری سے رابطہ کیا۔ ڈیٹیل اسی کے فون کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ بلیک کوبرا کے اندر بیٹھے ہوئے ٹیم لیڈر نے اسے مشن کی کامیابی کی نوید سنائی تھی۔

”میٹھو! ایک بُری خبر ہے۔“ براخانہ سپاٹ آواز میں کہا۔

”براخانہ! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔۔۔؟“ ڈیٹیل کاری نے الجھن زدہ لہجے میں استفسار کیا۔ ”کیا آپ انٹیلی (اولگا) کو اپنے حسبِ مشافہت نہیں دے سکتی؟“

گزشتہ رات براخانہ ڈیٹیل کاری کو یقین دلایا تھا کہ ٹویان کو ”سی اسکپ“ کرنے کے بعد وہ اپنے آپ کو ڈیٹیل کاری کو دے کر فرار کرے گی۔ ڈیٹیل

کاری کا استفسار اسی ذیل میں تھا۔
”میں ٹویان اور انٹیلی کے بارے میں آپ کو کیا بُری اطلاع دینے والی ہوں ہدایتو۔“ ”براخانہ نے غصہ سے ہونے لگے میں کہا۔“ سرپرست ہم نے ان دونوں کو کھو دیا ہے۔“

”لیکن بیکل گاڑی کے اندر موجود ہمارے خاص آدمی جھٹکا نے چند منٹ پہلے مجھے بتایا ہے کہ وہ قلعہ میں رہتے گرد ٹویان کو اپنے ساتھ لے کر آ رہے ہیں۔“ ڈیٹیل کاری نے بے یقینی سے کہا۔ ”اس کا کیا ہے، آپ نے خود ٹویان کو دوسرے کمانڈوز کے سپرد کیا ہے؟“

”وہ لوگ حقیقت سے واقف نہیں ہیں میٹھو! براخانہ معتدل انداز میں جواب دیا۔ ”میں نے ٹویان کی جگہ کم کو ان لوگوں کے حوالے کیا ہے۔“

”تو پھر حقیقت کیا ہے؟“ ڈیٹیل کاری کے لہجے میں بے چینی جھلک رہی تھی۔ ”انہی آپ نے بتایا ہے کہ ہم نے ٹویان اور انٹیلی کو کھو دیا ہے۔ یہ کیا معما ہے، میں تفصیل جانتا چاہوں گا۔“ ہلیز۔۔۔!

آئندہ پانچ منٹ میں براخانہ ڈیٹیل کاری کو آنکھوں دیکھی سچائی سے آگاہ کر دیا۔ اگر بھی واقعہ اور کوئی شخص اسے سنا تو شاید وہ اس کہانی پر یقین نہ کر سکتا لیکن اعتبار اور معیار کی دنیا میں براخانہ کا جو مقام و مرتبہ تھا، اس کے سامنے ڈیٹیل شک کو اپنی سوچ کے اندر داخل ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔

”براخانہ۔۔۔!“ وہ ایک بوجھل اور شکست خوردہ سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ ”ہم نے دو گھنٹے پہلے دس بلین امریکی ڈالر تو حاصل کر لیے ہیں لیکن اس کے ٹھوڑی دیر بعد ہی ایک اہم اور قیمتی شے کو کھو دیا ہے۔ موجودہ حالات میں وہ سرچرہ قلمی ٹویان ہمارے لیے دس بلین ڈالر سے کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے، یہ بات میں گزشتہ رات آپ کو بتا چکا ہوں۔“

”میٹھو! آپ میرے الفاظ پر توجہ فرمائیے۔۔۔“ وہ بڑے اعتماد سے بوری۔ ”میں نے عرض کیا ہے۔۔۔

سرپرست ہم نے ان دونوں کو کھو دیا ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ میں بہت جلد انہیں ڈھونڈ نکالوں گی۔ میں نے اپنا کام صحیح معنوں میں اچھی تو شروع ہی نہیں کیا تھا اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ دونوں اس کروڑ شپ پر پہلے سے موجود تھے اس لیے ان کی کھوج کے سلسلے میں مجھے اپنے علم کو آزمانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ آپ کے بھیجے

ہوئے آؤ، ویڈیو کیس میرے پاس محفوظ ہیں۔ علاوہ ازیں، میں نے ان کے کین میں سے دونوں کے استعمال شدہ کپڑے بھی حاصل کر لیے ہیں۔ جب وہ لوگ ریٹورنٹ میں ناشتا کر رہے تھے تو میں نے طے کر لیا کہ ایک نمبر پانچ کے کین نمبر ایک سو دو میں سے ٹویان اور انٹیلی کے استعمال شدہ کپڑے اور چند دیگر کاغذات منظر پر لے گئے۔ ان کاغذات سے یہ بھی پتا چلا ہے کہ وہ دونوں کروڑ شپ کے محلے کو رشوت دے کر اس بحری جہاز پر، غیر قانونی طریقے سے سفر کر رہے تھے اور ان کی منزل اس کروڑ شپ کا آخری اسٹاپ جنوبی افریقا کا شہر کیپ ٹاؤن تھی۔ آپ مجھ پر بھروسہ نہ کریں۔۔۔“ وہ سانس ہوا کر کرنے کی غرض سے متوقف ہوئی پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی۔

”مجھے صرف چوبیس گھنٹے کی مہلت دیں میٹھو! میں اپنے علم و ہنر کے ذریعے انہیں تلاش کر لوں گی۔ اگر وہ اس کروڑ ارض پر موجود ہیں تو وہ میری پہنچ اور دسترس سے بچ نہیں سکیں گے۔ اگر میں نے کل اس وقت سے پہلے آپ کو ان کے پھانسنے کی خبر نہیں دی تو میرا نام بھی براخانہ نہیں ہے۔“

”آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں براخانہ۔“ ڈیٹیل کاری نے جلدی سے کہا۔ ”میں آپ کو سالوں سے جانتا ہوں اور آپ کی باطنی صلاحیتوں کا دل سے معترف ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ چوبیس گھنٹے سے پہلے ہی اس بد بخت قلعہ میں ٹویان اور اس کی ساتھی بلکہ ہماری باقی انٹیلی (اولگا) کو کھوج نکالیں گی۔ آپ نامکمل کو ممکن کرنا چاہتی ہیں لیکن یہ بات مجھے ہضم نہیں ہو رہی کہ۔۔۔“ وہ لہجے بھر کر کھٹا پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے غصہ سے لہجے میں بولا۔

”انٹیلی نے ٹویان کو ٹیلی پورٹ کیا ہے۔ ابھی تک تو ہم یہی سمجھ رہے تھے کہ ٹویان ٹیلی پورٹیشن کی ٹیکنیک سے کام لے کر ہمیں، ایک کے بعد ایک نقصان پہنچائے چلے جا رہا ہے۔“

”ہدایتو! میں نے اپنی آنکھوں سے جو دیکھا، وہی آپ کو بتایا ہے۔“

”مجھے آپ کے بیان میں کوئی غامض یا غلطی نظر نہیں آ رہی براخانہ۔“ وہ گہری تنبیہ کی سے بولا۔ ”لیکن پراہم یہ ہے کہ اولگا یعنی انٹیلی لگ بھگ چار سال سے ہمارے لیے کام کر رہی تھی۔ اس کا اصل نام اولگا ہے۔“ ”انٹیلی“ نام

اسے ہم ہی نے دیا تھا۔ وہ گزشتہ تین سال سے اولگا کے معاون کے طور پر کام کر رہی تھی۔ اس دوران میں اس نے کبھی کبھار کمانڈوز میں دیا۔ میں نے کچھ سے پتہ چلے کہ اچانک وہ بخوات پر کیوں آئی اور بخوات کی ایسی کہ ہمارے دھن ہی سے جاتی اور اب۔۔۔“ وہ چند کلمات رک کر اپنی بوڑھی سانس کو سستانے کا موقع دینے لگا پھر حیرت بھری تحفہ سی آواز میں بولا۔

”اب یہ انکشاف ہو رہا ہے کہ وہ ٹیلی پورٹیشن کی ٹیکنیک سے بہت زیادہ واقف ہے بلکہ اپنے ساتھ کسی دوسرے کوئی ٹیلی پورٹ کر سکتی ہے۔ اس تناظر میں یہ بھی تو سوچا جاسکتا ہے کہ ٹویان ٹیلی پورٹیشن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ اس نے اب تک ہمارے خلاف جتنی بھی تجزیہ کارروائیاں کی ہیں، اس میں انٹیلی نے اسے دھڑکے اور پہچانے میں مدد کی ہوگی اور۔۔۔ سب سے شرمناک بات یہ ہے کہ کیا وہ جب تک ہمارا ہاتھ کا ہے انٹیلی کی اس خطرناک صلاحیت کا علم نہ ہو سکا۔“

”کچھ لوگ بہت ہی جلدی اور سونی حال کے ہوتے ہیں میٹھو! براخانہ اس کے خاموش ہونے پر ہلچل سوچ انداز میں کہا۔ ”ان کے خفیہ عزائم تک رسائی کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ انٹیلی بھی مجھے اسی ٹیکری کی لگتی ہے۔ پھر یہ بات تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ ڈیوڈ نے انٹیلی کو نقصان پہنچانے کی زینت بنا کر رکھا ہوا تھا۔ اس نے بھی انٹیلی کی پوشیدہ صلاحیتوں پر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ کیا ہم ٹھوڑی دیر کے لیے یہ فرض نہیں کر سکتے کہ ٹویان اور انٹیلی میں سے کوئی بھی ٹیلی پورٹیشن کی سائنس سے بلد نہیں ہے۔“

براخانہ کے آخری جملے نے ڈیٹیل کاری کے ذہن کو گیارہ ہزار دولت کا جھکا دیا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ”تو آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ کوئی تیسرا ان دونوں کی مدد کر رہا ہے؟“

”جب ہم ہر امکان کو زیر بحث لارہے ہیں تو اس زاویے پر سوچنے میں کیا حرج ہے۔“ براخانہ معتدل انداز میں کہا۔ ”یہ نامکمل تو نہیں ہے ہدایتو۔۔۔!“

”وہ تیسرا کون ہو سکتا ہے؟“ ڈیٹیل کاری نے سرسراہٹ ہوئی آواز میں استفسار کیا۔ ”کیا آپ کا اشارہ جاسم باری کی طرف ہے؟“

”ہاں۔۔۔!“ اس نے ٹھوس انداز میں جواب دیا۔ ”اور میرا ایسا سوچنے کا ایک وجہ ہے، بہت ہی مضبوط سبب۔۔۔!“

48 جاسوسی ڈائجسٹ

اگست 2024ء

ہاسوس ڈائجسٹ ————— 49

”تو کیا ہم ایک اور نیک کام نہ کر سکتے ہوں؟“

میں جیل گئے تھے لیکن ابھی تو تم مجھے یہ بتاؤ کہ اچانک میڈم جینی تمہیں کیوں یاد آگئی؟“

”تمہاری اہلے ہوئے چاولوں والی بات سن کر“

جام نے مسئلہ انداز میں جواب دیا۔ ”جینی کا قصہ ایک آسودہ حال خاتون سے تھا۔ اس کا باپ کوئی معمولی انسان نہیں تھا لیکن اس کے نظریات سے محبت سے جینی کو مرث سے فرس پر لا پیچھا تھا۔ ہارکس کے پلے بچو بھی تو نہیں تھا۔ اس کے ہاں تو کھانے کے کلاسے بڑے رہتے تھے۔ ان کے ساتھ حالات میں، ایک طویل عرصے تک جینی نے ہارکس کی معیت میں صرف اہلے ہوئے آلو کھا کر گزار دیا تھا۔“

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو یوں بان۔“ وہ غماصت آمیز انداز میں بولی۔ ”ایڈنی اہم سواری کہ میں نے اہلے ہوئے ٹھیک چاول کا ذکر انتہائی حرارت اور نا پسندی سے کیا ہے۔ میں میڈم جینی کے جیسی کٹر اور داغ لاف انداز کیونٹ تو نہیں ہوں۔ ہاں البتہ، میں تمہیں قسمیں دلاتی ہوں کہ میں اہلے ہوئے ٹھیک چاول خوش خوش کھا لو گی۔“

”دش گریٹ!“ جام نے سراپے والے انداز میں کہا پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ ”آؤ میرے ساتھ۔“

”تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے متغیر ہوئی۔

”اس ہٹ کے عقب میں کچھ چیک کرنا ہے۔“ جام نے کہا۔

”تم تو اس جریز پر ایسی فراغت اور آشنائی سے چل پھر رہے ہو جیسے پہلے بھی تم کو ڈول آئی لینڈ پر آپکے ہوتے۔“

”ہاں میں پہلے کبھی یہاں آچکا ہوتا تو دوبارہ ادھر کا رخ کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔“ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

جام کا یہ جواب اگرچہ اس کا سوچا سمجھا اظہار خیال نہیں تھا مگر وہ بخوبی جانتا تھا کہ ان الفاظ کے پیچھے اس سختی کی خوف ناک تحریر کا راز کتنی جھوٹ کے پتلی گھرے پر الفاظ دیگر عبرت سرائے دھر مرگٹ کی پیشانی پر نصب تھی اور جام نے اسے وہاں سے اکھاڑ کر انسانی کھوپڑیوں کے ”گودام“ میں پھینک دیا تھا۔ یہ تمام تر دشت ناک خیالات یکٹھ کے دموں جھے میں اس کے ذہن سے گزر گئے۔ اگلے ہی لمحے اوڑکی کی استفساریہ آواز اس کی سماعت سے گھرائی۔

”ہرگز نہیں“ جاسم نے پوری قطعیت سے کہا۔
”لیکن چند روز تک تو ہر حال میں یہاں پر رکا ہوگا، جب تک کہیں اور جانے کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہو جاتا۔“
اور تب تک ہمیں اُبلے ہوئے صحنیں جاول پر گزارو کرنا ہوگا۔“ وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ”اس کے سوا تو یہاں کچھ اور کھانے پینے کو ہے نہیں۔“
”تم جرمین فلاسٹر کارل مارکس کو اپنا پیشوا مانتی ہو نا؟“ جاسم نے اس کے چہرے پر لگا ہوا کچھارہ کو دیکھا۔
”ہاں، بالکل!“ وہ ٹھوس انداز میں بولی۔ ”ہر اچھیص مارکس کو ماننا اور فالو کرنا ہے، میرا مطلب ہے، اس کے نظریات کی پیروی کرتا ہے۔“
”پھر تو تم جینی کو بھی اچھی طرح جانتی ہو گی؟“
’مارکس کی بیوی جینی؟“ اور لگے سوالیہ نظر سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ”تم جینی ران ویسٹ فالن کی بات کر رہے ہو نا۔“
”ہاں!“ جاسم نے اثبات میں سر دھونے لگے۔
جواب دیا۔ ”سر لنڈو ویسٹ فالن کی بیٹی جینی جو مارکس کے نظریے اشتراکیت اور نظریے اشتیاع سے اس قدر متاثر ہو گئی تھی کہ اس نے محض اور آرام کی شانہ زندگی کو بھی یاد کر کر مارکس سے شادی کر لی تھی۔ بدترین معاشی حالات میں بھی اس نے مارکس کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے کیونزم کے لیے بہت زیادہ کام کیا تھا۔ وہ مارکسیت کی کچی پیروکار تھی۔“
”جھمیں یہ سب کیسے معلوم ہے؟“ اور لگے حیرت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔
”میں تیرہ سال کی عمر میں ایک نامزد جرم کی سزا پا کر جیل چلا گیا تھا۔“ جاسم نے اپنے ملک کا ذکر کیے بغیر مقتل انداز میں کہا۔ ”میری زندگی کے اٹھ فیصدی سال قید و بند کی صعوبتیں سہتے ہوئے گزرے ہیں۔ جیل ہی میں میری اور بیگ ناٹی ایک فضل سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے بہت کچھ سکھایا تھا۔ وہ ایک سچا کامریڈ اور مارکس کے انصافی، سادہ اور ساری نظریات کا زبردست حامی تھا۔ اور بیگ نے نے مجھے کیونزم اور سوشلزم کے بارے میں سب کچھ بتایا تھا۔ جی جی تک مجھے من و عن یا د ہے۔“
”ٹھیک ہو گیا۔“ وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری صلاحیت کا ذکر اب اسے آگیا۔ میں اس وقت سے تمہارے لیے کئی سونوں کی رقم کس چکر

ہے جو چاہا۔ اس لئے کہ اس میں کہاں تھا۔
 یہ تیرہ سو سال آئی تھی اور اس کی استقامت
 کے نزدیک ہے اور اس کی تیرہ سو سال کی عمر
 میں۔ اس نے سحرانی ہوئی اور میں نے کہا کہ
 میں نے دو سو سو کے اپنے لئے اس کے اپنے لئے
 کہا تھا۔
 اس نے لکھنؤ میں چھ ماہ گزارے۔ "ہم نے لکھنؤ
 ہونے کے لئے کہا۔ لیکن تمہاری جان اور اس کی
 ہے۔ یہ کہ ان دنوں اس کا ہے اس کی ایک کہہ سکتا ہے
 انکار کیا کے درمیان وہاں ہے اور وہ ہے کہ اس کا
 کہ اس کا کہ اس کی مقدس آسمانی کتاب میں اس کی
 کیا گیا ہے۔
 "اور کیا واقعی؟" وہ ہے کہ اس کے
 ہوئی۔
 "ہاں بالکل" "ہم نے لکھنؤ میں کہا۔ اور
 دو سو سال سے لگ بھگ لکھنؤ میں چھ ماہ
 گزرتے ہیں۔ اس کی رہائش میں ہے اور اس کے
 پاک و پیر میں ہے اس کی سحرانی کہ اس کی
 کہ اس کی سحرانی ہے اور اس کی سحرانی
 مذہب اسلام کی حقیقت اور اس کی حقیقت
 "میں ان چیزوں کے بارے میں اس کی حقیقت
 "لوہاں....." وہ معذرت کی ہے کہ اس کی حقیقت
 "وہ کہ اس کی حقیقت ہے؟"
 اور اس کا سوال ہی اس کا کہ اس کی حقیقت
 "ہم نے پے سے لکھنؤ میں کہا ہے اور اس کی
 جواب دیا۔
 "اس وقت ہماری دنیا کی آبادی اٹھ لاکھ
 والی ہے۔" اس نے کہا۔ "جس میں خدا کے وجود
 کا اس کی انفرادی تعداد میں اس کے وجود
 تعداد میں اس کی حقیقت کی واقعہ ہو رہی ہے۔ اس
 لئے والے بانی تمام لوگ کہ اس کی انفرادی اس کا
 کو مانتے ہیں۔ میں کہ خدا، ایسور، بدھا۔ وغیرہ
 بحث میں نہیں جاتا جتنا کہ اس کی ایک کہ اس کی
 کہ اس کی حقیقت ہے کہ اس کی حقیقت ہے کہ اس
 کے لئے لوگوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔
 اس ذات پاک کے ہونے کا ثبوت نہیں ہے۔"
 "تمہاری باتیں غور طلب ہیں۔" وہ ایک
 طویل اور بوجھل سانس خارج کرتے ہوئے کہی۔

”ٹھکان اتم ایسا کیوں کہہ رہے ہو۔“
”جس ایسے ہی“ وہ اپنے واسلے انداز میں بولا۔
”خوبی تو کبھی ہوئی۔ یہ تیرہ ہوا کوئی نہ لے گیا۔
کون کی مکے داغ والا انسان ہی یہاں یہ لڑائی کرنے
آئے گا۔“
جاسم کی قلوی لولی وضاحت اور گ کی سمجھ میں آئی کہ
نہیں، بہرگف اس دوران میں وہ دولوں ہٹ کے
چھوڑے سے فٹھے تھے۔ لڑکار نے ٹھکان کہا تھا۔ ہٹ
کے عقب میں ایک چھوٹی سی اراہی گیری کا سامان رکھا ہوا
تھا۔
”لو، خوشی ہو جاؤ۔“ جاسم نے اور گ کی طرف دیکھتے
ہوئے اختلاف انگیز انداز میں کہا۔ ”اب تم اگلے ہوئے
چاروں کے ساتھ جی اور سکی ہوئی پھلی بھی کھا سکتی ہو۔“
”یہ ایک اچھا آپشن ہے۔“ وہ اثبات میں سر ہلاتے
ہوئے بولی۔ ”مگر پھلی پکڑنے کے لیے سمندر میں اترنا ہوگا
اور مجھے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہے۔“
”تجربہ تو مجھے بھی نہیں ہے۔“ جاسم نے صاف گوئی
سے کلام کیے ہوئے کہا۔ ”لیکن نظریہ ضرورت اور
”ضرورت ایجاد کرتی ہے“ کے تحت، اگر پھلی کمانا ہے تو
یہ کرنا پڑے گا۔“ وہ لمحے بھر کے لیے سمجھتا ہوا
الفاظ میں اپنا بات مکمل کر دئی۔
”آؤ ہمیں بیچہ کر رام سے بات کرتے ہیں۔“
پھر جاسم، اور گ کو اس سطح چٹان کی طرف لے آیا
جہاں اس نے ٹھکانی دیر پہلے لڑکار سے ایک بھر پور اور
مطلوبات افراطیات کی بھی اور یہاں سے سمندر صاف
دیکھتا تھا۔
جب دو سمندروں کے میجر نما ملاپ پر اس کی دوبارہ
تاکر پڑی تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ ”جب باڈی اوور
لی فلوئو قدرت کی رحمت اور عنایت کو دل و جان سے تسلیم
کر لیجئے تو..... اے گروہ جن ولس اتم اپنے پروردگار کی
کون کون سی نعمت کو چھوڑا گئے؟“
جاسم نے یہ جملہ خالصتاً اردو زبان میں ادا کیا تھا لہذا
اور گ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تاہم وہ بھی اس وقت وہ مختلف
طرز اور سمندروں کے حسین اور دلچسپ شکم کا نظارہ کر رہی
تھی۔ اس کو اس تنوگ نے اسے بے اختیار یہ کہنے پر مجبور کر
یا۔
”میں جانتی ہوں، اس وقت ہم کہاں ہیں.....“
جاسم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑی معصومیت

”اگر غور و فکر جاری رکھو تو یہ باتیں سمجھ میں بھی آئے تھیں گی۔“ جاسم نے پراسی انداز میں کہا۔ ”مجھے کارل مارکس کی نیت یا نظریے سے اختلاف نہیں ہے مگر میرے مطابق، اس کی سوچ اپنے مرکز کو چھوڑ کر بے سمت منزل کی جانب چل پڑی تھی۔“

اودگ شاید جاسم کی بات کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی اس لیے وہ اپنے گرد و پیش میں نگاہ دوڑاتے ہوئے بولی۔ ”جتنی دیر سے میں نے اس جزیرے پر کسی اور انسان کی نظر نہیں دیکھی۔ کیا تمہیں یہ کچھ عجیب سا نہیں لگ رہا ٹوبان؟“

”بالکل نہیں۔“ وہ دو ٹوک انداز میں بولا۔ ”کیونکہ میں جانتا ہوں، کوڈل آئی لینڈ پر ہم دونوں کے سوا اور کوئی بندہ بشر موجود نہیں ہے۔“

”یہ۔۔۔ تم کیا۔۔۔ کہہ رہے ہو۔۔۔ ٹوبان؟“ وہ تعجب خیز نظر سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”کیا تم مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہو۔۔۔ یا یہ کوئی کلیقا قسم کا مذاق ہے؟“

”یہ نہ تو کوئی مذاق ہے اور نہ ہی تمہیں خوف زدہ کرنے کی کوئی فضول کوشش!“ جاسم نے دافکاف الفاظ میں کہا۔ ”یہ ایک سچ حقیقت ہے کہ اس وقت ہم دونوں کے سوا اس جزیرے پر اور کوئی انسان نہیں ہے، وہ اس لیے کہ کوئی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ کوڈل آئی لینڈ کو ”موت کا جزیرہ“ بھی کہا جاتا ہے۔“

”قت۔۔۔ تو پھر۔۔۔ ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟“ وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں مستفسر ہوئی اور سہے ہوئے انداز میں جاسم کو دیکھنے لگی۔

اس دوران میں جاسم اودگ کی تعقیب کے لیے ایک ”نٹ ان“ کہانی سوچ چکا تھا جو درحقیقت ایک ایسا سچ تھا جس کے اندر، آئے میں ہنگ کے مصداق جھوٹ کی آمیزش کی گئی تھی۔ چھپیں قیراط خالص سونا اس قدر نرم ہوتا ہے کہ اس سے طلائی زیورات بنانا ممکن نہیں ہے لہذا اس مشکل کو حل کرنے کے لیے اس کے اندر تھوڑا گلت (کھوٹ) شامل کر کے اسے چھپیں قیراط قابل زیورات سونا بنایا جاتا ہے۔ ہجرت سازی کے اس عمل میں کھوٹ کے نام پر جو گلت استعمال کیا جاتا ہے، وہ دراصل جست، تانے اور سیسے کا ایک مخصوص مرکب ہے۔ جاسم نے اودگ کو مطمئن کرنے کی خاطر اپنی کہانی میں بھی کچھ اسی نوعیت کی ”ہجرت سازی“ کی کہانی کے خالص سونا پر زور دیا۔

پھر بیان وہ آسانی سے ختم نہیں ہوتا۔

”ہم یہاں خود نہیں آئے بلکہ ہمیں لایا گیا ہے۔“ جاسم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ”کون ہمیں لے کر آیا ہے؟“ اودگ پوچھتے جانا نہ رو سکی۔

”میری ایک دوست۔“

”تمہاری دوست؟“ اودگ نے بے یقینی سے جاسم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”کیا تم اپنی معیشت کی بات کر رہے ہو۔۔۔“

جاسم نے اودگ کو ناجیہ کے بارے میں بہت کچھ بتا رکھا تھا اسی لیے اس کا دھیان ناجیہ کی طرف کیا تھا اور اس نے ”مغیر“ کا لفظ استعمال کیا تھا۔

”نہیں، وہ ناجیہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے۔“

”اور کون؟“ اودگ نے زور دے کر پوچھا۔

”اس کا نام ایضاً ہے۔“ جاسم نے بتایا۔ ”اور وہ کوئی انسان نہیں ہے۔“

”ٹوبان!۔۔۔“ وہ شکایتی نظر سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”کیا تم واقعی مجھے خوف زدہ کرنے کی کوشش میں ہو۔ اگر تمہاری وہ دوست انسان نہیں تو پھر کیا وہ کوئی ایلین ہے کیونکہ اس دنیا میں تو صرف انسان ہی بستے ہیں؟“

اودگ کیونٹ ذہن کی مالک تھی۔ یہ لوگ خدا، شیطان اور ان کے حوالے سے کسی بھی اور شے پر یقین نہیں رکھتے۔ آخرت، جنت، دوزخ، جن، ہجوت، فرشتے۔۔۔

الغرض اس قسم کی ساری چیزیں ان کے نزدیک قصے کہانیوں سے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں تھیں۔

”ہاں، وہ ایک ایلین ہی ہے۔“ جاسم نے رساں بھرے لہجے میں جواب دیا۔ ”ایضاً مارس (مرخ) کی باسی ہے۔ میں جب بھی کسی مصیبت میں گھر جاتا ہوں تو وہ میری مدد کرنے آ جاتی ہے۔“

”لیکن ہم تو کروڑوں سال پہلے کسی مصیبت میں نہیں تھے۔“ اودگ نے شک زدہ نظر سے جاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”سوائے اس کے کہ وہ بدجیز شخص ہے جو گھبراہٹا تھا اور تم خوب جرم کراس کی پٹائی کر رہے تھے۔۔۔“

”اودگ!۔۔۔ تم کچھ بھی نہیں جانتی ہو۔“ جاسم نے کہا۔ ”لیکن میں جانتا چاہتی ہوں۔“ وہ زور دے کر بولی۔

”اگر تم چند منٹ تک پوری توجہ سے مجھے سنو گی تو سب تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔“ جاسم نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ ”ہم جس قسم کے حالات سے گزر رہے ہیں، وہ

مخالفہ اتنا سیدھا اور آسان نہیں ہے کہ میں دو منٹ میں بیان کروں۔“

”ٹھیک ہے، میں سن رہی ہوں۔“ وہ ٹھوس انداز میں بولی۔

آئندہ دس منٹ میں جاسم نے ٹوبان کی حیثیت سے اودگ کو تمام حقیقت حال سے آگاہ کر کے بند کیا۔

”جس بندے نے آج صبح کروڑوں شپ جہاز سے بدجیزی کرنے کی کوشش کی تھی، اس کا نام ٹم ہے اور وہ میڈم براخا کا خاص آدمی ہے۔“

”ایک منٹ!“ اودگ قطع کلامی کرتے ہوئے بولی۔

”یہ میڈم براخا کہاں سے آگئی؟“

”تو جیسے سنتی جاؤ، سب بتا چل جائے گا۔“

”اوکے۔“ اودگ نے کہا۔

”تم نے گزشتہ رات پورکریٹل پر جس اسرائیلی عورت ”سارا اورین“ کو ایک ٹکڑی رزم جیتے دیکھا تھا، اس حسین و جمیل بیوہ کا اصل نام براخا ہے۔“ جاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بتایا۔ ”تم نے ڈیوڈ کے ساتھ تین سال کام کیا ہے، براخا اس شیطانی تنظیم میں ڈیوڈ سے بہت اد پر ایک مقام پر فائز ہے۔ وہ کسی قسم کے جاوہ جانتی ہے اور ہٹنازم کے علم میں اسے درجے کی مہارت رکھتی ہے۔ اسی تنظیم کی ہائی کمان نے براخا کو ہم دونوں کی سرکوبی کی ذمہ داری سونپی ہے۔ کروڑوں شپ پر چڑھایا جانے والا وہ سارا راہا اسی سلسلے میں ختم ہونے کی سیم سے بغاوت کی ہے۔ وہ لوگ تمہیں سمندر میں پھینکے یا پھنکوانے کا فیصلہ کر چکے تھے اور میں نے انہیں اتنا زیادہ نقصان پہنچایا ہے کہ وہ مجھ پر ریسرچ کرنے کی غرض سے مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے تاکہ کسی خفیہ مقام پر پہنچانے کے بعد وہ مجھے خفیہ مہلت بنا کر میری زبان کا نقل کھول سکیں۔ وہ بمبلی کا پٹر مجھے لے جانے کے لیے ہی کروڑوں شپ پر آیا تھا مگر عین وقت پر میری مدد سے لے بازی پلٹ کر دیا کیوں کہ وہ مذموم منصوبہ خاک میں ملا دیا اور ہم دونوں کو اپنے علم کے زور پر یہاں پہنچا دیا۔“

اودگ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں اور وہ ایک تک اسے دیکھ جاتی تھی۔ جب جاسم خاموش ہوا تو اس نے سرسراہٹ ہوئی آواز میں استفسار کیا۔

”یہ ساری معلومات تمہاری اسی ایلین دوست اشتور نے فراہم کی ہیں؟“

”اشتور نہیں، ایضاً!“ جاسم نے صہج کرنے والے انداز میں کہا۔

”اود۔۔۔ آئی ایم سوری۔ ایضاً!“ وہ محض خفا نہ انداز میں بولی اور کہا۔ ”بمبلی کا ہلکی ٹھوس آواز تو میں نے بھی سنی گی۔ جب اس لنگے نے تم پر گولی چلائی تو جیسے میری جان ہی کل گئی تھی۔ میں دوڑتے ہوئے تمہاری طرف آئی تھی۔ اس وقت تک تم لٹھا میں تھا ہاں میں لگنے کے بعد ایک سے کڑش پر کر پکے تھے اور تمہاری ڈی گنگ سے خون بھی نکل رہا تھا۔ میں تمہارے لیے بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح میں تمہاری مدد کروں اور۔۔۔ اور پھر میں بے ہوش ہو گئی تھی۔“ وہ بولے بولے جہاز کی ہجرت جبری لیے کے بعد ان الفاظ میں اساتذہ کر دیا۔

”پھر جب میری آنکھ کھلی تو میں نے خود کو تاریک ماحول میں پایا۔ یہ اس ہٹ کا اندرونی حصہ تھا۔ میں ایک جھکے سے اٹھ بیٹھی اور فوراً سے پشتر ہٹ سے باہر نکل آئی۔“

”تمہیں اور مجھے ایضاً ہی نے حالت بے ہوش میں، کروڑوں شپ سے اٹھا کر یہاں پہنچایا ہے۔“ جاسم نے معتدل انداز میں کہا۔ ”میری آنکھ تم سے کچھ کھلی تھی اسی لیے میں نے ایضاً سے ایک بھر پور ملاقات کی تھی اور ان میں سے بہت ساری باتیں مجھے اسی نے بتائی ہیں۔“

اودگ نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا۔ ”ٹوبان! اب تمہاری ٹانگ کا زخم کیسا ہے؟“

”ایک دم پرنکٹ!“ وہ مضبوط لہجے میں بولا۔ ”ایضاً نے میری ٹانگ کے گوشت میں سے گولی نکال کر زخم پر کوئی حیرت انگیز دوا لگائی تھی جس سے میرا زخم بھر گیا ہے اور اب میں خود کو بالکل ٹھیک محسوس کر رہا ہوں۔“

”یقین نہیں آ رہا ٹوبان۔۔۔“ اودگ چپکس چپکاتے ہوئے شک زدہ لہجے میں بولی۔ ”زخم چاہے معمولی سا ہی کیوں نہ ہو، وہ دو تین گھنٹے میں بھر نہیں سکتا اور تمہیں تو کوئی لگی تھی۔ میں نے خود تمہاری ٹانگ سے خون لٹکا دیکھا تھا۔“ پھر وہ جاسم کی پتلون کی جانب اشارہ کرتے ہوئے سیر آواز میں بولی۔ ”وہ دیکھو۔۔۔ تمہاری پتلون خون آلود ہے۔“

”ہاں، مجھے بھی نظر آ رہا ہے کہ میری پتلون پر خون لگا ہوا ہے اور بلاشبہ یہ میرا ہی خون ہے لیکن پتلون کے اندر میرا زخم پوری طرح بھر چکا ہے۔“ جاسم نے رساں بھرے لہجے میں کہا اور اودگ سے پوچھا۔ ”اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو میں تمہیں اپنے زخم کا معائنہ کر دیتا ہوں۔“

”اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ لپٹی میں گردن ہلاتے

ہوئے بولی۔ "تم اپنی آسانی اور مالی سے چل رہے ہو۔ تمہاری بات کی مثال کے لیے یہ ٹوٹ کالی ہے۔ وہ اس وقت تک نہیں کسی ہمارے کی ضرورت ہوئی اور تمہارے وطن سے پہلی ہی کرانی خارج ہو کر آئی۔ تم تو گراؤ رہے ہو اور وہی تمہاری چال میں کسی قسم کی گڑبگڑ دیکھنے کو مل رہی ہے۔" اس نے بات اصرار سے چھڑائی اور بے ساختہ اپنی ٹانگ کی طرف اس کا ہاتھ چاٹا کیا۔ اگلے ہی لمحے حیرت بھری آواز میں بولی۔

"جو کہا؟" وہ اپنی بائیں ہڈی کو ٹٹولنے ہوئے ایک لمحہ ٹکیا۔ "اس ہڈی کے اندر تو اچھا لے ایک ٹریک ایچ اس ٹائٹ کر دیکھی کسی جاکر کسی قسم کے ہنگامی حالات میں وہ مجھے پانچ سال تک کر سکے۔ مگر جب میں تمہارے رابطے میں آئی تو تم نے اس مصیبت سے عارضی چھٹکارے کے لیے مجھے اپنی ہڈی پر ایلیٹیم ٹول ہاندھنے کا مشورہ دیا تھا اور میں نے تمہارے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنی بائیں ہڈی کو اس طرح کی پٹی میں ایچ اس ٹائٹ لپیٹ دیا تھا تاکہ ٹریک ایچ اس ٹائٹ سے خارج ہونے والے ٹکڑے اچھا لے کر اپنے اسسٹم تک رسائی حاصل کر سکیں مگر اب وہ ایلیٹیم ٹول پیری ہڈی پر موجود نہیں ہے۔"

بات کے اختتام پر اولگا نے دھشت زدہ نظریں جاسم کی طرف دیکھا۔ اس کا وہ منہ خوف سے زیادہ حیران اور الجھن مائل تھا۔ جاسم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "ایہا رہا لے مجھے تاپا تو نہیں لیکن میں تمہیں کے ساتھ کر رہا ہوں کہ تمہاری ہڈی پر سے وہ ایلیٹیم ٹول نہ صرف اسی سے ہٹائی ہے بلکہ تمہیں اس ٹولس ٹریک ایچ اس سے بھی پیشہ کے لیے ہمت دلا دی ہے۔ اب وہاں ہیٹ ورک کا کوئی بھی سسٹم نہیں ٹریک نہیں کر سکتا۔"

اولگا کے چہرے پر اطمینان چمکنے لگا۔ اس نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے، ہم اس جزیرے پر محفوظ ہیں؟"

"نالاوے لیمب۔" جاسم نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بھی مجھے ایہا رہا لے بتایا ہے کہ براہِ جانچی ہڈی، طاقتور اور با اختیار عورت ہے۔ وہ اپنے خطرناک علم کا استعمال کر کے مجھے اوسط لگالے کی پوری کوشش کرے گی اس لیے ایہا رہا لے کو دل آئی لینڈ کو ہمارے لیے مدد لینے کا قیام قرار نہیں دیا کیونکہ براہِ خانہ کے یہاں تک رسائی حاصل کرنے کے امکانات بہر حال ہیں۔" لہذا تو قیام کے اس لیے ایک کہی سانس لی مگر

"تمہاری ذات سے میری تعلیم کو صرف اپنی ہی دلچسپی ہے کہ وہ نہیں ایک بائی سرس اور روح کے ہارنگ ہیں۔ وہ تمہیں تلاش کر کے بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ان کا اصل ہارنگ لائٹننگ جھانک رہا ہے۔ وہ مجھے ختم نہیں کریں گے بلکہ موت سے بدتر زندگی دیں گے۔"

"تو کیا ایسے حالات میں تمہاری وہ مرعوبی دوست کرے نہیں آئے گی؟" اولگا نے ایک اہم سوال کیا۔

"نہیں" جاسم نے دو ٹوک الفاظ میں جواب دیا۔ "تمہاری آخری طاقت تھی۔ اب وہ کسی وہاں میں آئے گی۔ اس نے اس دوران، میں مختلف عواملوں سے مجھے اس قدر مضبوط بنایا ہے کہ میں خود ان وہاں شیطانوں کا لڑت کر مقابلہ کر سکتا ہوں۔"

"تمہاری وہ دوست ایہا رہا تو واقعی ایک ہا کمال ہستی ہے تو ہاں؟" وہ تو مبینہ انداز میں بولی۔ "تم نے بھی کیسے کیسے بھڑکی لوگوں سے دوستی کا گنہہ رکھی ہے۔"

"میرے محلہ احباب میں زیادہ تر نامور روزگار افراد ہی رہے ہیں۔" جاسم نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے دلار سے کہا۔ "جیسے تم۔"

"میں۔" پہلی بار اولگا کے ٹھٹھنی ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "مجھے تم میں نے ایسی کون سی خوبی دیکھی ہے؟"

"تاؤں گا۔" جاسم نے جاذبِ نظر سے اسے محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو مجھے شدید قسم کی بھوک محسوس ہو رہی ہے اور حکم کی طلب، بدن کی دیگر تمام بھوکوں پر ہماری ہے۔ لہذا پہلے میں حکم سیری کا بندوبست کرنا ہوگا۔ باقی خوش گئیاں اور خوشگیاں اس کے بعد۔"

اولگا، جاسم کے الفاظ کے در پردہ مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کے بعد مہذبہ غیر انداز میں مسکراتے لگی۔

☆☆☆

عزرائیل (اسرائیل) کے مقامی وقت کے مطابق، تین اکتوبر کی رات کے گیارہ بجے تھے۔ وہ کچھ پہلے داخل کاری نے براخا سے انتہائی اہم سیلبر کنٹیکٹ کی اور تب کر دھپ "سی اسکیپ" پر، اس کی بحرا قیامی پوزیشن کے حساب سے دن کے گیارہ بجے کا وقت تھا جبکہ اسرائیل میں دن کا ایک بچ رہا تھا۔ فی الحال اسرائیل اور مذکورہ ایم ایس سی کر دھپ کے مابین کم و بیش دو گھنٹے کا فرق تھا جو کر دھپ کے سمندر میں موجود رہنے کے باعث لمحہ بہ لمحہ

جدلی ہو رہا تھا۔ براخا نے داخل کاری کو یقین دلا دیا تھا کہ جو میں کھینے کے اندر وہ دونوں گمشدگان کا سراغ لگا چکے گی۔ داخل کاری کو براخا کے علم، تجربے اور زبان سے ادا کیے ہوئے الفاظ پر بہت زیادہ بھروسہ تھا۔ اسے یہ یقین تھا کہ براخا نے جو کہا ہے، وہ کر کے بھی دکھا دے گی اور ایسا ہی ہوا بھی تھا۔

داخل کاری کے سیل فون کی کمپنی جی تو اس نے ایک نو مشایخ کے بغیر فون کے ڈیٹے پر لگا ڈالی۔ اگلے ہی لمحے اس کے رگ و پے میں خوشی کی ایک لہری دوڑ گئی۔ براخا اسے کال کر رہی تھی۔ اس نے فوراً وہ کال پک کر لی۔

"میکو ہا امیں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔" براخا نے قاتمانہ انداز میں کہا۔ "اس کے بعد آپ کا کام شروع ہوتا ہے۔ وہ دونوں اس وقت بحرا قیامی میں واقع ایک

معلوم جزیرے پر موجود ہیں۔ مذکورہ جزیرے کے قریبی ایک ایچ آئی ٹی ایس کچھ اس طرح ہیں۔ فضیض پوائنٹ جری فورٹائن ٹو ڈری ایسٹ اینڈ فضیض سکس پوائنٹ اینڈ فائو سیون دن کی کسی ساؤتھ۔ یہ مقام بحرا قیامی میں، در ایک کبری کاؤن (خط جدی) سے بھی بہت نیچے واقع ہے۔ میں یہ جی پی ایچ۔ کو آئی ٹی ایس آپ کو بھی سینڈ کر رہی ہوں۔ میں اس جزیرے کا نام نہیں جان سکی کیونکہ اٹلانٹک اوشین (بحرا قیامی) کے اندر پائے جانے والے جزیروں کی فہرست میں اس کا کوئی نام موجود نہیں، میرا مطلب ہے، اس لوکیشن پر کوئی آئی لینڈ نہیں پایا جاتا۔ ایک خاص بات اور۔۔۔۔۔ وہ سانس ہموار کرنے کی غرض سے متوقف ہوئی پھر ان الفاظ میں اضافہ کر دیا۔ "میرے علم نے مجھے بتایا ہے کہ اس جزیرے کے ساتھ پراسرار معاملات بھی بڑے ہوئے ہیں۔ شاید اسی لیے یہ دوسری دنیا سے الگ تھلگ اور بے نام ہے۔ میں ہرے وقتوں سے کہہ سکتی ہوں کہ ان لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر اس نام معلوم جزیرے کا انتخاب کیا ہے۔ ٹوبان اور انجیل میں سے جو بھی نیلی پورٹیشن کی سائنس سے واقف ہے یا پھر ہمارے گمان کے مطابق وہ تیسرا شخص جس نے ان دونوں کو کر دھپ سے اس جزیرے پر نیکی پورٹ کیا ہے، وہ اس مقام کی ماورائیت اور پراسراریت سے بہ خوشی آگاہ ہے۔"

"براخا آپ نے میرا دل خوش کر دیا ہے۔" اس کی بات مکمل ہونے پر داخل کاری نے پرجوش انداز میں کہا۔ جاسوسی ڈائجسٹ

"دو ہنگوڑوں کی تلاش والا آپ کا یہ کام اس سال ہی ختم ہو گا۔" وہ بڑی خبر ہے۔ اب کی بار وہ دونوں جاکھیں نہیں گئے۔ میں بڑے طریقے ملتے سے انہیں گھیرنے اور قہر کرنے کا بندوبست کر دوں گا۔"

"جو بھی کرنا ہے، بہت جلد کرنا ہوگا۔" براخا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس سے پہلے کہ انہیں پتا چل جائے، ہم نے انہیں ڈھونڈ نکالا ہے۔ اگر اس مرتبہ وہ اچھے سے نکل گئے تو پھر بھی نہیں ملیں گے۔ یہ آواز بھی میرے اندر سے آرہی ہے براخا۔"

"آپ لگ رہی ہیں۔" داخل کاری نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ خالصتاً آپ کا اسائنمنٹ ہے۔ سب کچھ آپ کی ہدایات کی روشنی میں کیا جائے گا۔ اس دفعہ کوئی کوتاہی، کوئی لٹگی نہیں ہوگی۔"

"میکو ہا! آپ نے یہ اسائنمنٹ مجھے دیا ہے اس لیے میرا فکرمند ہونا لازمی ہے۔" داخل کاری نے گہری سنجیدگی سے کہا۔ "کیا میں جان سکتی ہوں کہ آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے؟"

"نہیں نہیں، ضرور۔۔۔۔۔ تو آپ کا حق ہے۔ وہ جلدی سے بولا۔ "اسرائیلی ایٹمی جہاز کا چیف میرا بہت اچھا دوست ہے۔ ہماری ایجنسی، دنیا کی خبروں کی سبکٹ سرورس ہے۔ روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں جو ان کی نگاہ سے پوشیدہ ہو۔ آپ "موساد" کے مشہور زمانہ اور خبریہ سلوگن سے تو اچھی طرح واقف ہیں نا۔"

"اس دنیا میں جو بھی خلاف معمول اور تباہ کن واقعہ رونما ہوتا ہے، وہ یا تو ہم ہی نے کیا ہوتا ہے اور یا پھر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کس نے کیا ہے۔" براخا نے کہا۔ "آپ اسی سلوگن کی بات کر رہے ہیں نا۔۔۔۔۔؟"

"ہاں، بالکل ا۔" وہ تائیدی انداز میں بولا۔ "میں بھی ایٹمی جہاز چیف سے بات کر کے اس پراسرار جزیرے کے بارے میں ٹھوس معلومات حاصل کرتا ہوں۔ اس کے بعد ہم ان دونوں کمپنیوں کو چھاپنے کا منصوبہ ترتیب دیں گے۔"

"ہاں، یہ ٹھیک ہے۔" براخا نے مقتدر انداز میں کہا۔ "میں آپ کی کال کا انتظار کروں گی۔"

"آج دن میں کر دھپ پر جو ناخوش گوار واقعہ پیش آیا تھا اس کی وجہ سے آپ کو کسی وقت یا دشواری کا سامنا تو نہیں کرنا پڑا؟" داخل کاری نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ا۔" وہ پوری قطعیت سے بولی۔ "میں اس

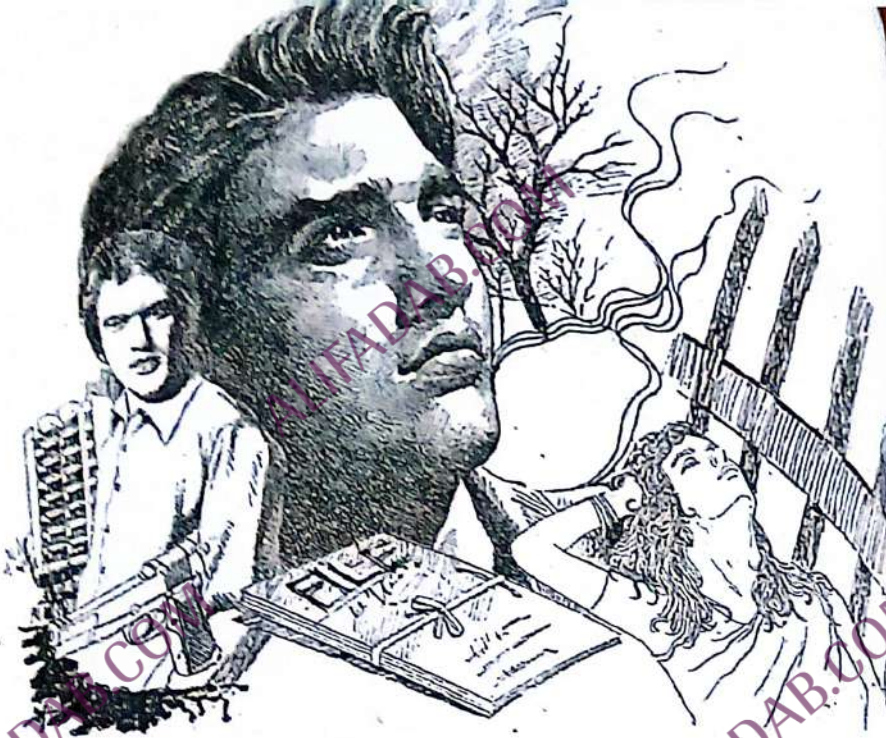
کروڑوں کی سب سے زیادہ حوصلہ سنا رہی تھی اور اس
 حساب سے محرم ہو گئی۔ عورتوں کی آپ جانتے ہیں۔ میں ہر
 نوعیت کی صورت حال کو سنبھال رہی ہوں۔ جانتے ہیں۔
 وکیل کا ریلے نے یہ سنا تھا۔ "ہاں وہ ہے۔"
 اس کے بعد ان دونوں میں وقتی طور پر سیٹھ راجہ
 موقوف ہو گیا۔ وکیل نے موسیٰ کے چہرے کو دیکھ کر لگے میں
 ڈراما بھی تھوڑے سے کام نہیں لیا۔ تیسری ٹیم کی پڑاؤ بار بار
 عرف دادی نے وکیل کی کال پر کر لی۔ واضح رہے کہ یہ
 "دادی" والد صاحب کی والدہ جی دادی تھیں۔
 رکی ٹیک سلیک کے بعد وکیل کا ریلے مدعا پر آ گیا اور
 کہا۔ "دادی ایک سچے سچے آدمی کی مدد چاہیے۔"
 "تھوڑا! آپ محکم کریں۔" دادی نے یہ مداحی
 کہا۔ "آپ ایک عظیم کار کے لیے کوشش کریں۔ یہ انجی
 آپ کی ہر خدمت کے لیے ہم وقت تیار ہے۔"
 وکیل کا ریلے نے نہایت ہی مختصر مگر جامع الفاظ میں
 اس کال کی فزکس بیان کر دیا۔ پوری بات سننے کے
 بعد دادی نے گہری سانس لی۔
 "ہاں! آپ جس چیز کے لیے بات کر رہے ہیں،
 وہ ایک ہائیڈ (سیب زدہ) آئی لینڈ ہے۔ آج تک جس
 بھی انسان نے اس چیز سے پر قدم رکھا، پھر بھی زندہ
 وہاں نہیں آیا۔ یہ انجی اپنے کی لینڈ ایجنٹ اس خطے کے
 جیسے میں کھینچ رہے ہیں اس خطے کو "ڈیجھ آئی لینڈ" کا
 نام دے کر اصرار کرتا ہے۔ چھوڑ دیا ہے لیکن اگر آپ کا حکم
 ہوگا تو انجی اپنے اور جانوروں کو بھی قربان کرنے کے لیے
 تیار ہے۔"
 وکیل کا ریلے گہری سانس میں ڈوب گیا۔ براہِ حق
 اطلاع مد فیصلہ کی اور اس کا دادی کی علم قلمی داد و تحسین
 تھا۔ ٹوٹا اور ٹپکلی نے جس پراسرار چیز سے پر پتا دلی
 تھی، وہ واقعتاً حیات کش مقام تھا۔ ان دونوں کا یہ فیصلہ اگر
 کسی سوچنے والے کے منسوب کا نتیجہ تھا تو یہ اور بھی زیادہ تھوڑی
 ناک بات تھی۔
 "تھوڑا! آپ خاموش کیوں ہیں؟" ڈیوڈ بارنیا
 عرف دادی نے مودب انداز میں پوچھا۔ "کیا میری کوئی
 بات آپ کو بری لگ گئی ہے؟"
 "ہرگز نہیں دادی!" وکیل کا ریلے نے جلدی سے
 کہا۔
 "میں آپ کی ضرورت کو سمجھ گیا ہوں اور آپ سے
 ہر شے کو کرنے کے لیے تیار ہوں۔" دادی نے
 جاسوسی ڈائجسٹ

شہر دینے والے تھا۔ میں نے کہا۔ "اگر اس شخص میں
 کو اس رائی کی نیوی کا ساتھ دیا جائے تو وہ اس شخص
 کے امکانات پر حیرت ہو گا۔ لیکن یہ ایک خاص صورت
 حال ہے جس کے بارے میں نیل فونل ہم سمجھنا
 چاہتے ہیں۔"
 "میں نیل فونل حکام سے بات کر سکتا
 ہوں۔ آپ کو وہاں کال کرنا ہے۔" وکیل کا ریلے نے کہا۔
 "مجھے یقین ہے کہ نیل فونل اس شخص کی مدد کرے گا۔"
 دادی نے اس کے خیال کی تائید میں کہا۔ "ہم
 کوئی شخص بھی آپ کی بات کو دل نہیں لے گا۔ چاہے وہ
 فورس کا سربراہ ہو یا پھر ہینڈ آف اسٹیٹ ہو۔ آپ ہم
 ان کا گویا ہونا چاہتے ہیں۔ ہائیڈروپس کی دکان کی
 تھانے کے لیے رات و دن سخت کوشش کریں۔ آپ
 خدمات کی بھی سیدھی کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ آپ
 دادی کی بات مکمل ہونے کے بعد وکیل نے
 کماؤ ریکشن سے رابطہ کر کے اس صورت حال سے آگاہ
 کیا۔ یہ رابطہ "جین آف کماؤ" کے مراحل سے گزر کر
 "جین دی ایشن" کی شکل اختیار کر گیا۔ اس کے بعد
 کچھ خود بخود ترتیب پاتا چلا گیا۔ وکیل نے نیل فونل سے
 ہونے والی گفتگو کو دادی کے سامنے رکھا۔ پھر ان دونوں کی
 بات چیت کی تفصیل سے براہِ حق آگاہ کرنے کے بعد
 غصے ہوئے لہجے میں کہا۔
 "اسرائیل نیوی کی ایک سب میرین (آبدوز) اس
 وقت بحر اوقیانوس کے گہرے پانیوں میں، آپ کے قتلے
 ہوئے تھی لیکن اس کو آڑی ٹینس سے شخص ایک دن کی
 مسافت پر موجود ہے۔ "ڈوٹن" کا اس نامی اس سر
 میرین کے تجربہ کار نیل کماؤ وز ہر نوعیت کی کارروائی
 کے لیے ہم وقت تیار ہیں۔ اگر موسیٰ کے ہونہار فیڈ ایجنٹ
 بھی ان کماؤ وز کے ساتھ جھانٹ وچھڑ کریں تو کوہِ قسوس
 ہمارے ہاتھ لگ جائے گا۔ اچھا! اس پراسرار چیز سے
 کے قرب و جوار میں پہنچانے کے بعد ان لوگوں کے ذریعے
 اپنے لوگوں کو چیز سے پر اتارنا چاہتا ہے۔ ایک امید
 ہمارے من میں مد فیصلہ کا سیب رہے گا۔ آپ اس بارے میں
 کیا کہتی ہیں؟"
 "منسوب شان دار اور قابلِ عمل ہے۔ مجھے پند
 آیا۔" براہِ حق منسوب لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن اس
 سلسلے میں میری چند گزارشات ہیں۔ تھوڑا۔"
 "ہاں، ہاں۔ آپ کہیں۔" وہ جلدی سے ہوا۔
 جاسوسی ڈائجسٹ

میں اس وقت اس چیز سے غافل ہو گیا۔
 کی خبری پر ہوں لہذا فوراً طور پر میں فرنگی وہاں حاضر
 تھا۔ یہ سچی جگہ یہ کام کی اور اس کے (موسل) کے ذریعے
 میں ہو سکتا ہے۔ براہِ حق سمجھنا میں لگا ہوں۔
 اس نامی اس آبدوز یا مرسر سے کسی ایسے آدمی کے
 ہر رابطہ کر دیا جائے جس کا نام من کلازی ہے۔
 اس چیز سے پر قدم رکھنے والا ہو تو میں اس شخص کو اپنا
 حریف بنا لوں گی۔ پھر جب میرا اور اس ٹوٹا سے آئی
 پہنچ کرے گا تو میں اپنے "اسرائیل" کی آنکھوں کے
 ذریعے سے وہاں کی سوچ کو گرفت میں لے کر اسے فریڈ کر
 دے گی۔ سوچے سمجھے کے قتل رہے گا اور نہ ہی بچے بچے
 سے اس کے بعد اسے اپنے قابو میں کرنا بہت آسان
 ہو جائے گا۔
 "تھوڑا! آپ یہ سب کروڑوں پر موجود رہے ہوئے
 رہیں گی؟"
 "بے شک بخیر باد۔" براہِ حق اس لہجے میں
 جواب دیا۔
 "میں سمجھ گیا ہوں۔" وکیل کا ریلے نے سوچ میں
 ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "آپ یقیناً ایسا کر سکتی ہیں۔ یہ
 آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔"
 "ایک بات اور بخیر باد۔" براہِ حق نے ایک ایک لفظ پر
 زور دیتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ ان رات کے آخری حصے میں
 سر انجام دیا جائے گا جب وہ دونوں گہری نیند سو رہے ہوں
 گے۔"
 "ہاں!" وکیل کا ریلے نے فیصلہ کن انداز میں
 کہا۔ "میں نیل کماؤ اور انجی چیف سے معاملات طے
 کرنے کے بعد آپ کو آگاہ کر دوں گا۔"
 براہِ حق نے اپنے "بخیر باد" کا شکریہ ادا کیا جس کے
 بعد وکیل رابطہ موقوف ہو گیا۔
 ☆☆☆
 جاسوسی ڈائجسٹ

میں نے سمجھ لیا کہ اس نے کئی گھنٹے
 فی رائی کر کے قتلے کوئی جگہ پر رکھی تھی جس سے
 ہٹ کے بعد وہی اصل میں تھا۔ چار بار پھر اس کی
 برکت سے وہاں پر موجود رہے۔ واضح رہے کہ یہ
 کوال آئی لینڈ چکر لگا کر آپ گہری کالیں (ایجو
 جی) سے بھی بہت نیچے پہاڑیوں میں واقع خاص
 جگہ پر موجود تھا۔ اس کا وہ صحت لرا پاک آف ٹیمر (ایجو سٹارٹ)
 اور اس کے کال کے علاقوں سے بہت قریب تھا۔ چار
 ہزار موسیوں کا وہاں تو بالکل بالکل تھا جیسا کہ وہاں
 پر تھوڑی اور فروی حرم کے سب سے خیران وہاں
 بھی زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت میں درجہ سٹیگر گری رہتا
 تھا اور جی لائی واکٹ موسم سا شمار ہوتے تھے جن میں اس ازم
 ۔۔۔ درجہ حرارت آٹھ درجہ سٹیگر گری رہا تھا۔ یہاں
 طرح موسم بہار اور موسم خزاں کی ٹپکلی تھی۔
 مارچ کا مینا موسم خزاں اور جبکہ موسم بہار۔ اس
 حساب سے ان دونوں وہاں موسم بہار کا تھا۔ اگر غور کیا
 جائے تو کوال آئی لینڈ کا بار آورم ہی تھا۔
 آج شام میں جب اوکا چاول لہانے میں مصروف
 تھی تو جاسوسی نے اس کی ٹھہر بجا کر اصرار کیا کہ وہاں شہ پر چ
 کھول کر پڑھ لیا تھا۔ اس پر سب سے اوپر کسی جگہ
 کے کئی لی ایس۔ کو آڑی ٹینس درجہ تھے۔ اس کے نیچے کی
 تحریر لکھ یوں کی۔
 "جاسوسی!" اس مرتبہ اصرار نے اسے ٹوہان کے
 بجائے اس کے اصلی نام سے مخاطب کیا تھا۔ "یہ لوکیشن خرو
 سنی کے ایک گھر کی ہے۔ ہمیں سات اکتوبر کی صبح اسرائیل
 کے مقامی وقت کے مطابق ٹھیک چھ بجے خود کو ڈھکڑو لوکیشن
 پر ٹپکلی پورٹ کرنا ہے۔ وہاں پر تمہاری روشن آنکھوں والے
 ایک فلسطینی جاں باز سے ملاقات ہوگی۔ اس شخص کو ایک
 خاص معاملے میں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ یہ چرمنٹ کا
 کام ہے جس کی تفصیل ہمیں وہی فلسطینی مجاہد بتائے گا۔ تم وہ
 کام نہانے کے بعد سیدھے اولڈ میڈم کارنگ کرو گے اور
 وہاں حارۃ السکین (مسلم کارنگ) میں اپنے بیٹھتی دادا
 جان زین باقر سے جا کر ملو گے۔ اس کے آگے کی ہدایات
 ہمیں زین باقری سے لیں گی۔ میں نے یہاں پر کوال آئی
 لینڈ کے کئی لی ایس۔ کو آڑی ٹینس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ
 تمہارے ابتدائی مقامی پرواز کی لوکیشن کو دہرانے کی
 ضرورت نہیں رہی۔ ہمیں اس پابندی سے بھی آزاد کر دیا گیا
 ہے۔ تم جب چاہو، صرف اپنی منزل کے کئی لی ایس۔
 جاسوسی ڈائجسٹ

ALIFADAB.COM



میرہ خلیل جبار

جذبائی لوگ، بحیثہ خسارے کا سودا کرتے ہیں... کیرنکہ
جذبات کی تیز لہر انہیں سوچنے سمجھنے سے کوسوں دور
دھکیل دیتی ہے... ایک ایسی ہی کہانی جہاں کسی کے جذبات
مجروح ہو رہے تھے اور کسی کو گھائل کر رہے تھے...

محبت و انتقام میں انتہائی قدم اٹھالینے والوں کی پشیمانی.....

شہینا ایک جذباتی عورت تھی۔ اُس نے الیاں کو
نوٹ کر چاہا تھا۔ اس لیے گھر بھر کی مخالفت کے باوجود الیاں
سے شادی کر لی۔ الیاں کے ملٹی پٹیشنل کمپنی میں ایک اچھے
عہدے پر فائز ہونے کی وجہ سے، اس کے پاس پیسے کی کوئی
کمی نہیں تھی۔ الیاں شہینا کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اسی لیے وہ
بہت خوش رہتی تھی۔ شادی کی پہلی رات ہی شہینا نے اس سے
کہہ دیا تھا کہ وہ سب کچھ برداشت کر لے گی، لیکن اگر اس
نے بے وفائی کی تو اسے بھی نہیں چھوڑے گی اور خود کو بھی گولی

پڑوں سے۔ سر...
”تم جھوٹ بول رہی ہو، چابی کسی بھی ہاڈا میں نہیں
ہے۔“ ولیم نے باہر آکر غصے سے کہا۔
”میں جھوٹ نہیں بول رہی، تم جلد بازی میں میرے
نہیں دیکھ رہے، دوبارہ دیکھو اور جلدی نہ کرو۔ میں نے بتا دیا
کہ آج نرس نہیں آئے گی۔ تلی سے جو چیز لے جانا چاہتے ہو
لے جاؤ۔“ سوز مائیکل نے جس لہجے میں کہا، اس سے ولیم کو
کہہ سچ بول رہی تھی۔ ولیم دوبارہ بیڈ روم میں چلا گیا لیکن
واپس اسے بیڈ روم سے پولیس نے نکالا۔
☆☆☆

ایکسٹنٹ میں سوز مائیکل کی ہانگوں کے ساتھ دونوں
بازو بھی خانہ ہو گئے تھے۔ ایسے میں مارٹھا نہیں ایک پم کے
لیے بھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ صبح جب مارٹھا واک کے لیے
جائی تو اپنا سیل فون آن کر کے وینڈ فری لگاتی اور دوسرا فون
اپنی ماں کی گود میں رکھ کر وینڈ فری ان کے کانوں میں لگا دیتا،
واک انکسرس سائز کے دوران وہاں سے ہلکی پھلکی بات کرتی رہتی
اور سوز مائیکل اس سے کچھ باتیں کرتی رہتیں۔ آفس کے لیے
روانہ ہونے سے پہلے مارٹھا اپنی ماں کی نرس کو کال کرتی ان
کے (سوز مائیکل کے) فون سے اور نرس گھر پہنچتے تک سوز
مائیکل سے مسلسل بات کرتی رہتی، یوں سوز مائیکل گھر میں اکیلے
(کچھ وقت کے لیے) ہوتے ہوئے بھی تنہا نہ ہوتیں۔

ولیم نے لا کر کی چابی کا پوچھنے کے لیے جیسے ہی سوز
مائیکل کے کان سے وینڈ فری نکالا، نرس کو پتا چل گیا کہ گھر میں
کوئی چور گھس آیا ہے کیونکہ اس وقت نرس ان سے (سوز
مائیکل) سے راتلے میں ہی پھر نرس کو پولیس اور مارٹھا کو بلوانے
میں زیادہ تاخیر نہیں لگا۔ ولیم بھی سوز مائیکل نے ہوشیاری
دکھائی تھی اور وہم سے جھوٹ کہہ دیا تھا کہ اس کی نرس چوٹی پر
ہے تاکہ وہ نرس کے آنے تک بھاگ نہ جائے اور تلی سے
چوری کرے، سوز مائیکل کو یقین تھا کہ نرس سب سنبھال لے
گی۔ کیونکہ وہ ولیم اور ان کی (سوز مائیکل کی) ساری بات سن
چکی تھی اور پھر ایسا ہی ہوا۔

☆☆☆

انفوس کہ ولیم کی اپنے علاقے میں یہ پہلی چوری تھی جو
بڑی طرح ناکام کوشش ثابت ہوئی۔ اپنے علاقے میں انہیں
ساکھ کی بنا پر ولیم انتہائی پر اعتماد تھا۔ مگر مارٹھا کے گھر جانے
کے بعد اتنا ہی ششدر رہ گیا۔ ایک معذور عورت کی امت کچھ
کر دکھانے سے اس کی تمام خود اعتمادی ہوا ہو چکی تھی۔

❖❖❖

میں آگیا ہے۔ وہ بے باؤں چلتے ہوئے آگے بڑھائی تھا کہ
اسے سوز مائیکل اپنی وکیل پیئر پر دھوپ بیٹھتی نظر آگئیں۔ سوز
مائیکل نے وینڈ فری لگا رکھے تھے اور وہ بڑے سکون سے
آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ ولیم کو وہ پختہ عمر کی بارہنہ لگیں۔ وینڈ
فری لگانے کی وجہ سے سوز مائیکل کی آنکھیں تو بند تھیں، کان بھی
دوبارہ کے قلابا کچھ سننے میں مگن تھیں۔ ولیم نے کمرے میں
جانے کا فیصلہ کیا۔ اگلا کمرہ یعنی بیڈ روم خاصا بڑا تھا اور دو بیڈ روم
ہوئے تھے، تی وی اسکرین، کپڑوں کی بڑی الماری اور ایک
آرام کر کے موجودگی۔ کمرے کی کھڑکی کے قریب دو چھوٹی
کھال اور ایک میز بنی تھی۔ میز پر تازہ اخبار رکھا ہوا تھا۔ کمرہ
چلتے سے سجایا گیا تھا، خاصہ سامان کے باوجود کمرہ کشادہ تھا۔

ولیم نے الماری کھولی اور تیزی سے سامان الٹ پلٹ
کرتے لگا۔ الماری کے ایک حصے میں لاک لگا ہوا تھا۔ ”یقیناً
اسے ہی کھولنا چاہیے۔“ ولیم نے چابی کی تلاش میں ابھر اُھر نظر
دوڑاتے ہوئے سوچا۔ وہ بہت تیزی سے ہر اس جگہ دیکھ رہا تھا
جہاں چابی چھپائی جاسکتی ہو، اچانک اسے خیال آیا کہ ایک بار
بیرونی دروازہ دیکھ لے۔ کوس آنے والی ہوگی۔ ولیم خاصی
تیزی میں تھا۔ کمرے سے باہر آنے ہی اچانک اس کا پاؤں مڑ
گیا اور وہ ٹھوکر کھاتا سوز مائیکل کی وکیل پیئر سے جاکر بائیں وکیل
چیز کے بجائے سوز مائیکل نے آنکھیں کھول دیں۔ ولیم نے
اُن سے نظریں ملتے ہی انہیں خاموش رہنے کا اشارہ دیا اور
دوبارہ چابی کی تلاش میں جانے لگا۔ اچانک وہ پیچھے مڑا اور سوز
مائیکل کے قریب آگیا۔

”میں آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس یہ بتا
دیں کہ لا کر کی چابی کہاں رکھی ہے۔“ ولیم نے سوز مائیکل کا وینڈ
فری نکالتے ہوئے پوچھا۔

”مگر تم واقعی صرف چوری کر کے چلے جاؤ گے اور مجھے
کوئی نقصان نہیں پہنچاؤ گے تو میں تمہیں بتا دیتی ہوں کہ لا کر کی
چابی کہاں ہے۔“ سوز مائیکل نے قدرے ڈرے لہجے میں کہا۔
”میں نے کہا تھا کہ تمہیں کچھ نہیں کہوں گا، جلدی بتا دو کہ
چابی کہاں رکھی ہے؟“ ولیم نے تھوڑی دیر تلی سے کہا۔

”بیڈ روم میں ہوگی۔“ سوز مائیکل نے جواب دیا۔
”اگر وہ بیڈ روم کی ہاڈا میں؟ ذرا جلدی بتاؤ۔ میں
تمہاری نرس کے آنے سے پہلے جانا چاہتا ہوں۔“ ولیم نے پوچھا۔
”تم تلی سے اپنا کام کرو آج میری نرس نہیں آئے گی۔
اس نے چوٹی لی ہے۔ تم دونوں بیڈ روم کی ہاڈا میں سکون سے چیک
کر لو ہل جائے گی۔“ سوز مائیکل نے بتایا۔

ولیم جلدی سے اپنے درمیان طرف دروازہ ہاڈا میں

164

جاسوسی و انجسٹ ————— 165 ————— اگست 2024ء

”میں ایسا کی کئی میں کام کرتا ہوں اس لیے سارے رازوں سے واقف ہوں، میں آج کسی خاص اجلاس کی وجہ سے یہ بات تمہیں بتانے پر مجبور ہو گیا ہوں۔“

”کیسی اجلاس؟“

”میرا لسان میری منگیت پر ہے میں اس سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن ایسا نے اسے مانی اور کالاجی دے کر اپنے حال میں بیٹھ لیا ہے اور اب انکس کی رائیں اس کے بدلے دم میں گزرتی ہیں۔“

”کیا اس کے گھر والے ایسا کے آئے، چالے پر اعتراض نہیں کرتے؟“

”کیسے کریں گے، ایسا نے اسے الگ فلیٹ رہنے کے لیے دیا ہوا ہے، اس لیے فلیٹ میں کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔“

”اور اچھا یہ بات ہے۔“ مہینا نے کہا۔

”میں خود بخود ہی ہوں ایسا سے مقابلہ کرنے کی پروا نہیں میں نہیں ہوں۔“

”تم نے اچھا کیا جو یہ تمہیں بتایا، لیکن میری یہ بات سمجھ میں نہیں آئی جب تم اپنی منگیت کے بارے میں سب کچھ جان چکے ہو، پھر بھی اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟“

”میرے دل میں میری منگیت کے لیے کوئی عیب نہیں ہے، میں تو یہ چاہتا ہوں، جب وہ میری نہیں بن سکی تو ایسا کی کمی نہ بن سکے۔“

”فلیٹ کے تم رات میں مجھے اس فلیٹ تک چھوڑ آنا، ہاتھ میں سب دیکھ لوں گی۔“ مہینا نے کہا۔

ایسا کے بارے میں افشائات جان کر اس کا دماغ گھوم گیا تھا اور ذہن میں آنسو میاں سی چل رہی تھیں، جس کا ایک گلاس پینا اس کے لیے مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے اس نے جیسے جیسے آدھا گلاس مٹا کر اپنے اندر ملا تھا، اور رات میں ملاقات کا وقت طے کر کے گھر روانہ ہو گئی۔

مہینا کو وہ رہ کر ایسا پر افسوس ہوا تھا کہ وہ ایک شخص کے باز انسان لگتا۔ مہینا کو ایسا کی ساری باتیں پسند تھیں، لیکن اس کا بیٹے میں ایک یاد دہات گھر سے باہر گزارنا پسند نہیں تھا۔ وہ جب بھی اس معاملے پر احتجاج کرتی ہے، وہ مسکراتا۔

”میری جان یہ سب آنسو نہیں دیکھ رہی ہو، یہ سب اس لوکر کے دم سے ہیں۔“

”ساتھ ساتھ تم آنسو دلوں گے کہہ رہی ہو۔“

”اگر کچھ نہ ہو۔“

”ہاں کر سکتا ہوں، لیکن دوسری شخصیات تک نہیں۔“

”نہی میں کسی بھی عہدہ میں نہیں رہی ہوں۔ اس لیے اسے نہیں مانگا ہے۔“

”ایسا کی عادت الٹا ہے عادت عادت ہے۔“

”ایسا کی عادت الٹا ہے۔“

”آج آج اس کے باوجود اس کی عادت بدل چکی ہے۔“

”تر آسائوں کے باوجود اس کی عادت بدل چکی ہے۔“

”سات سال ہو چکے تھے۔ لیکن وہ اداوارہ میں سے غریب تھی، وہ خود بھی یہی محسوس کر لے گی تھی۔ ایسا کی اب اس میں دلچسپی پہنچ چکی تھی۔ جو شادی سے قبل اور شادی کے دو سال تک رہی تھی۔ وہ اداوارہ کی خاطر دوسری شادی کر سکتا ہے، اور یہ بے مہر سے یہ بات سن کر مہینا کو ایسا پر شدید غصہ آ رہا تھا، لیکن وہ غصے کو برداشت کر رہی تھی۔ دل تو اس کا چادر ہا تھا کہ وہ ابھی اور اسی وقت اس معاملے پر ایسا سے مواہل پر بات کر لے، لیکن خود کو روکے ہوئے تھی۔ وہ آج ایسا کو روکے ہاتھوں پکڑنا چاہتی تھی اس لیے انتظار برداشت کر رہی تھی۔

ارباب اپنی کامیابی پر بہت خوش تھا۔ وہ جو چادر ہا تھا، ابھی تک اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔ ارباب کو ایسا پر شدید غصہ تھا۔ اس نے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ ایسا سے بھرپور طریقے سے انتقام لینا چاہتا تھا۔ اس کے گھر میں جو آگ ایسا نے لگائی ہے، ارباب ایسی ہی آگ اس کے گھر کو آگ لگانا چاہتا تھا۔

ارباب اور مہر النساء نے یونیورسٹی سے ایک ساتھ کریمیشن کیا تھا۔ دورانِ تعلیم وہ ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔ اس کی پسندیدگی کا نتیجہ یہ نکلا، ارباب کو کوکر کی مل جانے پر وہ شادی کی عہد شکنی میں بندھ گئے۔ والدین کے ساتھ وہ جس گھر میں رہتا تھا، وہ گھر چھوڑنے پر ارباب مجبوراً ایک کرائے کے فلیٹ میں آ گیا۔ وہ کوکروں کا یہ فلیٹ ان دونوں کے لیے بہت تھا۔ یہ فلیٹ ارباب کے دوست کھانا نے دلا تھا۔ اس کا فلیٹ برابر میں ہی تھا۔ اس لیے وہ بے فکر ہو گیا تھا کہ اگر آفس کے کام سے کسی دوسرے شہر جانا پڑو تو کوکر کی بات نہیں ہوگی۔ فلیٹ مل جانے پر دفتر کے دوست باری کا تقاضا کرنے لگے تو ارباب نے اپنے فلیٹ پر آفس کے قریبی دوست اور اپنے باس ایسا کو بھی مدعو کر لیا۔ اس تقریب کا یہ فائدہ ہوا کہ ایسا کی مہربانیاں بہت بڑھ گئیں۔

اس بات پر وہ خود بخود ہی حیران تھا کہ اس میں ایسا کی ایسا بات تھی۔ اس نے اس کو اداوارہ پر اب اسے ملنے کے لیے دوسرے محلوں میں بھیجا جانے لگا تھا۔ مہر النساء نے اس بات کے نام پر بھی خود کے ساتھ مجبوراً اس کی جالی خفیہ سبب سے اس کو ایک چھوٹی سی فلیٹ میں رکھ دیا۔ اس کی فلیٹ میں تھی۔ ایسا اس سے اس کی طرف سے مہر النساء کی طرح لگے لگا۔ انکس سے ملاقات کر کے گھر بھی آ جاتا تھا۔ مہر النساء کے کھانے کے لیے تیار کر لیتا۔ مہر النساء کھانا کھا کر خوب چاتی تھی۔ کھانے والے اپنی انگلیاں جاننے رہ جاتے تھے۔ ایسا کھانوں کی تعریف کرتے نہیں تھا تھا۔ ایسا سے قریبی تعلق ہو جانے پر اس میں جو برائیاں تھیں، ایک ایک کر کے اس پر ظاہر ہونے لگی تھیں۔ وہ یہ بات جان گیا تھا کہ ایسا ایک شہر کا میاں آدمی ہے۔ مہر النساء بھی اس لیے اسے بڑے مہر سے پر فائز ہے۔ وہ یہ تو سن چکی تھیں کہ ایسا ایسا اس کی بیوی مہر النساء سے مراسم کھانے کا۔ اسے ایسا پر بہت اعتماد تھا اس لیے اس کی طرف سے بے فکر ہو گیا۔

ایک دن اس کی ملاقات کھانا سے سہرا ہو گئی۔

”بہت عرصہ ہو گئے ہو، دوستوں سے ملنا بھی پسند نہیں ہے۔“ کھانا سے بے فکر ہو گیا۔

”ہاں کی مہربانی سے تیری ہوئی ہے اس لیے ڈرتے داریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”ڈرتے داریاں بھانا انہی بات ہے لیکن مہر کی طرف سے بالکل بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔“

”اسی مطلب میں سمجھتا ہوں؟“ ارباب چونکا۔

”گھر سے زیادہ باہر رہنے کی وجہ سے تمہارے باس کا جہاز سے گھر آنا بہت ہو گیا ہے۔“

”یہ بات مجھے مہر النساء نے نہیں بتائی کہ میری خیر موجودگی میں باس آتے ہیں۔“

”اس نے نہیں بتائی ہوگی۔ تمہاری بھابی شرمین کو میں نے اس حوالے سے سمجھا تھا کہ وہ بھابی مہر النساء سے معلومات حاصل کریں کہ یہ کیا جہاز ہے۔“

”مہر النساء نے کیا بتایا؟“ ارباب نے پوچھا۔

”بتایا کچھ نہیں بس ناراض ہو گئی کہ یہ ہمارے پرستل ملاقات ہیں اور کسی کو دوسروں کے بارے میں چھان بین نہیں کرنی چاہیے۔“

”اچھا مہر النساء نے ایسے کہا، خیر میں خود بات کرتا ہوں۔“ ارباب نے کہا۔

اس نے بھی اداوارہ کی ایک عہد شکنی میں اس کی جالی خفیہ سبب سے اس کو ایک چھوٹی سی فلیٹ میں رکھ دیا۔ اس کی فلیٹ میں تھی۔ ایسا اس سے اس کی طرف سے مہر النساء کی طرح لگے لگا۔ انکس سے ملاقات کر کے گھر بھی آ جاتا تھا۔ مہر النساء کے کھانے کے لیے تیار کر لیتا۔ مہر النساء کھانا کھا کر خوب چاتی تھی۔ کھانے والے اپنی انگلیاں جاننے رہ جاتے تھے۔ ایسا کھانوں کی تعریف کرتے نہیں تھا تھا۔ ایسا سے قریبی تعلق ہو جانے پر اس میں جو برائیاں تھیں، ایک ایک کر کے اس پر ظاہر ہونے لگی تھیں۔ وہ یہ بات جان گیا تھا کہ ایسا ایک شہر کا میاں آدمی ہے۔ مہر النساء بھی اس لیے اسے بڑے مہر سے پر فائز ہے۔ وہ یہ تو سن چکی تھیں کہ ایسا ایسا اس کی بیوی مہر النساء سے مراسم کھانے کا۔ اسے ایسا پر بہت اعتماد تھا اس لیے اس کی طرف سے بے فکر ہو گیا۔

ایک دن اس کی ملاقات کھانا سے سہرا ہو گئی۔

”بہت عرصہ ہو گئے ہو، دوستوں سے ملنا بھی پسند نہیں ہے۔“ کھانا سے بے فکر ہو گیا۔

”ہاں کی مہربانی سے تیری ہوئی ہے اس لیے ڈرتے داریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”ڈرتے داریاں بھانا انہی بات ہے لیکن مہر کی طرف سے بالکل بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔“

”اسی مطلب میں سمجھتا ہوں؟“ ارباب چونکا۔

”گھر سے زیادہ باہر رہنے کی وجہ سے تمہارے باس کا جہاز سے گھر آنا بہت ہو گیا ہے۔“

”یہ بات مجھے مہر النساء نے نہیں بتائی کہ میری خیر موجودگی میں باس آتے ہیں۔“

”اس نے نہیں بتائی ہوگی۔ تمہاری بھابی شرمین کو میں نے اس حوالے سے سمجھا تھا کہ وہ بھابی مہر النساء سے معلومات حاصل کریں کہ یہ کیا جہاز ہے۔“

”مہر النساء نے کیا بتایا؟“ ارباب نے پوچھا۔

”بتایا کچھ نہیں بس ناراض ہو گئی کہ یہ ہمارے پرستل ملاقات ہیں اور کسی کو دوسروں کے بارے میں چھان بین نہیں کرنی چاہیے۔“

”اچھا مہر النساء نے ایسے کہا، خیر میں خود بات کرتا ہوں۔“ ارباب نے کہا۔

ایک دن اس کی ملاقات کھانا سے سہرا ہو گئی۔

”بہت عرصہ ہو گئے ہو، دوستوں سے ملنا بھی پسند نہیں ہے۔“ کھانا سے بے فکر ہو گیا۔

”ہاں کی مہربانی سے تیری ہوئی ہے اس لیے ڈرتے داریاں بھی بڑھ گئی ہیں۔“ اس نے بتایا۔

”ڈرتے داریاں بھانا انہی بات ہے لیکن مہر کی طرف سے بالکل بے فکر نہیں ہونا چاہیے۔“

”اسی مطلب میں سمجھتا ہوں؟“ ارباب چونکا۔

”گھر سے زیادہ باہر رہنے کی وجہ سے تمہارے باس کا جہاز سے گھر آنا بہت ہو گیا ہے۔“

”یہ بات مجھے مہر النساء نے نہیں بتائی کہ میری خیر موجودگی میں باس آتے ہیں۔“

”اس نے نہیں بتائی ہوگی۔ تمہاری بھابی شرمین کو میں نے اس حوالے سے سمجھا تھا کہ وہ بھابی مہر النساء سے معلومات حاصل کریں کہ یہ کیا جہاز ہے۔“

”مہر النساء نے کیا بتایا؟“ ارباب نے پوچھا۔

”بتایا کچھ نہیں بس ناراض ہو گئی کہ یہ ہمارے پرستل ملاقات ہیں اور کسی کو دوسروں کے بارے میں چھان بین نہیں کرنی چاہیے۔“

بہترین تحریریں، لا جواب دروازہ
اٹلی داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

سرگزشت

شمارہ اگست 2024ء

کی جھلکیاں

حقیقت شناسی

معروف پاکستانی معلم جس کی
آنکھوں میں ماضی بے اتر آتا تھا

صاحب عظیم

ٹائی نیک ڈوبنے کے پورے سو سال
بعد اسی انداز میں وہ جہاز ڈوبا

ان کی

دل کی آنکھوں سے پڑھنے والی دکھ بھری بچی بیانی

سندریا جزیروں

ایک بالکل الگ انداز کے سفر نامہ کی آخری کڑی

سورگ بواب دویش

ایک رات میں اس جھیل

نے کئی سولوگوں کی حبان لے لی

السیوجنوں

لبو کی گردش تیز کر دینے والی طویل سرگزشت

جس کا قارئین انتظار کرتے ہیں

سورگ بواب دویش

اور بھی بہت سی بچی بیانیاں، سچے قصے دلچسپ

واقعات "سرگزشت" کے مخصوص انداز میں

سرگزشت میں شمار

عزیز کی ایک مثال پر مشتمل کرائیں

اگست 2024ء

جسے ہوئے کیا۔
"ہاں یہ کر سکتے ہو۔" مہر النساء مسکرائی۔
"اب کو یہ بات محسوس کرنے میں ذرا بھی وقت نہیں
ہوئی کہ وہ ایک اچھی خاصی کامیاب اداکارہ بن چکی ہے، جو
اپنی ہر کاری سے اپنے کرموت چھپانے کے فن پر دسترس
پا لیتی رہتی ہے۔
ایک ہفتہ گزر گیا۔ اربب کوشش کے باوجود کوئی ایسی
جگہ نہ کر سکا کہ وہ دونوں سے بھرپور انتقام لے سکے۔ وہ
اپنی میں ایک فائل کا مطالعہ کر رہا تھا کہ الیاس نے اسے
اپنے پاس بلا لیا۔
"اربب تمہیں دو دن کے لیے نواب شاہ جانا پڑے
گا،" الیاس نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
"جی کب جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔
"مکمل بیچ روانہ ہو جانا۔" الیاس نے کہا۔
"ٹھیک ہے۔" اربب نے کہا۔
"سلطان سے فائل لے لو، ورنہ تمہیں کل آفس آنا
پڑے گا۔" الیاس نے کہا۔
"جی ہاں،" اربب نے کہتے ہوئے اربب کمرے سے نکل آیا۔
اس نے سلطان سے فائل لی اور آفس سے باہر نکل
گیا۔

کار میں بیٹھے ہی اس نے فائل چیک کی۔ فائل میں
سادہ کاغذ دیکھ کر اربب سمجھ گیا کہ الیاس اسے کیوں نواب شاہ
بجٹا جا رہا ہے۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کرنے لگا۔
"ابن بہت ہو گیا، اب یہ ٹھیک ہمیشہ کے لیے ختم ہو
جائے گا۔" اس نے خود کلامی کی۔ فلیٹ تک پہنچتے ہی اس کے
ذہن میں ایک انوکھا خیال آچکا تھا۔ صبح ہونے پر وہ نواب شاہ
کے لیے روانہ نہیں ہوا بلکہ اس نے الیاس کی بیوی شہیلا سے
 ملاقات کا پروگرام بنالیا۔ شہیلا سے اس کی ملاقات زبردست
محض اتفاق تھا۔ اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ وہ تصاویر
اس موقع پر اس طرح کام آسکتی ہیں۔ وہ اپنے پاس الیاس
کے جب زیادہ قریب ہوا تو اس کے رازوں سے بھی آشنا ہو
گیا۔ وہ الیاس کے نازک لمحات کی موبائل میں تصاویر پر بھی بنا
لیا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کی زندگی میں
ایسا بھی آئے گا۔ وہ ان تصاویر کو بکرا کر الیاس کی بیوی کے
دالے کرے گا۔ ان تصاویر کی بدولت ہی شہیلا سے اربب
کی ملاقات کامیاب رہی۔ اربب نہیں چاہتا تھا کہ پولیس کو
اس کے شہیلا سے رابطہ کرنے کا کوئی ثبوت ملے گا۔ وہ جو کھیل

فائل میں لیا۔ فائل دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک نئی جگہ
اندھ سارے کاغذ سارے تھے۔ ان پر کچھ بھی نہیں لکھا تھا۔
فائل دیکھ کر اس کے ذہن میں ایک نئی جگہ
ہو جانے پر اس نے مسکھ جانے کا ارادہ نہیں کر دیا۔
کے قریب ایک ہوٹل میں کرائے پر کرایہ کیا گیا۔
کمرے کو اس نے وی آئی آن کر دیا۔ رات کے آٹھ بجے
نے اپنا سواگن آنا کیا۔ اس کے اپنے بیڈ روم کا منظر نظر
اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی
تھا کہ اس کے گھر میں اس کی موجودگی میں مہر النساء کیا کر
رہی ہے۔ اس الیاس اسے سچ کی طرح اس کی بیوی کے
ساتھ مزے لوٹ رہا تھا۔ وہ دوست اور ماضی کے نام پر دوسرا
ثابت ہوا۔ مہر النساء الیاس کی بانہوں میں بہت خوش دکھائی
دے رہی تھی۔ اس نے مہر النساء کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ اس
کی ہر خواہش پوری کی پھر کیا کی رہ گئی تھی۔ اربب کی کچھ
میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ مہر النساء اس کی بیوی اور
الیاس اس کا باس تھا۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس
بھرپور انتقام لے سکے۔ اس کی غیرت یہ بھی گوارا نہیں کر سکتی
کہ اس کا پاس اس کی عزت سے اس طرح کھیلتا رہے۔ اربب
نوٹ کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔
کسی کو بتاتا ہے تو خود کو دوسروں کی نگاہوں میں رسوا کرنے کے
مترادف ہوگا۔

اربب خاصی دیر بیڈ پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔
سوچ کر اس کا ذہن چمٹا جا رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں
اس کے اپنے فلیٹ پر کیا کچھ ہوتا رہا اور وہ اس سے بے خبر رہا۔
سوچے سوچے۔ وہ ایک نئے پتے پہنچ گیا۔ اسے انتقام ہر صورت
دونوں سے لینا ہے۔ فوری انجین پر وہ خود کو نقصان پہنچانا نہیں
چاہتا تھا اس لیے پلاننگ شروع کر دی کہ کس طرح دونوں کے
درمیان کھینچ کر رہے۔
صبح ہونے پر اربب نے ہوٹل کا کمر خالی کیا اور کمر
کے لیے روانہ ہو گیا۔ کمرے کے آفس میں فائل دے کر واپس
چلا آیا۔ فلیٹ پہنچ کر اس نے مہر النساء کو دیکھا۔ وہ بہت خوش
دکھائی دے رہی تھی۔
"مہر دیر سے گھر سے ایک دو دن دودھ پینے پر تمہیں
کوئی پریشانی وغیرہ تو نہیں ہوئی؟" اربب نے پوچھا۔
"پریشانی یہی اب تو میں عادی ہو گئی ہوں۔"
"کس چیز کی عادی ہو گئی ہو؟"
"تمہارے گھر نہ ہونے پر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں
آفس سے نکلنے پر کار میں اس پر اس نے فائل کو آتا۔"

اگست 2024ء

"تمہارا پاس اچھے کھانے جہاں سے چاہے منگوا سکتا
ہے، اس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" گھٹام نے کہا۔
"ہاں تم درست کہہ رہے ہو۔"
"پھر کھانا کھانے دو بھی تمہارے فلیٹ پر تمہاری غیر
موجودگی میں۔ آتا، بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔" گھٹام
نے کہا۔
"کچھ گڑبڑ تو ہے۔" اربب نے سوچے ہوئے کہا۔
"تم اپنے بیڈ روم میں خیر خیر کمر کیوں نہیں لگوا لیتے۔"
"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"
"اپنے فلیٹ میں ہونے والی سرگرمیوں پر دور سے
اپنے موبائل پر نظر رکھ سکتے ہو کہ تمہارے فلیٹ میں تمہاری غیر
موجودگی میں کیا ہو رہا ہے۔" گھٹام نے کہا۔
"ادہ ادا کی تم نے اچھا آئیڈیا دیا ہے۔" اربب نے
کہا۔
"اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تم بھائی کے حوالے سے کسی
بدگمانی میں مبتلا نہیں رہو گے۔" گھٹام نے کہا۔
"ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا۔" اربب نے کہا۔
اسے مہر النساء پر یقین تھا کہ وہ کوئی غلط اقدام نہیں
کرے گی۔ وہ اپنی عزت کی بھرپور مدد دیتے سے حفاظت کرتی
رہی ہے اور کرتی رہے گی، لیکن انسان غلط کام بھی ہے، کبھی
کوئی نازک لمحہ آنے پر بہک بھی جاتا ہے۔ مہر النساء بھی ایک
عورت ہے۔ ایک شاطر مرد کے لیے کسی بھی گھر کی عزت کو
اپنے جال میں پھانس لینا معمولی بات ہوتی ہے۔ کمر الگ
جانے پر کوئی پریشانی کی بات بھی نہیں تھی۔ اس نے مہر النساء
کی غیر موجودگی میں فلیٹ میں خیر خیر کمر لگا دیا۔ اس کی کمرے کی
مدد سے وہ بیڈ روم پر بھی بھرپور نظر رکھ سکتا تھا۔
"اربب آج شام کو تمہیں کمرے کے لیے روانہ ہونا
ہے۔" الیاس نے ایک فائل اسے تھماتے ہوئے کہا۔
"ٹھیک ہے۔"
"اس فائل کو احتیاط سے لے کر جانا ہے۔"
"جی سمجھتا ہوں، میں نے بھی نا اہلی کا مظاہرہ نہیں
کیا۔" وہ مسکرایا۔
"ٹھیک ہے۔" الیاس بھی جواباً مسکرایا۔
اربب نے بھی فائل کھول دیکھی تھی لیکن نہ
جانے کیوں آج اس کا دل چاہا کہ وہ فائل کو کھول کر دیکھے آخر
ان فائلوں میں ایسا کیا ہے جو فائل ڈاک سے بھیجے کے بجائے
اسے دی جاتی ہے۔
آفس سے نکلنے پر کار میں اس پر اس نے فائل کو آتا۔"

اگست 2024ء

خلاصہ عشق جدید

سائے انصاری

مقصودیت... تعبیریت... پیغام، اصلاح یہ سب اصطلاحیں بے معنی نہیں... ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی مقصد... خواہش اور تمنا چھپی ہوئی ہے... وقت آنے پر سامنے آتی ہے... ایک ایسے ہی علاقے کے قرب و جوار میں سفر کرتی کہانی... جہاں ہر طرف بے راہ روی... بے علمی... اور قتل و غارت گری کا بازار سجا تھا... ہر کوئی اس میں اپنی بساط کے مطابق اپنا حصہ ڈال رہا تھا... مگر کچھ ایسے بھی تھے جو اپنی زندگی میں عشق و محبت کو پس پشت ڈال کے کچھ اور کرنا چاہتے تھے... ان کا ارادہ مستحکم اور قدم مضبوطی سے جمے تھے...

ایک سحابی کی ڈائری ہے منفرد دلچسپ مہم کی پرجسس روداد

”واہ میرے رہا۔ باہر اس قدر گرمی جبکہ یہاں اس لفٹ میں اتنی ٹھنڈ۔ شکر اللہ۔ واہ، مزہ آگیا۔“ میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

میری دہائی گھڑی اس وقت صبح کے سوانو بھاری تھی۔ اس لفٹ میں سوار ہونے سے تھوڑی دیر قبل مجھے خاصی حیرت ہوئی تھی کہ میں جس پچاس ساٹھ سال پرانی اور مخدوش عمارت میں داخل ہوا تھا، اس کی اگلی لفٹ اس قدر شان دار اور ٹھنڈی ٹھار ہوگی۔ گو یہ عمارت خاصی پرانی ہو چکی تھی لیکن اس میں نصب لفٹ خاصی جدید قسم کی تھی۔ اس کے اندر چاروں طرف چمکتے ہوئے شیشے تھے اور اندر پہلی روٹی چل رہی تھی۔ ایک ڈیجیٹل اسکرین بھی نصب تھی جس میں لفٹ کے اندر درجہ حرارت لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ”اٹھارہ ڈگری سینٹی گریڈ۔ واہ میرے خدا۔ باہر جتنی گرمی ہے، اسے دیکھتے ہوئے تو اس لفٹ کے اندرونی درجہ حرارت کو درجہ حرارت کہنا چاہیے۔“ میں نے دل میں سوچا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس لفٹ میں ہی موجود رہوں اور جس اوپر ہے باہر اداں۔

”کاش میں اس لفٹ کا لفٹ مین ہوتا اور اس جان لیوا گرمی میں پورا دن اسی ٹھنڈی ٹھار لفٹ میں گزارتا۔“ میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا تھا۔ مجھے آج اس پرانی بوسیدہ عمارت میں انٹرویو کے لیے ٹھیک صبح ساڑھے نو بجے پہنچنا تھا۔ ساڑھے نو بجے تو ایسی طرز کی پرانی عمارتوں میں صفائی ہو رہی ہوتی ہے لیکن میں نے وقت کی پابندی کا خیال رکھا اور سوانو بجے سے ایک دو منٹ پہلے اس عمارت کے درجہ حرارت پر پہنچ گیا تھا۔ کمرے سے لگتے ہوئے میں نے آج کا درجہ حرارت اپنے موبائل فون پر دیکھا تھا۔ چھتیس ڈگری سینٹی گریڈ درجہ حرارت بتایا گیا تھا لیکن مجھے کوئی بیالیس سینٹی گریڈ کی سنٹی گریڈ کے قریب گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ اس مخدوش عمارت تک پہنچنے کے لیے میں نے اسے والی کار آن لائن ایک کی تھی۔ انٹر کنڈیشن گاڑی کا کرایہ خاصا مہنگا ہوتا ہے لیکن میں نے دو دروازے ایک چانس لیا اور آن لائن ٹیکسی کی اپنی کیشن کو اپنے موبائل سے ہٹا دیا تھا۔ پھر اگلے روز دوبارہ اسی اپیلی کیشن کو انشال کیا تو اپیلی کیشن نے مجھے دیا

خلاصہ عشق جدید

نوبلی سوئس سائیکس کو کسی پورٹریٹ کی لکھنے والی زندگی جاتے اور وہ چوری نہ ہوتا ہے۔ ”میں لفٹ میں آگیا اور ہر ایک کی باتیں دیکھ رہا تھا۔“

میرا انداز درست نکلا۔ لفٹ چمکتی ہی جاتے تھے۔ رکی اور میں لفٹ سے نکل کر چوتھے طابق پر موجود سمارٹن ٹائمر کے دفتر میں داخل ہوا تو اندر اگلے اگلے چالیس دکانوں کے چمکتے ہوئے فرش، جتنی آفس فرنیچر، ہر سے دفتر میں پہلی ہوئی محسوس کن خوشبو اور سامنے استقبال کے کاغذ پر موجود مٹی کی ٹھن کی مالکہ جہاں آدھار لفٹ جتنی کو اپنے لپ آپ پر کلام میں مصروف دیکھ کر میرا دل سکون سے بھر گیا۔

ایک لاکھ کی مالانہ خواہ لے کی امید تو بندھی۔ انتظار اندل جاتے کی نوکری یہاں۔ ”میں نے دل میں سوچا۔ جتنی نے اٹھ کر میرا استقبال کیا۔ جتنی میری بیوی حسنا آرا کی اگلی بڑی بہن ہے۔ جتنی میری بڑی سالی۔



ساری تسلیم کرتے ہوئے مجھے پہلی بجنگ پر اتنی فیصد ڈسکونٹ کا کوڈ بتا دیا۔ میرا دل خوشی سے اچھلنے لگا تھا کیونکہ مجھے صرف جیس لیڈر کرایہ ادا کرنا تھا۔ اپنے کمرے سے انٹرویو کی اس پرانی عمارت تک پہنچنے میں میرا صرف ایک سو ساٹھ روپے کا بلیٹ تھا اور گاڑی بھی ٹھنڈی ٹھار اسے سی والی تھی۔ ان دنوں مجھے ملازمت کی شدید ضرورت تھی۔ آپ خود سمجھیں، ایک شخص جسے ملازمت کی اشد ضرورت ہو اور وہ انٹرویو کے مقام پر اس قدر تھکے کرانے میں اور وہ بھی بہترین اسے سی والی کار میں شان سے بیٹھ کر جائے تو دل کی خوشی کا کیا عالم ہوگا۔

لیکن جب میں نے اس عمارت کا میری دنی حسنا دیکھا تو میری امیدوں پر پانی بھر گیا۔ ”جتنی ایسی جگہ ملازمت کرتی ہے۔“ میں نے عمارت کو باہر سے ایک مرتبہ پھر دیکھا تو اور دل ہی دل میں افسوس کیا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ ایسی عمارت میں کام کرنے والے ملازموں کو مالانہ کتنی خواہ لگتی ہوگی۔

میں کوئی پچاس ساٹھ ہزار۔ میں تو اس امید پر آیا تھا کہ یہاں ایک لاکھ روپے سے کم تنخواہ نہ ہوگی۔ لیکن پھر اس قدر شاندار اور ٹھنڈے ماحول والی لفٹ دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ مجھے اتنا بھی پاپس نہیں ہونا چاہیے۔

”پاشی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور۔ ہوسکا ہے ایف بی آر کے ناجائز ٹیکس سے بچنے کے لیے یا پھر بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے مستعد عملے کے مصنوعی عتاب سے بچنے کے لیے عمارت کا بیرونی حصہ غریب مسکین جیسی شکل کا بنایا گیا ہو جبکہ دفاتر کا اندرونی ماحول نہایت چمکیں اور آرام دہ ہو۔ میرے پڑوسی منزل بھائی نے بھی تو جب پچھلے سال اپنی نئی چمکتی ہوئی سوئس سائیکس خریدی تھی تو اس کا پچھلا کیریئر اور پچھلے دنوں انڈیکسٹر اس خیال سے توڑ دیے تھے کہ نئی

میں بھی ہوگی۔ مگر یہ بھی میری ہی ہے۔ میں نے لگا لگا کیا۔
"نہیں اس بزرگ کو۔" اس نے طعنے لگا۔

"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔
"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔
"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔

وہاں سے ہوتی۔ "وہ ہر ایک کی محبت اور تعلیم کے معاملے میں
اور مگر اسے کوئی کارآمد عمل کے بارے میں اچھا سمجھتا تھا۔
مگر وہ واقعی تھی۔ مجھے اس کی سچائی سے بھی یاد تھا۔
"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔

وہاں سے ہوتی۔ "وہ ہر ایک کی محبت اور تعلیم کے معاملے میں
اور مگر اسے کوئی کارآمد عمل کے بارے میں اچھا سمجھتا تھا۔
مگر وہ واقعی تھی۔ مجھے اس کی سچائی سے بھی یاد تھا۔
"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔

وہاں سے ہوتی۔ "وہ ہر ایک کی محبت اور تعلیم کے معاملے میں
اور مگر اسے کوئی کارآمد عمل کے بارے میں اچھا سمجھتا تھا۔
مگر وہ واقعی تھی۔ مجھے اس کی سچائی سے بھی یاد تھا۔
"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔

وہاں سے ہوتی۔ "وہ ہر ایک کی محبت اور تعلیم کے معاملے میں
اور مگر اسے کوئی کارآمد عمل کے بارے میں اچھا سمجھتا تھا۔
مگر وہ واقعی تھی۔ مجھے اس کی سچائی سے بھی یاد تھا۔
"میرا جیسا کہ ہے؟" میں نے پھر مدعا کیا۔

فلک وود کا آواہانوں کی ایک جگہ تھی۔ اور اسے جیسا کہ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

اسی لیے وہ عادت پر تھا اور اس کی ایک اور عادت تھی کہ
کی جانب سے ملتی تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

اسی لیے وہ عادت پر تھا اور اس کی ایک اور عادت تھی کہ
کی جانب سے ملتی تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

"میں نے اس کے ساتھ
پارہ گرام والا ایک جگہ تھی۔ "میں نے اس کے ساتھ
اقتدار کیا۔

تم جانتے ہو یہاں سے؟" ماسٹر صاحب کے لہجے میں فہر
مرد کر آیا تھا۔

"ماسٹر صاحب! میں تو اس لیے آپ کے در پر آیا
ہوں کہ وہ دراصل میری بیوی ہمارے۔ میں اسے اسپتال
لے جانا چاہتا تھا لیکن ابھی کوئی گاڑی دستیاب نہیں ہے۔
میں نے سوچا کہ آپ کے مہمان سے درخواست کر کے دیکھ
لوں۔ آپ تو بڑا ہی مان گئے۔" حاجی یونس کی آواز سنائی
دی۔ وہ ماسٹر صاحب سے اپنی آمد کی وجہ بیان کر لے گا۔

"نیکو محبتی پولس، مجھے علم ہے کہ تمہاری بیوی
پرسوں ہی اپنے گاؤں میں ہے۔ تاہاں کے سوبائسٹوں پر
پرسوں دوپہر تمہاری بیوی کا پیغام آیا تھا کہ وہ تمہارے
پھولے بیٹے کی کچھ کتابیں گھر پر ہی بھول گئی تھیں اور میں نے
ہی جہیں تمہارے گھر آ کر کہا تھا کہ وہ کتابیں اپنی بیوی کو اس
کے میکے جا کر پہنچا دو۔ کچھ یاد آیا؟ پرسوں دوپہر جب تم
شہر سے آئے تھے اور صبح سارا محضر اپنی کر دھت اور
بدست ہو چکے تھے۔ کچھ یاد آیا؟" ماسٹر صاحب نے اسے
آئینہ دکھایا۔

اگر ماسٹر صاحب کی کبھی ہوئی بات سچی تو حاجی
یونس کی بولکھا ہٹ جیتی تھی اور ریاہی ہوا۔
"وہ ماسٹر صاحب، اس کے گاؤں میں ہی اس کی
طبیعت خراب ہو گئی ہے۔" حاجی یونس کے لہجے میں
بولکھا ہٹ واضح تھی۔

"خدا حافظ! جاؤ حاجی یونس اور خدا سے ڈرو۔"

یہ کہہ کر ماسٹر صاحب نے دروازہ بند کر دیا۔
میں ساری باتیں غور سے سن رہا تھا اور جلدی جلدی
چائے کے گھونٹ اپنے معدے میں انڈیل رہا تھا۔ دروازہ
بند ہونے کی آواز آئی تو میں اٹھا اور تیزی سے دروازے
کے پاس پہنچا۔ ماسٹر صاحب دیکھی دروازہ بند کر کے پلٹے ہی
تھے کہ میں ان کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"ماسٹر صاحب، میں بس پانچ منٹ میں حاضر ہوا۔"
اس سے پہلے کہ ماسٹر صاحب کچھ کہتے یا سمجھتے، میں
دروازہ کھول کر گھر سے باہر آ چکا تھا۔

ماسٹر صاحب کے گھر کے باہر لگا بلب ابھی روشن نہ
تھا، اس لیے کچھ لمبے میں گپ اندھیرا تھا۔ بائیں ہاتھ پر تھوڑی
ہی دور کوئی شخص ہاتھ میں روشن نارنج پکڑے آہستہ آہستہ
چل رہا تھا۔ مجھے اس کی ایک جانب گرتی ہوئی چال سے
اندازہ ہوا کہ وہ باتوڑا تھا یا کچھ اس سے ایک پریشانی
تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے نارنج پکڑ رکھی تھی جب کہ

دوسرے ہاتھ سے اپنے ایک کان سے شاید سوبائسٹوں
لگا رکھا تھا۔ اب یہ تو قریب ہالے پر ہی پتا چل سکتا تھا کہ اس
نے واقعی سوبائسٹوں کان سے لگا رکھا تھا یا اپنے کان کا سیل
نکھو کر نکال رکھا تھا۔ بہر حال یہ بات جتنی سچی کہ اس کا ایک
ہاتھ لٹخاں بلند تھا اور اس کے ایک کان کو چھو رہا تھا۔
میں آہستہ سے پلٹا ہوا اور اپنے قدموں کی آواز کو سنی
الامکان دہاتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ تھوڑی بہت آواز
میرے چلتے ہوئے قدموں سے نکل رہی تھی۔ لیکن اس سے
میرے آگے جانے والا شخص نہ چلا۔ ڈراہی نہ رہا بعد مجھے
اس کی آواز اور مکالموں کی واضح سمجھ آنے لگی۔ وہ حاجی
یونس ہی تھا اور نون پر کسی شخص سے تاہاں کے متعلق باتیں
کر رہا تھا۔

"میں تو کہتا ہوں تاہاں کو کل صبح ہی اٹھا لو۔ ماسٹر نے
اپنے بیٹے کو شہر سے بلوایا ہے۔ وہ گاڑی لے کر رات کے
اندھیرے میں آیا ہے۔ اگر ماسٹر نے کل فجر یا عصر کے بعد
اپنے بیٹے کے ساتھ تاہاں کا کٹاج پڑھو کر اسے شہر بھیج دیا تو
تاہاں کی اور کی ہو جائے گی اور ظہور احمد تو یہی مرکز ہمارے
ہاتھ نہیں آئے گا۔ وہ یہاں ہی کہیں چھپا۔ رہے گا۔ سارا
سونا ہمارے ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہے جس کی پناہ پر ہم
تو یہ قہقہے سے یہ جگ کر رہے ہیں۔ بس، میں کہتا ہوں کہ
تاہاں کو کل سورج نکلنے سے پہلے ہی اٹھا لو۔"

پھر کچھ دیر بعد دوسری طرف سے جواب سن کر حاجی
یونس بولا۔

"پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ اگر تاہاں کو کل صبح ہی اٹھا لیا
میرا تو ظہور احمد تو یہ دوپہر تک یا زیادہ سے زیادہ شام تک
ہم پر حملہ کرنے کے لیے اور تاہاں کو چھڑانے کے لیے اپنے
ہل سے ضرور باہر نکل آئے گا۔ اس طرح اسے ختم کرنا
آسان ہوگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ ظہور کی موت کے بعد
جب تاہاں کو ماسٹر کے گھر ڈال آئیں گے تو میرا تاہاں
سے کٹاج کا راستہ آسان ہو جائے گا۔ اگر تاہاں نکلے گا
تو میں اپنے حصے کے آدمی سونے سے ڈھیر وار ہو جاؤں
گا۔ اس طرح ظہور احمد تو یہی کی موت کے ساتھ ساتھ سونے
کی کان کا راز افشا ہونے کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے
گا اور تم لوگوں کو میرے حصے کا ادھاسونا بھی مل جائے گا۔
لیکن اگر مجھے تاہاں نہ ملے تو میں قسم کھاتا ہوں کہ میں بھی
دوسرا ظہور احمد نہ بن جاؤں گا۔"

پھر حاجی یونس کافی دیر تک دوسری طرف سے ہونے
والی بات سن رہا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا۔

"اس فیک ہے۔ رات تین بجے مجھے ماسٹر کے
مکان کے باہر ملو۔ نقب لگانی ہوگی۔ رسیاں ساتھ لے آنا اور
ایک بڑی سی بوری بھی۔"

یہ کہہ کر حاجی یونس نے نون رکھ دیا۔
ہر فرعون راموٹی۔ آج تاہاں کی جان اور عزت
دونوں خطرے میں تھے اور قدرت مجھے یقیناً تاہاں اور
ماسٹر صاحب کی مدد کرنے کے لیے ہی یہاں لائی تھی، اور جتنی
کچھ روز نکل میں شہر کی سڑکوں پر بے روزگار ہی بھر رہا تھا۔
آج میرے پاس گاڑی تھی، چپ اور اکاؤنٹ میں روپیہ تھا
اور دوسری جانب بن ماں کی لڑکی تاہاں کی جان اور عزت
دونوں خطرے میں تھی۔

میں فوراً ماسٹر صاحب کے گھر کی طرف مڑا اور
سیکنڈوں میں ان کے گھر پہنچ گیا۔ ماسٹر صاحب دروازے
پر ہی میرے منظر تھے۔ تاہاں ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ میں
ان دونوں کو اندر لے گیا اور دروازہ اندر سے اچھی طرح بند
کر لیا۔ ایک چار پائی پر میں اور ماسٹر صاحب بیٹھ گئے اور
تاہاں ہمارے سامنے بیٹھ گئی۔ میری منہمی ڈنٹے وادی تو یہ
تھی کہ بطور سمانی ان سے تین چار گھنٹے گفتگو کروں، ان سے
ظہور احمد کو نہ کے متعلق پوچھوں اور ایک مفصل رپورٹ تیار
کر کے اپنے آپ کو ای میل کر دوں۔ لیکن نہ تو میرے پاس
گفتگو کے لیے بہت زیادہ وقت تھا اور نہ ہی مجھے تاہاں اور
ماسٹر صاحب کو زیادہ دیر تک اس گھر میں رہنے دینا تھا۔

"اگر میں تاہاں اور ماسٹر صاحب کو حاجی یونس کا
منصوبہ بتاؤں گا تو ممکن ہے ان کے ہاتھ پیر پھول جائیں۔
یہ بھی ممکن ہے کہ ماسٹر صاحب ہاتھ میں کلباڑی اٹھا کر حاجی
یونس کو ختم کرنے کے دوڑ پڑیں۔ مجھے کسی طرح ان باپ بیٹی کو
یہاں سے نکالنا چاہیے۔" میرے دل میں یہ خیال بڑ پکڑتا
جا رہا تھا۔

"ماسٹر صاحب، نذیر تو نیو نے مجھ سے آخری باتوں
پر یہی کہا تھا کہ اگر اسے کچھ ہو جائے تو میں تاہاں کی
حفاظت کروں اور اسے حاجی یونس کے شر سے بچاؤں۔
جب حاجی یونس نے دروازے پر کھڑے ہو کر پٹا نام پکارا
تھا تو میں اسی وقت چوکنو ہو گیا تھا۔ اسی لیے اس کے جاتے
ہی میں نے اس کا پیچھا کیا۔ یہ بڑا ہی کمینہ شخص ہے ماسٹر
صاحب۔ نذیر تو نیو نے مرنے سے قبل آپ کی اور تاہاں کی
حفاظت کا ذمہ مجھے دیا تھا۔ اس لیے جیسا میں کہہ رہا ہوں،
آپ ویسا ہی کیجیے۔" میں نے مختصر آواز سے کہا۔ یہ میں نے
ہوا میں تیر چلا یا تھا کہ نذیر نے مرنے سے پہلے مجھ سے بات

کی تھی۔ اب میں نے اس لیے کیا تھا تاکہ وہ لوگ میرے
ساتھ تعاون کریں۔
ماسٹر صاحب خاموش رہے۔ تاہاں بھی چپ تھی۔
میں نے تاہاں سے کہا۔
"تاہاں، مجھے کی کوئی لڑکی تمہارے قہقہے کی ہے
کیا؟"

"ہاں۔ بیٹی بالکل میرے قد کی ہے۔ ایک مٹی آگے
رہتی ہے۔ اکثر ہم دونوں اپنے کپڑے بھی آپس میں بدل کر
پہنتے ہیں۔ وہ اسکول کے زمانے سے ہی میری بہت
اچھی منہمی ہے۔" تاہاں نے بتایا۔

"کیا بیٹی کے پاس نون ہے؟ کیا وہ یہاں آ سکتی
ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ اور میں رات گئے تک اپنے چھوٹے سے
موبائل نون پر میسج برائیاں کرتے رہتے ہیں۔ کال کرنے
میں رات کے وقت مشکل برائیاں ہوتی ہے۔ بیٹی کی شادی
اگلے ہفتے ہو رہی ہے لیکن اس کے پاس فرمت ہی فرمت
ہے کیونکہ اس کی ماں، اس کی خالائیں اور بیویاں اسے مل
کر کام بھی نہیں کرنے دیتیں۔" تاہاں نے بتایا۔

"تاہاں، تم بیٹی کو کہو کہ وہ آج رات تمہارے پاس
آجائے۔ اسے بیج کر دو اور پوچھو کہ کیا وہ ایسا کر کے کی؟"
میں نے پوچھا۔

"جی بھائی بالکل۔ بیٹی تو ایک دو دن چھوڑ کر میرے
پاس آجاتی ہے۔ وہ بالکل آجائے گی۔" تاہاں نے کہا۔

"بیٹا، میں جا کر بیٹی کو لے آتا ہوں۔ رات ہو رہی
ہے۔ اس وقت اس کا کیلے آٹا خشک نہیں ہے۔ تاہاں بیٹی
تم بیٹی کو میسج کر دو کہ میں اسے لینے آ رہا ہوں۔" ماسٹر
صاحب نے کہا۔

"جی بہتر اباجی۔" تاہاں نے کہا اور اندر کرے
میں چلی گئی۔ تاہاں کے جاتے ہی ماسٹر صاحب میری
طرف متوجہ ہوئے۔

"بیٹا، میں عشاء کی نماز کے لیے نکل رہا ہوں۔ مسجد
میں پہلے تو آئیں پڑھوں گا۔ پھر نماز پڑھ کر کوئی ایک گھنٹہ بعد
بیٹی کو لے آؤں گا۔" ماسٹر صاحب نے کہا اور اٹھ کھڑے
ہوئے۔

"ماسٹر صاحب، میں آپ کے گھر میں ہی نماز پڑھ
لوں گا۔ مجھے تاہاں کی حفاظت کے لیے یہاں رکنا ہوگا۔"

میں نے کہا۔
"بیٹا، میں نے یہ بات دھوپ میں سفید نہیں کیے۔

جب تم حاجی یونس کے پاس سے لوٹے تھے، میں حب ہی سمجھ گیا تھا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔" ماسٹر صاحب نے کہا۔
"ماسٹر صاحب، دال میں کچھ نہیں بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔"

ماسٹر صاحب کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔ کہنے لگے۔ "کوئی خطرہ ہے؟"
"شدید خطرہ۔ حاجی یونس گیتیکی کی انتہا کو پہنچ رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ظہور احمد تو یو کو جو رکھیں روپوش ہے، اس کی پناہ گاہ سے نکال کر قتل کیا جائے اور تاجاں کو بدنام کر کے اپنی شہرت بٹائے۔" میں نے آستلی سے ماسٹر صاحب سے کہا تاکہ اس بات کو تاجاں نہ سن لے۔

ماسٹر صاحب جو عشا کی نماز کے لیے جانے کو تیار کھڑے ہوئے تھے، ایک دم چار پائی پر بیٹھ گئے۔ اسی لمحے تاجاں آگئی۔ اس نے اپنے باپ کو چار پائی پر بیٹھا دیکھا اور ان کے چہرے پر پریشانی دیکھی تو فوراً ایک پیالے میں پانی بھر کر لے آئی۔

"اباجی، یہ پانی پی لیجیے۔" تاجاں بولی۔ ماسٹر صاحب بسم اللہ پڑھ کر پانی پینے لگے۔ میں نے کہا۔

"ماسٹر صاحب۔ جب آپ اللہ پر اس قدر ایمان رکھتے ہیں کہ پانی پینے دقت بھی اسے یاد رکھتے ہیں تو یقین کریں، وہ آپ کو اور تاجاں کو تمہا نہیں چھوڑے گا۔ مجھے بھی تو اسی رب نے یہاں بھیجا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ مجھے مسلمان نہیں بلکہ اپنا بیٹا نہایت تو یو ہی سمجھیں۔ میں بھی تاجاں کا بھائی ہوں۔"

میری بات سن کر ماسٹر صاحب کا چہرہ مکمل اٹھا۔ تاجاں ابھی تک حیرت کے سمندر میں تھی کہ ہم کیسی باتیں کر رہے ہیں۔

ماسٹر صاحب کا چہرہ اب نارمل ہو چکا تھا۔ شاید انہیں اپنے رب پر ہم سے کہیں زیادہ بھروسہ تھا۔

"اباجی، میں نے بیٹی سے کہہ دیا ہے کہ آپ اسے عشا کی نماز کے بعد لینے پہنچ جائیں گے۔ اس کا جواب آیا ہے۔ کہتی ہے کہ اباجی سے کہنا کہ کواکولا کی ایک لیٹر والی شہنشاہی بوتل ساتھ لیتے آئیں۔ عشا کے بعد دکان بند ہو جاتی ہے۔" تاجاں نے کہا اور ماسٹر صاحب سر ہلاتے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

مجھے واقعی نہیں لگ رہا تھا کہ میں ایک ایسے علاقے میں ہوں جہاں دو قبائل کے درمیان جنگ ہو رہی ہے اور جہاں جدید اسلحہ عام استعمال ہو رہا ہے۔ یقیناً معاملہ

اور ہی تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اسے ملتے جلتی کی شادی می اور اس کے گھر میں اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ایک جنگ زدہ علاقے میں شادی کی تیاریاں کس طرح ممکن تھیں؟ پھر بیٹی اس قدر بے لگبمگی کہ اسے اندھیرے راستے کے خوف کے بجائے شہنشاہی شاد کو کولا پینے کی خواہش تھی اور اس بات کی فکر تھی کہ کبیں دکان بند نہ ہو جائے۔ حاجی یونس بھی تاجاں سے شادی کے لیے بے چین تھا اور کوئی ظہور احمد تو یو اور دوسروں کی کان کاٹنا معاملہ سامنے آیا تھا۔ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ پورا تو یو قبیلہ اور پورا جو قبیلہ اس جنگ میں شامل نہیں تھا۔

مجھے بادشاہ خان کی باتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے کہا تھا کہ تو یو قبیلے کے لوگوں نے اپنے بازو پر کالی پٹی بکھ جو کچھ لوگوں نے سرخ رنگ کی پٹی باندھی ہوگی۔ تو یو قبیلے کی ساری نئی گاڑیاں تباہ ہو چکی ہیں اور ان کے پاس اسلحہ بھی محدود ہے۔ چند ہتھے بید جو کچھ کے لوگ تو یو کے علاقوں میں داخل ہو جائیں گے اور قتل و غارت کا بازار گرم کریں گے۔ بادشاہ خان نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ ماسٹر صاحب سے آیتھا اور اس کی بیوی تو یو قبیلے کی ہے۔ وہ ایک سال پہلے ہی اپنے بیوی بچوں کو یہاں سے نکال کر شہر لے گیا تھا اور اب فیملی سمیت ماسٹر صاحب سے ہجرت کرنے کا سوچ رہا تھا۔

لیکن نہ تو ماسٹر صاحب نے اپنے بازو پر کوئی پٹی باندھ رکھی تھی اور نہ ہی ان کی باتوں سے لگتا تھا کہ انہیں اس بات کا خوف لاحق ہے کہ مستقبل قریب میں جو کچھ قبیلے کے لوگ قصبے میں زبردستی گھر کر قتل و غارت کا بازار گرم کریں گے۔ یہاں تو بیٹی کی شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دکان پر شہنشاہی شاد کو کولا ل رہی تھی۔ مسجد میں باجماعت نماز کی ادائیگی ہو رہی تھی۔ ہاں البتہ حاجی یونس، ظہور احمد تو یو، سونے کی کان اور اس علاقے میں داخل ہوتے دقت جو کچھ قبیلے کے تین افراد جو اپنے بازو پر سرخ پٹی باندھتے جدید اسلحہ لے کر کھڑے تھے، یہ نکات اہم تھے اور یہی نکات مجھے کھٹک بھی رہے تھے۔ بادشاہ خان نے مجھے بتایا تھا کہ صرف ان صحابیوں کو جسمانی نقصان پہنچا جائیگا جنہوں نے اس علاقے کی پہاڑیوں کی ویڈیو بنائی تھی یا کسی منکوحہ عورت کو ہٹکا کر اس علاقے کا قانون توڑا تھا۔ مجھے یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ شہری آبادی سے کوسوں دور اس علاقے میں جتنے بھی صحابی ماضی قریب اور ماضی بعید میں آئے تھے، وہ دودھ کے دھلے اور معصوم نہیں تھے۔ یقیناً وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے اس دور افتادہ علاقے میں آئے تھے اور اس

آج سے چار پانچ سال قبل تو یو ہائی اسکول کے کچھ ہاشل، بوائز ہاشل اور آس پاس کے تمام علاقوں میں تاجاں سے محسن کے چہرے تھے۔ اس کی ماں اردن سے تعلق رکھتی تھی، اس لیے تاجاں کا محسن مقامی خواتین کے مقابلے میں بے مثال تھا۔ تاجاں نے جب اپنی عمر کا سولہ کا ہندسہ پار کیا تو ہائی اسکول کی خاتون پرنسپل میڈم رفاقت جو کچھ، جو گراں ہاشل کی وارڈن بھی تھیں، سولہ سال اور اس سے اوپر کی لڑکیوں کے لیے یہاں بنائے گئے انتہائی سخت قوانین کا اطلاق تاجاں پر بھی ہوا تھا۔ سولہ سال اور اس سے اوپر کے طلبہ، خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اسکول ختم ہونے کے بعد

ملائے کے مسائل کی اپنی مرضی سے رپورٹنگ کر رہے تھے۔ شہر میں البتہ بیکی خبر پھیلی ہوئی تھی کہ تو یو اور جو کچھ قبائل کا پورا علاقہ ہی ان کی آپس کی جنگ کی لپیٹ میں ہے اور اس جنگ میں جدید ہتھیاروں کا آزادانہ استعمال ہو رہا ہے۔

ماسٹر صاحب کے گھر سے نکلنے ہی تاجاں نے سامنے بیٹھ گئی اور سر پر چادر رکھ لی۔ کچھ دیر اپنے بھائی کی پرانی باتیں بتاتی رہی۔ بیٹی کے آنے میں ابھی ایک گھنٹا باقی تھا۔ میں نے ارادہ کیا کہ اس ایک گھنٹے میں تاجاں کا اندر دیو کروں گا اور اس سے اس علاقے میں جاری جنگ کے متعلق اور ظہور احمد تو یو کے بارے میں پوچھوں گا۔

"تاجاں! یہ ظہور احمد تو یو کون ہے اور یہ سونے کی کان کا کیا معاملہ ہے؟" میں نے پوچھا۔

ظہور احمد تو یو کا نام سن کر تاجاں شرمائی اور اس نے اپنا منہ ایک طرف کر لیا۔ بلب کی ہلکی ہلکی روشنی میں مجھے اس کاہنے کے باعث ہلکا ہوا بدن اور اس کی ہلکی سی نسوانی نمی سے صاف پتا چلا تھا کہ تاجاں اور ظہور احمد کے درمیان محبت اور عشق کا معاملہ تھا اور عشق تو وہ خوشبو ہوتی ہے جو چھپائے نہیں چھپتی۔ میں نے تاجاں سے اسرار کیا تو اس نے مجھے ایک مختصر کہانی سنائی۔ ایک بالکل سچی کہانی جو اس سے قبل نہ تو میں نے نہ ہی کسی دستاویزی رپورٹ میں پڑھی تھی اور نہ ہی اسٹوری کہی کسی میڈیا پر نشر ہوئی تھی۔ اس کہانی کی راوی تاجاں تھی جو تو یو برادری سے تعلق رکھتی تھی اور جس نے ظہور احمد سے محبت کر کے اس قصبے میں الفت کی داستان کو آگے بڑھا یا تھا۔

تاجاں مجھے وہ کہانی سنائے کے لیے اپنے ماضی میں کھنکھتی۔

☆☆☆
آج سے چار پانچ سال قبل تو یو ہائی اسکول کے کچھ ہاشل، بوائز ہاشل اور آس پاس کے تمام علاقوں میں تاجاں سے محسن کے چہرے تھے۔ اس کی ماں اردن سے تعلق رکھتی تھی، اس لیے تاجاں کا محسن مقامی خواتین کے مقابلے میں بے مثال تھا۔ تاجاں نے جب اپنی عمر کا سولہ کا ہندسہ پار کیا تو ہائی اسکول کی خاتون پرنسپل میڈم رفاقت جو کچھ، جو گراں ہاشل کی وارڈن بھی تھیں، سولہ سال اور اس سے اوپر کی لڑکیوں کے لیے یہاں بنائے گئے انتہائی سخت قوانین کا اطلاق تاجاں پر بھی ہوا تھا۔ سولہ سال اور اس سے اوپر کے طلبہ، خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اسکول ختم ہونے کے بعد

جاسوسی ڈائجسٹ 187 اگست 2024ء

اپنے گھر نہیں جاتے تھے بلکہ پورڈنگ میں ہی قیام کرتے تھے۔ سرسبز باغات کے درمیان موجود پورڈنگ اسکول، اس علاقے کی معروف شخصیت حاجی مسند علی جو کچھ نے بنوایا تھا۔ وہ ایک خدا ترس انسان تھے اور مقامی لڑکوں اور لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کے پُر زور مددگار تھے۔ وہ تو یو اور جو کچھ برادری کے درمیان اتحاد کے اس قدر حامی تھے کہ خود جو کچھ قبیلے سے تعلق رکھنے کے باوجود انہوں نے اپنے ہائی اسکول کا نام تو یو ہائی اسکول رکھا تھا۔ یہ حاجی مسند علی کا ہی نام تھا اور لوگوں کا ان پر بھروسہ تھا کہ تو یو ہائی اسکول میں اعلیٰ اور امیر گھرانے اپنے لڑکے لڑکیوں کو دو سال پڑھنے اور وہیں قیام کرنے بھیجتے تھے۔

تاجاں کے والد ماسٹر ہدایت علی تو یو، لڑکوں کے ہاشل کے وارڈن بھی تھے اور بوائز سیکشن کے پرنسپل بھی تھے۔ تاجاں اور ماسٹر صاحب ہاشل کے پاس ہی ایک دولا میں رہائش پزیر تھے۔ یہ دولا ماسٹر صاحب کو اسکول کی جانب سے دیا گیا تھا۔

تاجاں جب گیارہویں جماعت میں تھی تو حاجی مسند علی ایک دروازے پر اپنے گھر میں مردہ پائے گئے۔ ان کے انتقال کے باعث وہ ماہ تک اساتذہ، ماسٹر صاحب اور میڈم رفاقت کی تنخواہیں رکی رہیں۔ تنخواہ کے معاملات اور اسکول کے دیگر انتظامی معاملات اب حاجی مسند علی مرحوم کا چھوٹا بھائی حاجی یونس دیکھنے لگا تھا۔ وہ بچاس کا ہو چکا تھا۔

حاجی یونس کے ارادے کچھ مشکوک تھے۔ اس نے سب سے پہلے میڈم رفاقت جو کچھ کو تنگ کرنا شروع کیا۔ وہ نفیس مزاج کی خاتون تھیں۔ حاجی یونس کے تنگ کرنے پر انہوں نے اپنا استعفا لکھ کر اپنے پاس ہی محفوظ رکھا اور ایک ماہ تک حالات اور معاملات بہتر ہونے کی امید رکھی۔ تاہم حاجی یونس نے ان کی تنخواہ روک لی اور ان کے پوچھنے پر بتایا کہ انہوں نے مالی معاملات میں یقین کیا ہے جس کے باعث ان کی تنخواہ روک کر معاملے کی چھان بین ہو رہی ہے۔ اگر وہ کوئی دوسری ملازمت اختیار کرنا چاہیں تو اسکول سے این او کی حاصل کرنے کے لیے درخواست دے سکتی ہیں۔

"اگر میں نے یقین کیا ہے تو آپ مجھے این او کی کس طرح دے سکتے ہیں یونس صاحب؟ شاید آپ نے پہلی مرتبہ کسی ادارے کے ایڈمن کا چارج سنبھالا ہے۔" میڈم رفاقت نے حاجی یونس سے کہا۔

"میڈم، یہ تو میری آپ پر مبنی ہے کہ میں آپ کو

ابن اوی دے رہا ہوں۔ ورنہ تو آپ کیسے لوگری کے لائق نہیں رہتیں۔" حاجی یونس نے ہنسی آمیز لہجے میں کہا۔

میڈم رفاقت حاسوش ہو گئیں۔ انہوں نے مجھ لیا تھا کہ حاجی یونس ایک گھنیا آدمی ہے۔

ایک ماہ بعد میڈم رفاقت جوگیو نے ترویہ ہائی اسکول پر فائز پڑھ لی اور ملازمت سے استعفا دے دیا۔ طالبات کے والدین نے انہیں متعدد دنوں کیے۔ انہوں نے ہر والدین کو یہی مشورہ دیا کہ وہ اپنی بچیوں کو گورڈا کی دوسرے ایجنسی اور میموری ہائی اسکول میں داخل کرادیں۔ حاجی یونس ان کی برابری کا فخر تھا لیکن میڈم رفاقت نے مکمل کھلا اس کا نام لے کر کہا کہ حاجی یونس اس تعلیمی ادارے کی طلحی اور انتظامی سہولت کا باعث بن رہا ہے۔ ایک ماہ بعد وہ اپنے خاندان سمیت ولایت چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی گرلز بورڈنگ کا مینار مزید ذوال پذیر ہو گیا بلکہ شرمناک حد تک گر گیا۔

حاجی یونس نے ایک مقامی خاتون کو فی میل وارڈن تعینات کیا مگر بورڈنگ کی لڑکیوں نے ان کے خلاف شکایتوں کا ایک طوفان مچا کر دیا۔ ایک پندرہ دن بعد انہیں اس عہدے سے ہٹا کر شہری خاتون کو ان عہدے پر فائز کرنے کا فیصلہ کیا گیا مگر کوئی فی میل وارڈن حاجی یونس کے ماتحت رہ کر ایک ماہ سے زیادہ کام نہ کر سکی۔ وجہ حاجی یونس کی مکاری اور منافقت تھی۔ وہ چھٹی چوڑی ہاتھ کر کے خواتین کو ملازمت پر رکھ لیتا اور انہیں پہلی تنخواہ دینے سے ایک ہفتہ قبل اپنا روپیہ انتہائی سخت کر لیتا۔ تنخواہ ملنے سے ایک روز قبل وہ فی میل پرنسپل پر فہمن کا الزام لگا کر یا خراب کارکردگی کو بنیاد بنا کر انہیں تنخواہ کا پیسہ فیصد دے کر ملازمت سے نکال دیتا۔

یہ سلسلہ کوئی دو ماہ تک چلتا رہا۔ طالبات نے اپنے والدین سے شکایت کی اور ان پر دباؤ ڈالا تو ان کے والدین کی آنکھیں کھلیں اور انہیں میڈم رفاقت جوگیو کی نصیحت یاد آئی۔ اگلا مہینہ شروع ہونے سے پہلے تمام والدین بورڈنگ اسکول آکر اپنی بچیوں کو گھر لے گئے اور وہیں اپنے علاقے میں یا شہر کے کسی ہائی اسکول یا کالج میں داخل کرادیا۔ لڑکوں کا اسکول اور ہاسٹل البتہ چلتا رہا۔

جوگیو برادری کے لوگوں نے حاجی یونس کو بہت لعنت ملاحت کی لیکن حاجی یونس تو ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ وہ ہوا میں حاجی یونس کو بڑی خوش گوار اور ٹھنڈی معلوم ہو رہی تھی۔ دراصل جوگیو برادری کے کچھ طاقتور اور بااثر افراد

نے اسے اپنا تھا کہ جن پہاڑوں کے درمیان وادی میں ترویہ ہائی اسکول اور ہاسٹل موجود ہے، وہاں سونے کی پہاڑی بڑی کوئی دس بارہ گائیں نکلی جاسکتی ہیں۔ سونے کی کانوں کا سن کر حاجی یونس اچھل پڑا۔ اس نے اپنی برادری کے ان ہاتھ لگوں سے یہ بھی نہ پوچھا کہ انہیں یہ اطلاع کیسے ملی کہ یہاں کے پہاڑوں میں سونا ہے اور کتنی مقدار میں ہے۔ اس کے دل و دماغ نے اسے یہی راستہ دکھایا کہ وہ یونس آرم کھائے اور بیڑ نہ گئے۔

ماسٹر ہدایت علی نے بھی بجانب لیا تھا کہ گرلز کالج زیادہ دن نہیں چلے گا۔ تاجاں کی پڑھائی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ کچھ ماہ بعد گرلز ہاسٹل غیر فعال ہو گیا۔ تاجاں کی بچی سہیلیوں نے تعلیم ترک کر دی اور کچھ نے دوسرے شہروں کے کالجوں میں داخلہ لے لیا تھا۔ یعنی نہ بھی پڑھائی ترک کر دی تھی۔ اس کے بھائیوں کو اس کی شادی کی فکر ہو رہی تھی۔ وہ سات بھائیوں کی اگلی بیٹی تھی۔ اس کے دو بھائی شہر میں رہتے تھے اور پانچ بھائی دوسرے ممالک میں خدمت مزدوری کرتے تھے۔ ہر مہینے کوئی نہ کوئی بھائی قصبے میں ضرور آتا تھا۔

تاجاں کا پورا وقت اب گھر پر ہی گزرنے لگا تھا۔ وہ گھر میں بیٹھی بورہوتی رہتی۔ اس کا بھائی غزیر بھی تعلیم مکمل کر کے شہر چلا گیا تھا اور یونیورسٹی کی تعلیم اور مصروفیت کے باعث تین تین جاہ چار ماہ بعد گھر چکر لگاتا تھا۔

تاجاں کے فرسٹ ایئر کے فاضل امتحانات نزدیک تھے۔ اس نے فکر مند ہو کر ماسٹر صاحب سے کہا۔

"اباجی، مجھے لڑکوں کے ساتھ ہی پڑھنے دیں۔ میں پرائیویٹ امتحان دے دوں گی۔ لڑکوں کی جماعت میں بیٹھ کر انہیں ان مشکل مشکل کتابوں کی سمجھ تو آئے گی۔"

مینیٹل طلبہ کی جماعت میں تم واحد طالبہ ہو گی اور کلاس کے ایک کونے میں بیٹھ کر تم عجیب محسوس کرو گی۔ میں نے کوشش کی تھی کہ تین چار لڑکیاں بھی اگر یہاں رک جاتیں تو میں انہیں لڑکوں کی کلاس میں ہی ایک الگ قطار میں بٹھا دیتا۔ لیکن اس حاجی یونس نے والدین کو ایسا دینا کیا ہے کہ ایک والدین نے بھی اپنی بیٹی کو یہاں نہیں لے جانے دیا۔ اب تو گرلز ہوسٹل میں جگہ جگہ کھدائی ہو رہی ہے۔ نہ جانے یہ حاجی یونس کچھ تاغیر کر رہا ہے یا پرانی عمارت کو گرا رہا ہے۔"

ماسٹر صاحب بولے۔

"اباجی، میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے۔ کیوں نا آپ لڑکوں کی جماعت میں ہونے والے کچھ

رہکار کر لیں۔ گھر میں سی ڈی پلیئر اور ٹی وی موجود ہے۔ میں گھر بیٹھ کر سراسر اساتذہ کے محکمہ لیا کروں گی۔" تاجاں نے اپنے ابا کو مشورہ دیا۔

تاجاں کا مشورہ نہایت معقول تھا۔ ماسٹر صاحب نے جیسے چاہا کہ ایک لڑکوں کو تلاش کر لیا جو قصبے میں سواگل کیوٹی ٹیوشن اور سی ڈی کی دکان چلاتا تھا۔ اس کا نام ظہور احمد تھا۔ وہ بھی ترویہ برادری کا ہی فرد تھا۔ اس نے روزانہ چار سو روپے انجرت کے محض اس بات کی ذمہ داری اٹھائی کہ وہ رہکار ڈنگ کا اپنا سامان لائے گا اور لڑکوں کی کلاس میں ہونے والے تمام پیچیدگیاں دیکھ کر دے گا۔ پھر تین بجے تک اُس روز کے تمام پیچیدگی ایک سی ڈی بنا کر ماسٹر صاحب کے حوالے کرے گا۔

تاجاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے ظہور احمد کے رہکار ڈنگ کو وہ ویڈیو پیچر کی مدد سے اپنی تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا۔ ظہور احمد صبح آٹھ بجے سے دوپہر ایک بجے تک اپنے ویڈیو سکرین سے تمام مضامین کے پیچیدگیاں دیکھتا اور سہ پہر تین بجے تک انہیں ایک سی ڈی پر منتقل کرتا۔ ظہور احمد سی ڈی ماسٹر صاحب کے حوالے کر دیتا اور اپنے گھر چلا جاتا۔ یہی سلسلہ ہفتے میں پانچ روز، پھر سے جماعت تک جاری رہتا۔

ایک روز تاجاں کا سی ڈی پلیئر انک انک کر چلنے لگا۔ اس میں سے گھر گھوٹیں..... گھر گھوٹیں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ ماسٹر صاحب آرام کر رہے تھے۔ وہ چھ بجے تک اپنے بستر پر آرام کرتے تھے اور پھر اٹھ کر عصر کی نماز کی تیاری کرتے تھے اور اپنی مرحومہ بیوی کی قبر پر لگانے کے لیے اگر تھی اور ماچس لے کر گھر سے نکل جاتے تھے۔ تاجاں نے اباجی کے کمرے میں جھانکا تو اسے اباجی خزانے لیتے نظر آئے۔ اس نے اپنا موبائل نکالا اور ظہور احمد کو کال ملائی۔

"السلام علیکم۔ جی کون؟" دوسری جانب سے ظہور احمد کی شائستہ آواز آئی۔

"میں تاجاں بول رہی ہوں۔" تاجاں نے کہا اور ہر مسئلہ بیان کیا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں چھ بجے تک آپ کے گھر آکر دیکھ لیتا ہوں کہ آپ کا سی ڈی پلیئر کیوں گڑبڑ کر رہا ہے۔" ظہور احمد نے مسئلہ سننے کے بعد جواب دیا۔ تاجاں نے شکر یہ کہہ کر فون رکھ دیا۔

گرمی اور جس کے باعث ماسٹر صاحب اُس روز

خلاصہ عشق جدید

ساڑھے پانچ بجے ہی بیدار ہو گئے۔ تاجاں نے انہیں سی ڈی پلیئر کا مسئلہ اور ظہور احمد کی چھ بجے صبح آمد کے بارے میں بتایا۔

"ٹھیک ہے بیٹا۔ وہ نہایت اچھے خاندان کا اور تیز دار لڑکا ہے۔ اگر وہ میرے جانے کے بعد گھر آئے تو اسے سی ڈی پلیئر دکھا دینا اور میرے آنے تک روک لینا۔ میں سات بجے تک آ جاؤں گا۔" ماسٹر صاحب نے کہا۔

"جی اباجی۔" تاجاں نے معذرت مندی سے کہا۔

ماسٹر صاحب، ظہور احمد کے بارے میں سب کچھ جان چکے تھے۔ وہ ان کے ایک سادہ اسٹوڈنٹ پرویز ترویہ کا بھائی تھا۔ پرویز کالج سے تعلیم حاصل کر کے فوج میں بھرتی ہو چکا تھا۔ ظہور احمد اپنی بوڑھی ماں اور بوڑھے باپ کی خدمت کرتا تھا اور دکان اور کھیتوں کے معاملات دیکھتا تھا۔ اس کا گھر انا سحر زاد شریف تھا۔ اُس کے والد نے کچھ روز قبل ماسٹر صاحب سے ظہور احمد کے لیے تاجاں کا ہاتھ بھی مانگا تھا لیکن ماسٹر صاحب نے انہیں کہا تھا کہ تاجاں ابھی پڑھ رہی ہے۔ لیکن وہ دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ تاجاں کے لیے ظہور احمد کا رشتہ بہترین رہے گا۔ انتہیک شریف اور والدین کی خدمت کرنے والا لڑکا آج کل کیلئے ہوتا ہے۔ قصبے کے زیادہ تر لڑکے تو دیہاتی لڑکیوں کو پسند کرتے تھے تاکہ وہ ان کے لیے بچے پیدا کریں، کھیتوں کا تھوڑا بہت کام کاج بھی دیکھ لیں اور گھر سنبھالیں۔ تاجاں البتہ پڑھی لکھی لڑکی تھی اور قصبے کی باقی لڑکیوں سے بہت مختلف تھی۔ وہ اس قصبے کی واحد لڑکی تھی جو انٹر میڈیٹ میں پڑھ رہی تھی۔

ظہور احمد کوئی سوا چھ بجے ماسٹر صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ ماسٹر صاحب جا چکے تھے۔ اس نے چند منٹوں میں سی ڈی پلیئر کی فنی خرابی دور کر دی اور ماسٹر صاحب کے آنے کا انتظار کیا۔ ماسٹر صاحب سات بجے گھر آ گئے۔ وہ اپنے ہاتھ کی کے تین گلاس بیک کر دیا کہ لائے تھے۔ تاجاں اپنی کرسی کے کمرے میں چلی گئی اور لپچر سننے لگی۔ ظہور کی پی کر جانے لگا تو تاجاں آگئی اور اس نے سی ڈی پلیئر میں دوبارہ فنی خرابی کی شکایت کی۔ ظہور رک گیا۔

اُس رات وہ دس بجے تک ماسٹر صاحب کے گھر پر موجود رہا۔ تاجاں کو اس کی موجودگی بہت بھلی لگی۔ ظہور کی تابعدار ملازم کی طرح اس کے کمرے میں ایک کرسی پر بیٹھا رہا۔ تاجاں سوچ رہی تھی کہ ظہور احمد نہ ہوتا تو اسے آج کے ویڈیو پیچر دیکھنے میں شدید دقت ہوتی۔

اگلے روز سے یہ معمول بن گیا کہ ظہور احمد تاجاں کی شہلی معاونت کی غرض سے شام چھ بجے سے آٹھ بجے تک ماسٹر صاحب کے کمر پر رہتا۔ آٹھ بجے تاجاں کھانا پتائی اور ظہور احمد رات کا کھانا کھا کر اپنے کمر چلا جاتا۔ ظہور نے یہ پیشکش خود کی تھی کیونکہ تاجاں کے امتحانات قریب تھے۔ ماسٹر صاحب بھی خوش تھے کہ ظہور خامسا ڈیٹے وار لڑا ہے اور خیال رکھنے والا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے خود اپنے ذہن سے سوچا کہ تاجاں کو امتحانات کے قریب کے دنوں میں اگر کچھ سنے میں کوئی مسئلہ پیش ہو تو وہ ضرور تاجاں کے پاس موجود رہے اور اس کی بھی پراہم کو دور کرے۔

ظہور احمد ذہین لڑکا تھا۔ اگرچہ اس کی سی ڈی کی دکان تھی لیکن وہ تاجاں کی خاطر اس کی کتابیں بھی پڑھنے لگا اور ریکارڈنگ کے دوران مردانہ انداز کے کچھ الفاظ پر خود بھی توجہ دینے لگا۔ اس نے ایک دوروز میں ہی سمجھ لیا تھا کہ تاجاں کو کچھ مضامین کے کچھ حصے میں دقت ہوتی تھی۔ اس لیے وہ ہائی اسکول میں ہر کچھ کی ریکارڈنگ کے دوران اس کچھ کو خود بھی اچھی طرح سمجھ لیتا اور شام کو تاجاں کو کسی مشفق استاد کی طرح سمجھاتا۔ تاجاں کو ظہور کی شکل میں ایک ہوم ٹیوٹر بھی مل گیا تھا۔

تاجاں کی خشک زندگی میں ظہور احمد بہار کا بھولا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ تاجاں کے لیے ایک گفٹ رہے میں کوئی نہ کوئی تحفہ، مثلاً کوئی قلم، کوئی ڈائری وغیرہ لپیٹ کر لانے لگا۔ تاجاں کوئی اسائنمنٹ مکمل کرتی تو وہ تحفہ اسے پیش کرتا۔ تحفہ ملنے پر تاجاں کا چہرہ پھول کی طرح کھل اٹھتا۔

ایک روز موسم اچانک ٹھنڈا ہو گیا اور صبح کے وقت سردی لگنے لگی۔ تاجاں کو اس بدلے ہوئے موسم میں زکام ہو گیا۔ اسے چیونٹ پر چیونٹ آرہی تھی لیکن وہ بندھی کہ ویزو پکچر دیکھنے کی۔ اس روز ظہور احمد ہر ایک کھٹے بعد باورچی خانے جاتا اور تاجاں کے لیے گرم گرم چائے بنا کر اسے پیش کرتا۔ جب تک تاجاں ویزو پکچر دیکھتی، ظہور احمد اس کے لیے لٹو ہیچر کا ڈبا ہاتھ میں پکڑے موجود رہتا۔

فرسٹ ایئر کے شاندار نتیجے کے بعد تاجاں کا سیکنڈ ایئر کا بھی شاندار نتیجہ آیا تو ظہور احمد کا خوشی سے ٹھکانا نہ تھا۔ وہ ماسٹر صاحب سے اجازت لے کر تاجاں کو اپنی موٹر سائیکل پر پیچھے بٹھا کر ندی کنارے لے گیا اور وہاں پہتے پانی کے کنارے سرسبز کھاس پر بیٹھ کر دونوں نے برائی کھائی۔ اس روز ظہور احمد نے تاجاں سے اظہار محبت کیا۔

اماں اب اس سہارے سے جتنا چاہو ہمارے گھر۔ تمہارا ہاتھ مانگنے کے لیے۔" ظہور بولا۔
"لیکن میں ابھی پڑھ رہی ہوں۔" تاجاں بولی۔
"کوئی بات نہیں، میں انہیں پرسوں ہی سچے دوں گا۔" ظہور نے کہا۔
تاجاں ہنسنے لگی۔
"میرا مطلب تھا کہ میں ابھی تین چار سال مزید پڑھوں گی۔ بی اے اور ایم اے کر دوں گی۔" تاجاں نے اسے بتایا۔

ظہور احمد نے سر ہلا دیا۔ وہ تاجاں کی ہر بات ماننا تھا۔ لیکن تاجاں کی بات نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔
"تاجاں خوب صورت ہے، پڑھی لکھی ہے۔ اسے تو ڈاکٹر یا انجینئر کا رشتہ ملے گا۔ میں کہاں....." ظہور احمد نے سوچا لیکن اس نے تاجاں سے کچھ نہ کہا۔ بس صرف سر ہلا دیا۔
☆☆☆☆

تاجاں کا رزلٹ آتے ہی نذیر تو یہ گھر آیا۔ وہ تاجاں کے لیے بہت سارے تحفے اور کپڑے لایا تھا۔ رات کو حاجی یونس نے اسے کسی کام سے باہر بلایا۔ وہ ایک کھٹے بعد غصے کی حالت میں گھر واپس آیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔ رات کو سو یا توجہ اٹھ نہ سکا۔ بستر پر اس کی لاش پڑی تھی اور اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا تھا۔ ماسٹر صاحب اور تاجاں، دونوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ رات کو وہ ایک گھنٹا حاجی یونس کے ساتھ رہا تھا اور اس کا حاجی یونس سے تاجاں کے معاملے پر جھگڑا بھی ہوا تھا۔ حاجی یونس نے تاجاں سے نکاح کی خواہش ظاہر کی تھی اور نذیر تو یہ آپ سے باہر ہو گیا تھا۔ لیکن وہ مراسطہ کی طرح؟ یہ ایک راز تھا جو رازی رہا۔

نذیر کی موت سے تاجاں اور ماسٹر صاحب پر قیامت گزر گئی۔ اس موقع پر ظہور احمد ان کے ہاتھ دالے گھر میں رکھا رہا۔ تاجاں کو نہ کھانے کا ہوش تھا اور نہ ہی پینے کا۔ اگلے ماہ یو ایئر کیسپس بھی بند ہو گیا۔ اس کی وجہ بھی حاجی یونس تھا۔ اس نے اگلے تین سال میں کسی طالب علم کو داخلہ نہ دیا تھا۔ حاجی یونس نے ماسٹر صاحب پر مہربانی کی اور ان کی گریجویٹی اور دیگر بقایا جات ادا کر دیے۔ ماسٹر صاحب نے قصبے میں ہی ایک مکان بنوایا تھا۔ وہ تاجاں کو لے کر وہاں شفٹ ہو گئے۔

نذیر کی موت کا غم ابھی تازہ تھا۔ حاجی یونس نے ابھی ماسٹر صاحب سے رشتے کی بات نہ کی۔ وہ نذیر کا روتھل دیکھ چکا تھا۔ اُس رات جب تاجاں سے شادی کے معاملے پر

نذیر اور اس کی جہیز ہوئی تھی تو نذیر تو یہ نے حاجی یونس کو بڑھا کھوسٹ جبکہ اپنی بہن کو انیس سال کی دوشیزہ قرار دیا تھا اور یہی کتہ جھڑکے کی بنیاد بنا تھا۔ حاجی یونس چاہتا تھا کہ ماسٹر صاحب سے تاجاں کا ہاتھ مانگنے سے کل اپنی اور تاجاں کی عمر کے فرق پر کچھ ایسے مذہبی حق سے حاصل کرے جو ماسٹر صاحب کا ذہن بدل دیں اور وہ دل و جان سے اس بات کو تسلیم کر لیں کہ اگر حاجی یونس تاجاں سے شادی کا خواہشمند ہے تو شری لحاظ سے اس رشتے میں کوئی قباحت اور نامناسب بات نہیں ہے۔

قصبے میں شفٹ ہونے کے ایک ہفتے بعد... ماسٹر صاحب اور تاجاں نے محسوس کیا کہ ظہور احمد نے ان کے گھر آنا چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ صرف فون پر ہی تاجاں اور ماسٹر صاحب سے بات کرتا ہے۔ ایک روز ماسٹر صاحب اس کے گھر گئے تو پتا چلا کہ ظہور احمد دو ہفتے سے کہیں گیا ہوا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اس کے والدین اس کی سلامتی کے لیے لنگر مند تھے۔

ہفتہ، مہینہ اور پھر تین مہینے گزر گئے۔ ظہور احمد تو یہ اپنے گھر رہنے نہیں آیا۔ اس کے والدین نے ماسٹر صاحب کو بتایا تھا کہ وہ بس ہفتے میں ایک مرتبہ اپنی شکل دکھانے آ جاتا ہے اور والدین کی دعا میں لے کر کہیں چلا جاتا ہے۔ وہ کہاں رہتا تھا؟ یہ بات تاجاں کو بھی معلوم نہ تھی۔
☆☆☆☆

"مجھے یقین ہے کہ حاجی یونس اگر ظہور احمد کو قتل کرنا چاہتا ہے تو اس کے پیچھے یقیناً کوئی اور وجہ بھی ہے جو شاید ظہور احمد سے بات کرنے پر ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ صرف ہمیں حاصل کرنے کے لیے حاجی یونس ظہور احمد کو قتل نہیں کرے گا۔ حاجی یونس نے فون پر یہ الفاظ ادا کیے تھے کہ ظہور احمد اپنے بیل میں چھپا ہوا ہے۔ یعنی ظہور احمد کے ہاتھ کچھ ایسا لگا ہے جس کے باعث حاجی یونس اور اس کے شرارت دار ظہور احمد کی جان کے دشمن بن گئے ہیں۔" میں نے تاجاں سے کہا۔

مجھے تاجاں نے دس پندرہ منٹ میں ظہور احمد کے بارے میں بتا دیا تھا۔

"مسلمان بھائی، مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ حاجی یونس ظہور احمد کا جانی دشمن ہو گیا ہے۔ مجھے تو آپ نے ابھی بتایا ہے اور پریشان کر دیا ہے۔ ظہور نے تو آج تک مجھ سے ایسی کوئی بات نہیں کی ہے۔" تاجاں نے جیرانی کا اظہار کیا۔

"تاجاں، تم میرے فون سے ظہور احمد کا فون نمبر ملاؤ۔ میں آج رات ماسٹر صاحب کو جنہیں اور ظہور احمد کو یہاں سے نکال کر شہر لے جانا چاہتا ہوں۔" میں نے تاجاں سے کہا۔ میں اب فون پر ظہور احمد سے بات کرنا چاہتا تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت موبائل فون کے کنکشن پرے آ رہے تھے۔ میں اس خوش قسمتی کی وجہ جانتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے پاس ساکران ٹائمز اور سینٹ شمسٹ کا مہیا کردہ موبائل فون تھا۔ تین چار منٹ بعد میں تاجاں کے منٹ گیسٹر ظہور سے بات کر رہا تھا۔ تاجاں نے اسے مختصر میرے حلق بتا کر مجھے اپنا فون پکڑا دیا تھا۔ ظہور احمد نے مجھے ایک الگ ہی بات بتائی۔ وہ بات خاصی تشویش ناک تھی۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور

ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی ڈائجسٹ، پنل ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک سال کے لیے 12 اکاؤنڈنٹ شمول بزنس ڈائجسٹ

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 3000 روپے

بیرون ممالک کے لیے 30,000 روپے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین

یامنی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

رابطہ:

0334-5498977

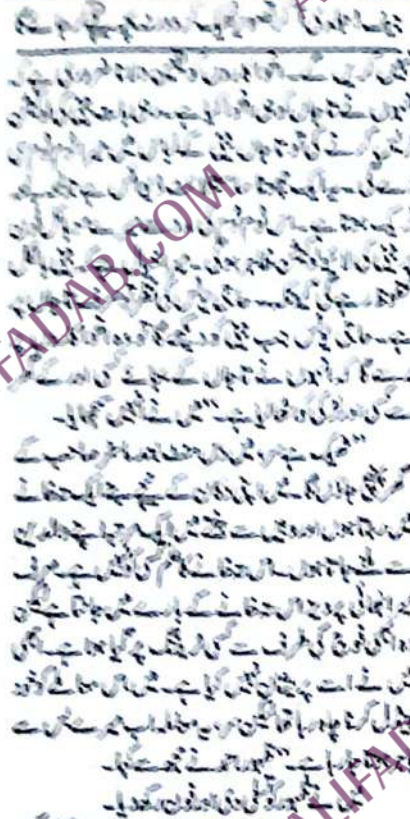
0301-2454188

0333-2256789

جاسوسی ڈائجسٹ سیل کیشنز

C-63 فیروز ٹیکسٹائٹس ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی

مین کوئی روڈ کراچی



۱۰ کتب ۲۰۲۴ء

”لیکن سر، یعنی کوئیں کے کمرے والے سے تلاش کریں
 ہے؟ اور کیا نینی کو معلوم ہو گا کہ وہ انوا ہو گئی ہے؟“
 انہاں نے پوچھا۔
 ”نہیں۔ اگر نینی کو یا اسٹر صاحب کو یہ معلوم ہو گا کہ
 انہاں کمر پر نہیں ہے تو وہ دونوں فوری انداز میں پرتا

جاسوسی ڈائجسٹ

آگے ظہور احمد ان کے سامنے ٹھکرایا۔ وہ میری گاڑی میں چپ کر بیٹھا ہوا تھا۔ مجنی نے مجھے دیکھا تو سلام کیا اور تاجاں کے ساتھ کمرے میں چلی گئی۔

رات دس بجے تک ہم سب کھانا کھا چکے تھے۔ تاجاں اور مجنی اپنے کمرے میں جا چکی تھیں جہاں منسوبہ کے مطابق تاجاں نے نئی کوٹلا دیا تھا اور ماسٹر صاحب سے کہا تھا کہ مجنی اپنے گھر چلی جائے گی۔

ماسٹر صاحب کھانا کھاتے ہی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے اور اب ان کے کمرے میں ان کے خزانے گوج رہے تھے۔ میں گاڑی میں جا کر بیٹھ گیا۔ ظہور جو اب تک میری کار میں چپا ہوا تھا، میرے کہنے پر سیدھا ہو کر آرام سے بیٹھ گیا۔

قریباً گیارہ بجے تاجاں بھی گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ میں نے گاڑی کو اسٹارٹ کیا۔ وہ ہلکی سی آواز سے اسٹارٹ ہو گئی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا کہ شاید ماسٹر صاحب یا مجنی بیدار ہو گئے ہوں لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔ میں نے گاڑی کو دروازے سے باہر نکالا اور دھکی کے کونے میں لاکر کھڑا کر دیا۔

”تم لوگ گاڑی سے باہر نہ نکلتا۔ میں خود وہاں آ جاؤں گا۔“ میں نے تاجاں اور ظہور احمد کو نصیحت کی۔

گیارہ بجے سے تین بجے تک میں کے برائے کمرے میں غوا کاروں کا انتظار کیا اور دھکی کے کونے میں چپ کر رہا۔ صاحب کے گھر کا دروازہ دھکتا رہا۔ رات تین بجے سے کچھ منٹ قبل دو چار لوگ منہ پڑھا ہوا ہمارے ماسٹر صاحب کے گھر کے باہر آ گئے۔ گھر کے باہر کا بلب مدھم روکنی دے رہا تھا۔ ان کی چال ڈھال سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی غلط ارادے سے آئے ہیں اور اب گھر میں نقب لگائیں گے۔

تھوڑی دیر بعد واقعی وہ نقب لگا کر گھر کی دیوار کو کھدے۔ میرا خیال تھا کہ کوئی دس منٹ بعد ماسٹر صاحب شور کرتے ہوئے گھر سے باہر نکلیں گے لیکن ایسا نہ ہوا۔ غوا کار شاید گھر کے اندرونی نقشے سے باخبر تھے۔ وہ دس بجے بعد ایک پوری اٹھائے باہر نکلے۔ اس میں یقیناً مجنی بے ہوش تھی۔

کوئی دس منٹ تک میں اسی حالت میں کھڑا رہا اور چپ کر ماسٹر صاحب کے گھر کے دروازے کی طرف دیکھتا رہا۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ لیتا تھا کہ غوا کار کہیں واپس نہ آجائیں۔

ساڑھے تین بجے میں نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ماسٹر صاحب کے دروازے پر آکر کھڑی ہو گئی۔

تاجاں، ظہور احمد اور میری صاحبہ کو لے کر ”میں نے تاجاں سے کہا۔ تاجاں گاڑی سے نکل کر گھر کے اندر چلی گئی۔“

دس منٹ بعد ہم اس سڑک پر آچکے تھے جہاں سے ماسٹر صاحب اور تاجاں گاڑی کی قطعی نشانی پر بیٹھے تھے۔ ظہور احمد میرے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ ماسٹر صاحب کو کچھ مجھے نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے، ظہور احمد کیسے آ گیا اور کچھ چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن وہ معلومت، ممبر اور معاملہ میں کافی نمونہ تھے۔ وہ بالکل خاموشی سے سفر کر رہے تھے کیونکہ میں نے ہیڈ لائٹس بند کر رکھی تھیں اور اندازے سے گاڑی چلا رہا تھا۔ چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور مجھے گاڑی چلانے میں دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔

گاڑی میں بیٹھے ہی میں نے بادشاہ خان کو فون کیا کہ مجھے واپس جانا ہے۔ اس نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے مجھ سے بالکل بحث نہ کی اور مجھے بتایا کہ وہ اس جگہ سے قریب ہی ہے جو ہمارے درمیان طے ہوئی تھی۔

”میں ایک گھنٹے میں پہنچ جاؤں گا سر۔“ بادشاہ خان نے مجھ سے کہا۔

میں نے شکریہ ادا کر کے فون رکھ دیا۔

”یہ بادشاہ خان ہمارے بوائز کالج کے لیے لوڈنگ کا ٹرک چلاتا تھا۔ پھر اس کے دو ٹرک جلا دیے گئے تو یہ علاقہ چھوڑ کر شہر چلا گیا تھا۔ یہ مجھے اچھی طرح جانتا ہے۔ ایک مرتبہ یہ اسکول کے لڑکوں کو لے کر مانہرہ بھی گیا تھا۔ بہت اچھا انسان ہے۔“ ماسٹر صاحب نے بتایا۔

”ممکن ہے آپ کے تعاون کی ضرورت پڑ جائے۔“ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے ماسٹر صاحب سے کہا اور وہ سر ہلا کر خاموش ہو گئے۔

☆☆☆

”سامیں فیم، یہ گاڑی تو یہاں سے واپس نہیں جائے گی۔ ہم میں سے ایک بندہ آپ کو نامور دن باکی پاس تک چھوڑ آئے گا۔“ ایک بندے نے مجھ سے کہا۔ اس کے لہجے میں کیٹنگ تھی۔

قیسے سے باہر جانے والے راستے کے بجائے ٹھیک اسی مقام پر جو میرے اور بادشاہ خان کے درمیان طے ہوا تھا، مجھے جو بیو برادری کے وہی تین اسلحہ بردار لوگ مل گئے تھے اور یہ جملہ ان میں سے ایک شخص نے ادا کیا تھا۔ اسی وقت بھی وہی لینڈ کروزر ان کے پاس بھی جس کی ہیڈ لائٹس

جل رہی تھیں۔ میں نے بھی یہ سوچ کر اپنی کار کی ہیڈ لائٹس جلائی تھیں کہ کبھی ہوئی ہیڈ لائٹ والی کار کو کچھ کرکیں وہ اس پر قائل نہ کھول لیں۔ انہوں نے میری گاڑی کو آٹا دیکھ کر اپنی بند و قیں سیدھی کر کے پوزیشن لے لی تھی اور پھر مجھے رکھنے کا اشارہ کیا۔ میں نے گاڑی ایک سالن میں کھڑی کی۔ پھر ظہور احمد، ماسٹر صاحب اور تاجاں کو سرپنچے کر کے لوکا اور خود گاڑی سے اتر کر نچے آ گیا۔

میں نے ان اسلحہ برداروں کو بتایا کہ میں وہی سامیں فیم ہوں جو اپنے دوست کو گاڑی دینے جا رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا مجھے گاڑی کا مالک ملا؟ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے گاڑی کے مالک یعنی اپنے دوست کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اسی بات کو سن کر انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں یہ گاڑی واپس نہیں لے جا سکتا۔

”یا اللہ مدد کیجیے۔ تین اہم لوگ میری گاڑی میں موجود ہیں۔ انہیں بحفاظت یہاں سے نکال دیجیے۔ ماسٹر صاحب اور تاجاں کو بھی یہ اسلحہ بردار پہنچاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے۔ میرے پاس تو صرف ایک چھوٹا سا ہتول ہے اور ان کے پاس آٹو بیگ مگر ہیں۔“ میں نے دل میں رب سے دعا کی۔

”وہ کیوں بھی؟ میں گاڑی کیوں نہیں لے جا سکتا؟“

میں نے آکر کر پوچھا۔

”اس لیے جناب کہ اس گاڑی کا مالک اسی علاقے میں ہے۔ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیں اور اس کے مالک کا نام اور فون نمبر بتا دیں۔ ہم گاڑی کو اس کے مالک تک پہنچا دیں گے۔“ ایک اسلحہ بردار نے کہا۔ اس کے چہرے پر خواہش تھی۔

”اچھا، تو میں اپنے ایک اور دوست کو فون کر کے یہاں بلوا لیتا ہوں۔ وہ مجھے یہاں سے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ کچھ دیر مبر کرو۔ وہ آجائے، پھر میں یہ گاڑی تمہیں دے دیتا ہوں۔“ میں نے بے فکری سے کہا۔

انہوں نے بند و قیں پچی کر لیں اور پُرسکون ہو گئے۔ شاید انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں یہ گاڑی ان کے حوالے کر دوں گا۔

میں گاڑی کے پاس چلا آیا اور یونٹ پر ہاتھ رکھ کر بادشاہ خان کو فون ملایا۔

”بہن سر۔ بس پہنچنے والا ہوں۔ بس پانچ منٹ میں“ بادشاہ خان نے کہا۔

”دیکھو بادشاہ خان۔ ایک ہنگامی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ یہاں ایک لینڈ کروزر موجود ہے اور جو کچھ فیملی کے تین اسلحہ بردار بھی ہیں۔ میں نے تحقیق کر لی ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے دو ٹرک جلائے تھے۔“

میں نے بادشاہ خان کو جوش دلایا۔ ایک وہی شخص تو تھا جو ان اسلحہ برداروں سے پہنچا تھا۔ ورنہ تو اگر ان لوگوں کو پتا چل جاتا کہ میری کار میں اس وقت ماسٹر صاحب، تاجاں اور ظہور احمد ہیں تو نہ جانے یہ لوگ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے۔ عین ممکن تھا کہ یہ لوگ ظہور احمد تو نیو سے واقف ہوتے اور اسے جان سے مار دیتے۔ یہ تینوں افراد جگہ جگہ سے اور لڑائی کے لیے بالکل تیار تھے۔ جیسی تو ان میں سے ہر ایک کے بازو پر سرخ پٹی بندھی تھی۔

”اوہ! میں ان لوگوں کو چھوڑے گا نہیں سر۔ میں ابھی آیا۔“ بادشاہ خان کے لہجے میں انتقام کے شعلے مجھے صاف محسوس ہوئے۔

پانچ منٹ بعد مجھے بادشاہ خان کے ٹرک کی بتیاں نظر آئیں۔ اس نے ہیڈ لائٹس جلا رکھی تھیں۔ تینوں اسلحہ بردار لوگ ٹرک کا راستہ روکنے کے لیے اس کے راجھے پر کھڑے ہو گئے اور اسلحہ بردار ٹرک کو رکھنے کا اشارہ کرنے لگے۔

بادشاہ خان نے ٹرک کی رفتار آہستہ کی جیسے وہ ٹرک روکنا چاہ رہا ہو۔ تینوں اسلحہ بردار لوگ مطمئن ہو گئے اور اپنا اسلحہ نیچے کر لیا۔ عین اسی لمحے بادشاہ خان نے ٹرک کی رفتار بڑھائی اور تینوں اسلحہ برداروں کو ٹرک سے کھل دیا۔ ماسٹر صاحب، تاجاں اور ظہور احمد میری کار میں بیٹھے چڑھا کر آرام سے انٹر کنڈیشن گاڑی میں بیٹھے تھے اور کار میں ریڈیو چل رہا تھا۔ انہیں ان اسلحہ برداروں کی چیخوں کی آواز نہ آتی تھی۔ دیے بھی میری کار ایسی جگہ کھڑی تھی جہاں سے وہ لوگ ان تین اسلحہ برداروں کے ٹرک سے کھلے جانے کا منظر دیکھ نہیں سکتے تھے۔

☆☆☆

”بہن! ان میں سے ایک کو میں پہچانتا ہوں۔ یہ میرے ٹرک کو آگ لگانے والوں میں شامل تھا۔“ بادشاہ خان نے کہا۔

”بادشاہ خان، انہیں کہیں ٹھکانے لگاؤ، جلدی۔ یہ ابھی زعدہ ہیں۔“ میں نے نیزے میں کچھ بادشاہ خان سے کہا۔

بادشاہ خان نے ان زنیوں کو ایک ایک کر کے کھینچا اور راستے سے ہٹا کر ایک بڑے سے پتھر کے پاس ڈال دیا۔

”سر، مج تک ان کے سامنے آکر انہیں ڈھونڈ لیں“

”بادشاہ خان اپنے مال کی چیز کو روک کر لے گا۔ آپ
جہادی ملکیت ہے۔ اسے سچ کر اپنے دلوں کو ان کی
جست وصال کر سکتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کا اوتھنا اسط
ہیں پولیس کے حوالے کرنا ہے تاکہ ان کے خلاف فہرست
لراہم ہو سکے۔“ میں نے بادشاہ خان سے کہا۔
”جی سر۔“ بادشاہ خان نے سر ہلادیا۔

☆☆☆

تاجاں کو میں نے ہدایت کی کہ وہ ماسٹر صاحب سے
کوئی کمرہ لیں اور ان کے بتائیں کہ ان کماروں
جاسوسی ڈائجسٹ

دوسری طرف سے مسرت بھرے لہجے میں ”جیس سر“
کہہ کر فون رکھ دیا کیا۔ تھوٹی پاؤں والی لڑکی کے اس
مسرت لہجے کی وجہ سے محسوس ہوا کہ اس نے بچپن میں لاکھوں کو

7 اگست 2024ء

☆☆☆

☆☆☆

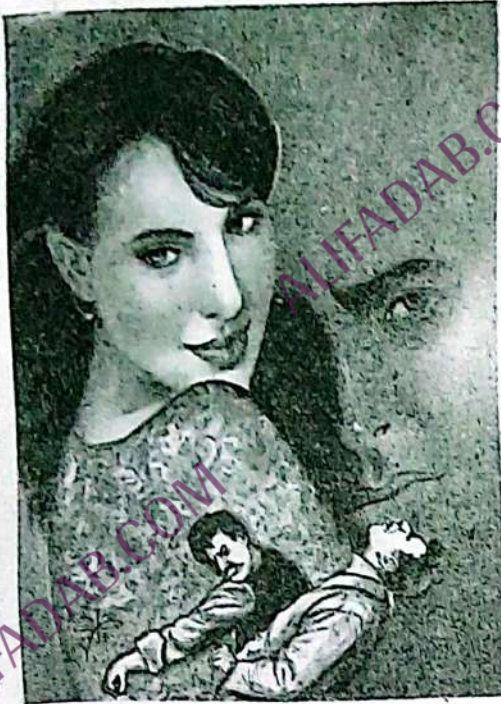
اتنے میں تاجاں کا فون بجنے لگا۔ دوسری طرف مینی کا

جاسوسی ڈائجسٹ

☆☆☆

"یہ سراسر اٹل لے رہے (شاہینزی رپورٹ فلم راجہ)

1- اگست 2024ء



اگلا پروا

بہشتی

کردار کسی بھی کہانی کی جان ہوتے ہیں... جانداز، طاقتور... وضع دار... ذہن و دل پر چھا جانے والے ایک ایسے ہی کردار کی ہنگامہ خیزیاں... اس بار اس کا پڑاؤ ایسے علاقے میں تھا... جس کی تاریخ صدیوں پر پہیلی ہوئی ہے... اس قوم نے سکون کے کچھ لمحے گزارے تھے مگر ان لمحوں کا سکون بھی ایسا تھا جیسے طوفان سے پہلے کا سکون... سرکش دشمن نے ان سے زندگی بنانے کے تمام تر لوازمات چھین لیے تھے... گولہ بارود اور جدید ہتھیاروں نے عورتوں... بوزھوں کو تباہ کر دیا تھا... آتش و خون میں ڈوبی قوم خود کو بچانے کے لیے ممکنہ کوشش کر رہی تھی... مگر ازلے... کینہ پرورد دشمن ان پر زندگی کے در بند کر رہا تھا...

حوادث و جنگ کی دھند میں لپٹی آزادی کی جدوجہد کا پڑاؤ... اجڑا...

مشہد کی تاریخی مسجد کے نیلے گنبدوں پر دُھند کی تہ... لمبوں دراز قامت شخص کو اُگل دیا۔ اپنی ٹپسی کی ڈرائیو تک مہرہ ہو گئی تھی۔ نیلے گنبد اس دُھند میں تیزی سے چھپتے سیٹ پر چوکن بیٹے آغا کریم نے اس شخص کو اپنی طرف جارہے تھے۔ ایسے میں سردی کی شدت کچھ زیادہ ہی محسوس ہوتے دیکھا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس شخص ہونے لگی تھی۔ اسی وقت دُھند نے جیسے ایک اور کوٹ میں نے جھک کر آغا کریم والی طرف کا رخ کر لیا۔ آغا

اس کی شادی کی طرف سے بے محروم ہیں۔ ابھی آپ کی کال سے پہلے اس کا فون آیا تھا۔ کہہ رہی تھی کہ وہ شرم کے مارے آپ سے نہیں کہہ سکتی کہ وہ بھی ظہور احمد کو پسند کرتی ہے۔ لیکن تعلیم مکمل کرنا اس کا خواب ہے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ تاجاں کی کال ختم ہونے کے بعد میں نے ظہور احمد کو فون کر کے کہہ دیا ہے کہ تاجاں تم سے محبت کرتی ہے، لیکن شرعی روایات کا لحاظ کرتے ہوئے مکمل کر نہیں سکتی۔ میں نے ظہور سے کہا ہے کہ تاجاں نے اس کے نام پیغام دیا ہے کہ اسے تعلیم میں اپنی توجہ حاصل کرنے کے لیے قدم قدم پر ظہور احمد کی ضرورت ہوگی۔ اس لیے وہ اپنے والدین کو شہر لے آئے اور تاجاں کی یونیورسٹی کے آس پاس ہی اپنی دکان کھول لے۔ تاجاں جاہلی ہے کہ ظہور احمد ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ میں نے ماسٹر صاحب کو ٹپسی دی۔

ایک ماہ بعد ماسٹر صاحب نے مجھے ای میل بھیجی کہ بوائز کیپس کے دوبارہ پرنسپل بن چکے ہیں اور انہوں نے میڈم رفاقت کو بھی فائل کر کے ولایت سے واپس بلا لیا ہے۔ کوئی چھ ماہ بعد حسن آرا نے مجھے فون کیا اور تاجاں کی شکایت لگائی۔ کہنے لگی کہ تاجاں ہر دیک اینڈ پر ظہور احمد کے ساتھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر گھومتے پھرنے چلی جاتی ہے۔ اس طرح اس کی پڑھائی مزید متاثر ہوگی۔ دیک اینڈ پر اسے اپنے اسائنمنٹ مکمل کرنے چاہئیں اور اپنی پڑھائی کو وقت دینا چاہیے۔ ویسے بھی پہلے سسٹر کا اس کا رزلٹ اچھا نہیں آیا ہے۔

میں سمجھ گیا کہ ظہور احمد اسے شہر کی سیر کرنا ہوگا تاکہ تاجاں کو اس کی دنیا سے نکل کر زندگی انجمائے کرنے کا موقع ملے اور وہ ظہور احمد سے شادی کرنے پر جلد آمادہ ہو جائے۔ میں نے حسن آرا سے کہا۔

”حسن آرا! مجھے انکس ہے کہ میں تاجاں کو نصیحت نہیں کر سکوں گا۔“

”وہ کیوں؟“ حسن آرا نے غصے سے پوچھا۔

”اس لیے کہ میں خود بھی جنہیں شادی کے نکل ہر دیک اینڈ پر اپنی موٹر سائیکل پر گھمانے لے جایا کرتا تھا۔ میں اپنی جوانی کا آغاز نہیں بھولا ہوں۔ اسی لیے میں تاجاں کو نصیحت نہیں کر سکتا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مجھے یقین تھا کہ اس حقیقت کو یاد کر کے فون کے دوسری طرف حسن آرا بھی مسکرا رہی تھی۔

❖❖❖

ماسٹر ہدایت علی اور ان کی بیٹی تاجاں کی مدد سے تیار کی گئی۔ اگرچہ کچھ برادری کے وہ تین اچھے برادر لوگ جو بعد میں بادشاہ خان کے نوک سے نکل کر غریبی ہو گئے تھے، مجھے ماسٹر ہدایت علی کے گھر کا راستہ نہ دکھاتے، اگر ظہور احمد سونے کی کان کی وی تیار نہ کرتا تو یقین کریں سر، جو کچھ قبیلے کے اسکولوں اور فنڈوں کے خلاف پولیس اور رینجرز کا مشترکہ آپریشن شاید کبھی نہ ہو پاتا۔ وہاں بہت خفیہ طریقے سے سوئٹاکلا جا رہا تھا اور وہ بھی اتنا سونا جتنا اس پورے شہر کا چاس سال کا بچہ ہے۔ آج اگر وہ وادی اور پہاڑیاں حکومتی تحویل میں ہیں اور تو نیو گرلز اینڈ یوتھ سروس اسکول دوبارہ فعال ہونے جا رہے تو سر، اس کا سہرا بادشاہ خان سے لے کر بیٹی تک سب کو جانتا ہے۔ میں نے صاف دل سے اقرار کیا۔

”ویل ڈن! ہم آپ کو اپنے اخبار کی جانب سے روس میں ایک اسائنمنٹ پر بھیجا جاتے ہیں۔ خواہ آپ کی مرضی کے مطابق۔ اور وہ بھی ایک سال کی جنگی خواہ۔ دیگر سبکیات میرا پی اے آپ کو بتا دے گا۔ مگر کام ہمارے معیار کے مطابق۔ جس مقام پر آپ کو جانا ہے، وہاں یوکرین اور روس تنازعے سے متعلق ایک عجیب سی خبر سرگرم ہے اور آپ نے ایک ریسرچ رپورٹ تیار کرنی ہے۔“

صدیقی صاحب مجھے تفصیل بتانے لگے اور میں توجہ سے ان کی بات سننے لگا۔

☆☆☆

میری روس روانگی سے صرف ایک رات قبل ماسٹر ہدایت علی نے مجھے فون کیا کہ وہ تاجاں اور ظہور احمد کی شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن تاجاں کہتی ہے کہ وہ شہر جا کر سلمان بھائی کے قلیٹ میں رہے گی اور شہر کی سب سے بڑی جامعہ سے گریجویٹیشن اور ماسٹر کرے گی۔ پھر تو نیو گرلز ہائی اسکول میں کچھ سال ٹیچنگ کرے گی۔ اس کے بعد ہی شادی کے بارے میں سوچے گی۔ ظہور احمد بہت دل شکستہ ہے۔ وہ تاجاں سے شادی کرنے کے لیے بے چین ہے۔ اس کا خیال ہے کہ تاجاں پڑھی لکھی ہے اور ظہور صرف دس ہمتھیں پاس ہے۔ اسی لیے تاجاں اس سے شادی سے انکار کر رہی ہے۔

میرے لمبوں پر مسکراہٹ آگئی، ابھی کچھ دیر قبل تاجاں نے مجھے فون کیا تھا اور ظہور کے متعلق اپنی پسندیدگی ظاہر کی تھی۔ میں نے ماسٹر صاحب سے کہا۔

”ماسٹر صاحب! تاجاں پڑھنے دیں۔ اور

کریم نے حیدر کے کرتے مٹائے اُس کے چہرے پر فخر
 اُبل-چہرہ اُبل نظر میں جھانکا۔ اُراغ وصال کا ایک حصہ
 اور بچے کا اُچھٹا ساٹنے لگیں۔ اُٹھا کریم نے مہمانانہ
 انداز میں قاری نہیں کیا۔
 "نہیں آپ کی خدمت کرنے سے قاصر ہوں۔ میں
 ایک سہاری کا اُٹھار کر رہا ہوں۔"

آلے والے لے اردو میں کہا۔ ”تمہاری سواری میں
ہی ہوں۔“

مقبوضہ علاقہ، فلسطین، اردن اور ہریانہ پر اعتماد لے آغا کریم کو متاثر کیا۔ دو سالہ سال سے آئی ایس آئی کے قاتلانہ ایک کام کر رہا تھا۔ سالوں بعد کوئی پاکستان سے آیا تھا۔ ضرور کوئی خاص وجہ تھی، اور اے ڈی ایچ کی خاص ہی گت رہا تھا۔ اس نے کہا: ”کون ہو تم؟“

وہ لو جہان اس دوران میں روزانہ سکول کرچکی تھیں
 ڈیڑھ چمکا تھا۔ اس کے لیے ایک اسٹارٹ ساہجہ چم
 ایک ہی تھا۔ اس کے لیے ایک تہہ میں رکھتے ہوئے کہا۔
 ”دوست مجھے انٹری اور فنانس ملانی پڑے تھے۔“

آغا کریم نے اطمینان محسوس کرتے ہوئے ایسی
آگے بڑھا دی۔ دو گھنٹے بعد نعمان پاشا الحروف اتاری
ایک گاؤں میں کول چھت والے ایک مہو پڑے میں بیٹھا
دوا لٹا۔ مہو پڑے میں دھڑ قالین بچے تھے اور دو میان
آگدھمی میں کولے رک رک رہے تھے۔ چائی کے در پئے دھواں
باہر چار ہاتھا۔ آگ کے اوپر ایک بڑی سی کیبل لک رہی تھی

جنس میں کرم پانی اس وقت کہوے کے لیے دستیاب تھا۔
انٹاری کے سامنے بھی کہوہ اور ایک ملٹری میں خشک میوہ
جات رکھے تھے۔ مہو پڑے کے ساتھ ہی چالوروں کا بازار
تھا۔ چالوروں کے گلے میں ہنسی مکینوں کی دھنسی سی
آوازیں بھی بکھار سماعت سے انکراتی تھیں۔ ایرانی بادام

چہاتے ہوئے انڈی کی تمام تر وجہ اپنے سامنے بیٹھے ایک
بے حد بوڑھے مسلمان کی طرف تھی جس کی آنکھوں میں
جوانی کی اور چہرے کی جھریوں میں گزرے زمانے
دیکھنے والی آہیں صاف نظر آتی تھیں۔
رسی ملک سلیک پہلے ہی ہو چکی تھی۔ انڈی اصل
مقصد کی طرف آیا۔

ہوں..... کیا وہ شخص واقعی ہو کو شادی نہ تھا؟ میرا مطلب ہے

.....ہو کہ شاہد بڑے لڑائی جاتا تھا، قصص میں ہو سکتا ہے کہ یہ

جاسوسی ڈائجسٹ

اس کے خلاف ریٹھ دو ایوں میں مصروف رہا ہے۔ اس کے
تقسیم چوتھیں لیبیا، عراق اور ہر اس ملک میں ہیں گے جہاں
مسلمان مضبوط تھے یا مضبوط ہونے کی کوشش کر رہے ہیں
اور یہ بات پوری دنیا جانتی ہے کہ سبھوں کی ناجائز ریاست
پوری دنیا میں کسی سے خوف زدہ نہ ہو کہ وہ صرف ہمارا ملک
پر صرف حرم دو مسلمان ریاست اور جو اسے ملے جی

سے منانے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ
جس طرح وہ اعلیٰ انتشار کے جھکے دیگر قوتوں کی پشت پر کھڑے

مصر جو بی نظیرا میں ہے۔ وہ گوشاد بڑا گرتھارے ملک کے لیے مخصوص ملک کا انچارج ہے تو یقین رکھو۔ وہ ایران میں صرف اور صرف جمہاری برہادی کے کسی منصوبے کے ساتھ موجود ہے۔ موساد وکنز میں تسلیم ہے اور ہر ملک کا مخصوص کام اور سرگرمیاں ہیں۔ وکنز موساد کے ہیڈ کوارٹر کی

اس
سے پہلے کے دیر ہو جائے۔“ بوڑھا خاموش ہوا تو اس کا
سلس پھول چکا تھا۔ وہ کمرے کے کمرے سانس لینے لگا۔
خیمے کی نیم گرم فضا میں سستی خیز خاموشی در آئی۔ چند

اپنے بعد اناڑی نے اس خاموشی کو توڑا۔ ”آپ کی بروقت اطلاع کے لیے میں اور میری قوم ایک عظیم حریت پسند کے لشکر گزار ہیں۔“

بڑھے کی بھیجی آنکھوں میں جیسے کوئی جوت سی بکھرا گئی۔ اس نے اناڑی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ ”اس کی ضرورت نہیں..... شاید تم نہیں جانتے ہماری آخری امید

آج بھی صرف تم ہی ہو۔ پاکستان فلسطینیوں کے دل میں
 رہتا ہے۔ ہمیں آج بھی یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی یہودی
 ریاست نے کوئی ناقابلِ برداشت زک اٹھائی تو پاکستان
 کے ہی ہاتھوں اٹھائے گا۔ یہ یقین لسل در لسل منتقل ہو رہا
 ہے۔ یہی زک ہمارے زخموں کا بدلہ ہوگی۔ تم تمہاری

قبول کیلئے دعا کو تھے اور میں نے کہا۔
 اناڑی نے اس کا ہاتھ تھام کر چوما اور بہت سے الفاظ
 میں ہی گٹ کر رہ گئے۔ بوڑھے کو محسوس ہوا کہ اناڑی
 نے اس کے لیے پرتول رہا ہے تو اس نے کہا۔
 ”میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کر دیا ہے۔ واپسی
 راہ ہے تو صبح تک موخر کر دو۔“

دیکھنا ضرور کھاؤں گا مگر شب ببری کے لیے رات۔ ہماری معلومات کے مطابق ہو گا شاید جب مشن

ہوتا ہے تو چوبیس گھنٹے کام کرتا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ

حاجہ سوسہ ڈائجسٹ

پاکستان کی تاریخ

شاہد بھول رہے ہیں کہ ہم کوئی بیویوں کے ساتھ فحاش نہیں
 دے رہے۔ محفلِ حریمت جاری کر رہے ہیں اور آپ
 زہمت کر کے اپنے اسٹنٹ سے پوچھیں تو دوست ممالک
 کی جانب سے ایسے حریمت جاری ہونا معمول کی بات
 ہے۔“

پاکستانی ادارے اس کی توجہ کے بارے میں غور کا
قرار دیتے۔ اس کا دستاویز جہاں تک ممکن ہو
درحقیقت الماسیاد کے تعلق میں افغانستان سے
دہریے خاندان سے تعلق رکھتا تھا جو مذہب کے
دعوے کرتا تھا۔

وہاں کے لوگ بہت کمزور ہیں۔
میں نے ان کو دیکھا۔ "تم نے جو کچھ کہا وہ سب
سچ ہے۔"

[illegible]

آغا کریم کے ذریعے موصول ہونے والی فحشوں نے انڈی کے خون میں زہرست کھولیں پیدا کر دی تھی۔ اس کے ملک کے درجہ اولیٰ معصوم بچوں کا قاتل اس پاس ہی تھا۔ لہذا ایک سنگ بندوق اس کا وارثت کر رہا تھا۔ اس کے اہل ان

قیلے سے ہے۔ ہماری زمینوں اور چراگاہوں پر اس کی نظر ہے۔ ہاتھ آتے ہی وہ کم از کم درویش چاچا کو فوراً گولی مار دے گا۔

اناڑی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”میری نیک خواہشات تمہارے ساتھ ہیں، میں چلتا ہوں۔“

اسی وقت ایک کمزوری نسوانی آواز نے ٹوٹی پھوٹی آغریزی میں کہا۔ ”ظہر دماغھے لگتا ہے، میں کچھ مدد کر سکتی ہوں۔“

وڈنی کپڑوں کا ڈیر سا حرکت میں آیا اور لڑکی اٹھ بیٹھی۔ بابا نے فوراً اسے ہاتھوں میں لے لیا۔ صاب کے چہرے پر بھی خوشی نظر آنے لگی۔ لڑکی گردن ملتے ہوئے اناڑی کی طرف متوجہ ہوئی۔ ”میں کچھ دیر سے دم سادھے پڑی تھی۔ تم دھن بن کر آئے مگر دوست بن کر جا رہے تھے تو سوچا تمہاری کچھ مدد کروں۔“

اناڑی نے قدر سے اطمینان محسوس کرتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا شکر یہ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ تمہیں تکلیف دینے کی بھی معافی مانگتا ہوں۔“

لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔ ”جو ہوا۔۔۔ سو ہوا۔۔۔ ان لوگوں کو نیشاپور میں ڈھونڈنا میں نے یوں ہی ہے اسرائیلی کو کہتے سنا تھا کہ کوئی مسئلہ ہو جائے تو ہم نیشاپور

والے مکان میں اکٹھے ہوں گے۔ اس نے عبرانی زبان استعمال کی تھی۔ اب یہ اتفاق کہ میری مرحومہ ماں عبرانی تھی، اسی سبب میں بھی کچھ نہ کچھ عبرانی سمجھ لیتی ہوں۔“

اناڑی نے ہاتھ بڑھا کر لڑکی کے سر پر رکھا۔ ”تم نے مجھ پر احسان کیا ہے مگر نیشاپور نام کا کیا کوئی شہر ایران میں ہے؟“

لڑکی کے بولنے سے پہلے صاب نے ہرجوش انداز میں کہا۔ ”نہیں مگر مشہد کے قدرتی رہائشی علاقے کو نیشاپور کہا جاتا ہے۔ قیاس ہے کہ وہ اسی نیشاپور میں اکٹھے ہونے کا سہارا تھا۔“

اناڑی۔۔۔ اس خاندان کا ایک دفعہ پھر شکر یہ ادا کر کے رخصت ہوا تو اس کے سامنے آگے بڑھنے کا راستہ تھا۔ آغا کریم اور دیگر وابستہ افراد تیزی سے حرکت میں آ گئے۔

☆☆☆

ہلالی توار اپنی پوری افرادی قوت کے ساتھ متحرک ہو چکی تھی۔ ہر جاسوس اور خفیہ کے پاس الماجد کا ڈیٹا بیجنگ تھا۔ اسرائیلیوں کی شکست اور تیزی کے سبب فی الحال ان کا نہیں ذہنیں تھما کر کس کمال کو بین تھا کہ جہاں الماجد ہو

گا، اسرائیلی بھی وہیں ہوں گے۔ اپنی افرادی قوت کو اگر وہ مشکوک اسرائیلیوں کا ٹانگ بھی دیتا تو خود شہ قہر بات لیک ہو کر اسرائیلیوں تک پہنچ سکتی تھی کہ ہلالی توار۔۔۔ ان کے خلاف بھی متحرک ہو چکی ہے۔

پکلی رپورٹ ایک خبر کی طرف سے آئی۔ وہ دودھ فروش تھا اور اٹلی اصحاب اپنی دکان سجالیتا تھا۔ اس کی دکان نیشاپور کی ایک گلی میں تھی۔ اس نے کڑھ جیج سویرے ایک مشکوک شخص کا ذکر کیا تھا جس پر شک تھا کہ وہ۔۔۔ الماجد ہے۔ اس کے ساتھ دلو جو ان بھی تھے۔

کرٹل کمال کے کان کھڑے ہو گئے۔ ہلالی توار کا رخ نیشاپور کی طرف ہو گیا۔

کرٹل کمال کی بے چینی عروج پر تھی۔ وہ بہت جلد اسرائیلیوں کی گردنیں چاٹنا چاہتا تھا۔ اسی سبب پٹن پوائنٹ ٹارگٹ تحن کرنے کے بجائے پوری گلی کے گرد سرخ دائرہ کھینچ دیا گیا۔

وقتے وقتے سے عام گاڑیوں میں ایجنٹ نیشاپور پہنچ گئے اور پھر رات بارہ بجے تک اس گلی کو ہر طرف سے گھیر لیا گیا۔ اس دوران کسی قسم کی کیوٹیشن نہیں کی گئی تھی۔ ہر بندے کو اپنی ذمے داری کا پہلے سے معلوم تھا۔ کیوٹیشن سسٹم امر صورت میں فعال ہونا تھا جب کسی وجہ سے مجرم پکڑنا ہو جاتا ہے۔

مطلوبہ گلی میں کل بارہ گھر تھے۔ بارہ ہی نہیں بنائی گئی تھیں۔ ہر ٹیم میں تین افراد تھے۔ ایسی ہی ایک ٹیم کی قیادت کرٹل کمال کے پاس تھی۔ اس نے ایک تین منزلہ مکان منتخب کیا تھا۔ یہ گلی کا سب سے بلند مکان تھا۔ کرٹل کمال کا ارادہ تھا کہ اس مکان کو کبھی کرنے کے بعد اس کی چھت پر ہی کمانڈ اینڈ کنٹرول کا عارضی بندوبست کیا جائے۔

رنگ بستہ رات کی تاریکی میں جب آوارہ گشتے بھی کوئے کھدروں میں چھپے بیٹھے تھے، ایک ہیجان خیز اور سنسنی سے بھرپور کھیل کا آغاز ہو گیا۔ کرٹل کمال کمانڈوز کے مخصوص سیاہ چست لباس میں ایک بجلی کے ہول پر چڑھا تاریکی میں تاریکی کا ہی حصہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے کدو ماتحت اس مکان کو گھیرے ہوئے تھے۔ ایک عقبی طرف موجود تھا اور دوسرا فرنٹ پر تھا۔

کرٹل کمال نے کندھے سے ایک جدید قسم کی کمان اتاری۔ کمان میں چڑھا تیر اور تیر سے مشک باریک مگر مضبوط ترین فولادی تاریجیے حرکت میں آنے کے لیے تیار تھے۔ کرٹل کمال نے نشانہ لے کر تیر چھوڑ دیا۔ خاموش فضا

میں سنسنات کی ابھری اور مکان کی چھت کے اطراف دیر میں موجود ایک سگت کی حالی کے بار ہو گیا۔ دوسری طرف لپکتے ہی کھوٹے تیریں پشیدہ آٹھ اٹھ کر پھیل گیا۔

کرٹل کمال نے تاریکی میں اس کی مضبوطی سے مطمئن ہو گیا۔ اس نے کمان پول سے باہر کی اور پھر بڑے اچھا انداز میں ہاتھوں اور ہیروں کی مدد سے مار سے لپٹ گیا۔ مخصوص رستوں کے سبب ہر ایک تار سے اس کے ہاتھ محفوظ تھے۔ وہ بڑی چابکدستی سے اٹلا کتا ہاتھ سے دھیرے دھیرے بلندی کی طرف اٹھنے لگا۔ اس کی تیز

لگاؤں اطراف اور اپنے ٹارگٹ پر گردش کر رہی تھیں۔ تاروں کی ہڈم روشنی میں متحرک کالی حد تک واضح تھے۔ اچانک ہی کرٹل کمال کے وجود میں اضطراب جاگا۔ مکان کی چھت پر اسے تیز حرکت محسوس ہوئی۔ کرٹل کمال کی چھٹی حس نے کام دکھایا۔ اس کے ہر ایک تار کو چھوڑتے ہی خاموش فضا کو گلی کی آواز سے گونج گئی تھی۔ کرٹل کو بینین ہی ایسے محسوس ہوا جیسے کوئی برق رفتار انجن اس کے کان کے قریب سے گزرا ہو۔ نیچے کرتے ہوئے اس نے لمبی کے

ہاتھوں میں ہی رخ موڑتے ہوئے جسم سیٹیر لیا۔ وہ مطلوبہ مکان کے احاطے میں ایک درخت پر گرا۔ شاخوں سے اٹھتے ہوئے اس نے فائرنگ کی آواز سنی۔ یہ فائرنگ اس کے فرنٹ پر موجود ماتحت کی جانب سے بڑی سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کی گئی تھی۔ اس نے چھت پر موجود فائر کرنے والے کو نشانہ بنایا تھا اور نہ چھت سے کرٹل کو نشانہ بنانا بے حد آسان تھا۔ خزاں رسیدہ درخت کی ٹنگی اور ٹنگی شاخوں نے کرٹل کی خوب مزاج پر ہی کی تھی مگر یہ وقت خوبی خراشوں پر دھیان دینے کا نہیں تھا۔ کباری میں کرتے ہی اس نے درخت کے تنے کی اوٹ سے لی۔ اسی وقت متعدد ہتھیار

گرج اٹھے اور پھر سکون رات کا سکوت درم برہم ہو گیا۔ طے شدہ پلان کے مطابق کسی قسم کی گڑبگڑ ہوتے ہی تین افراد کی ہر ٹیم سے ایک، ایک فرد نے گڑبگڑ والی جگہ کی طرف رخ کر لیا تھا۔ یہ فائرنگ انہی کی جانب سے مطلوبہ مکان کی چھت کی جانب ہوئی تھی۔ چھت کی جانب سے البتہ کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

مجرم چوکتا ہو چکے تھے۔ کیوٹیشن سسٹم کو خاموش رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کرٹل نے چھوٹی نال کی رائفل سیدھی کرتے ہوئے کندھے پر لگا آپریشن آن کر لیا۔ جنرل فریکوئنسی پر اسے پہلے ہی پکارا جا رہا تھا۔ اس چھاپا مار کارروائی کا لیڈر وہی تھا۔

چاسوس سی ڈائجسٹ 209

مطلوبہ مکان کے احاطے میں لمجہ کی چھٹی۔ محسوس درخت اور گڑبگڑ سے آواز نہ تھا۔ وہاں میں چھ گریباں اور کچھ گلی کی چھٹی۔ مکان کے اندر کی حرکتی دروازے پر دو گلی کی۔ گلی کی چھٹی کی گڑبگڑ میں کوئی نہ کوئی اس دروازے سے ضرور نکلے گا۔ اس سبب اس کی خود کار رائفل کا رخ اسی طرف تھا۔ کرٹل نے اپنے ہاتھ پر ہدایت جاری کی۔

”کمانڈر کو ہاتھ دھو اور قاتل ہونے والی افرادی قوت اپنا رخ ڈارگٹ کی طرف کر لے۔ اور۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے مرکزی کمانڈر اچھڑا کر اسے اسٹریٹ لائی سڈ وڈن ”الہوتی“ ٹانگ لیا۔ چھ ہی گلیوں میں الہوتی کا آگہ اس کے ہاتھ پائے میں تھا۔ رفتہ رفتہ گلی کے مکان گھیر رہے تھے۔ کرٹل کمال کا اطمینان بڑھتا جا رہا تھا۔ مجرم بھی اسی مکان میں موجود تھے اور ٹنگی طور سے چھتے میں تھے۔ کھل چھٹوں میں ہی ساری گلی گھیر ہوئی اور مطلوبہ مکان ہلالی توار کے ہاتھوں ایجنٹوں کے نشانے پر آ گیا۔

کرٹل کے ہاتھ سے پہنچا اور ایجنٹ بھی دوبار ہتھلاک کر اندر آ گئے اور انہوں نے کھٹک تھپکیں چ پوزیشن سنبھال لی۔ فائرنگ روک دی گئی کی اسے اس دوران البرق بھی ایک مخصوص بلندی پر منڈلانے لگا تھا۔

کرٹل نے ایک ایجنٹ سے چارج بھلی ہدیہ کی کام لاؤڈ آؤٹیکر منگوا دیا اور اس کے ذریعے مجرموں سے قاطع ہوا۔

”تم لوگوں کو مکمل طور سے گھیرا جا چکا ہے۔ سر ڈر کرنے کی صورت میں تم لوگ کچھ مراعات حاصل کر سکو گے۔ دوسری صورت میں تمہارے ساتھ نہایت سختی سے نمٹا جائے گا۔“ یہ اعلان اس نے آغریزی اور فارسی میں دہرایا۔ اس دوران وہ مرکزی کمارت میں داخل ہونے کا فیصلہ بھی کر چکا تھا۔ اعلان کے ساتھ ساتھ وہ ہاتھوں کے اشاروں سے اپنے ہاتھوں کو ہدایات بھی دے رہا تھا۔

اعلان ختم ہوا اور پھر دیے گئے تین منٹ بھی گزر گئے۔ کرٹل نے ہونٹ پیچھے ہوئے مخصوص اشارہ کیا۔ کندھے پر آری بی سائے خنجر ماتحت نے فریکر دیا دیا۔ شعلہ سالپاک اور پھر زوردار دھماکے کے ساتھ دروازے کے اطراف دھواں پھیل گیا۔ اس کے ساتھ ہی کئی گریڈی بھی زوردار دھماکوں سے اندھا کر بیٹھے۔

اگلے چند منٹ میں ہلالی توار کے ایجنٹ اس تین

محل مکان میں چلے اور ہر طرف اٹھاتے مگر وہ تھے مگر خالی مکان ان کا نہ چڑھا تھا۔ البتہ امراتری میں وہاں سے نکلے والوں کی لٹائیاں سامنے تھیں۔ کرل کمال کی پوری روٹ سے چلا گیا۔

”وہ لوگ کسی زمین دوزرا سے نکلے ہیں۔ وہ راستہ دھڑو۔“ بھیا ہات اس نے آپریشن پر باہر موجود ایکوں سے بھی لگی اور مگر البرق کے آپریشن کو بھی مگرموس کی حالت کی طرح دیا۔ البرق کی باندی کی جڑی سے کم ہوئی اور اس کے اٹھانے کے لیے پورے طے طے کو کھینچنے لگے۔

کرل کمال نے کمال ایلکٹرول سٹیشن میں موجود ایک برقی بیڑے سے درخواست کی کہ پھر اٹری فورس کو فوراً حرکت میں لایا جائے اور پیشاپہ کی عمل کا باندی کر دی جائے۔

اسی وقت ایک ایجنٹ نے آکر بتایا کہ مجرموں کے فرار کا راستہ مل گیا ہے۔ اس کی رہنمائی میں کرل ایک بھلی مکان میں آیا تو ایک دیوار کی جڑ میں فرش کی چند سلیں ایک طرف پڑی تھیں۔ غالباً امراتری میں فرار ہونے والوں کو یہ سلیں واپس بنانے کا موقع نہیں ملا تھا۔

کرل کے اشارے پر ایک ایجنٹ اس علاقے میں اتر گیا۔ اگلے چند سیکنڈ میں زوردار دھماکا اس علاقے میں ہوا۔

تیز چمک کے ساتھ جیسے کسی نے کرل کو اٹھا کر دیوار کی جڑ میں دے مارا۔ مجرموں نے بھاگتے ہوئے یقیناً اس علاقے میں بولی ٹرپ لگائے تھے۔ بچے اترنے والے ایجنٹ کے پرچے بھی ملنا مشکل تھے۔

کرل کے اوپر چھت سے مٹی گری تو وہ چلا گیا۔ ”فورا باہر نکلو، عمارت لرز رہی ہے۔“

باقی ماندہ ایجنٹس اور کرل بڑی سرعت سے باہر نکلے۔ قدیم مکان کی بنیاد میں ہونے والے دھماکے نے اسے لرزادیا تھا مگر غیریت رہی، یہ لرزش دیر سے دیر سے دم توڑ گئی۔

اسی وقت آپریشن پر البرق کے آپریشن کی آواز ”بھری۔“ سرائی کی لوکیشن سے تین سو میٹر دائیں جانب ایک احاطے میں پانچ افراد کی تیز مودمٹ مانیٹر ہوئی ہے۔ سیردان کے گرد ہارودی مواد بھی ظاہر کر رہے ہیں۔

اور۔۔۔۔۔ کرل نے پوچھا۔ ”تمہارے پاس مشین گن ہے۔“

”ہاں سرائی میں اور مجھے اسے دینا ہے۔“

اور۔۔۔۔۔ کرل کے چہرے پر ہنسی ابھری۔ ”ان پر راکٹ فائر کرو۔“

اگلے لمحوں بعد آسمان سے برق سے جگی اور بچے آنکھوں کو ڈیرہ لگانے والی چمک کے ساتھ زوردار دھماکا ہوا۔ کرل اسی مقام کی طرف دوڑا۔ یہ کوئی سیدھا راستہ نہیں تھا۔ ایک گلی محکم کر اس میں جادو ہی تھی۔ دوڑتے ہوئے کرل اطراف میں موجود اپنے مانتوں کو بھی ہدایت دیتا جا رہا تھا۔ اس دوران کئی گھروں کی دروازیاں کھلی تھیں اور چند گھروں سے عورتوں اور بچوں کی خوف زدہ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

کرل کمال نے دوبارہ سے مائیکروفون سنبھالا۔

”ہمارا تعلق ملٹری سے ہے۔ خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب لوگ گھروں میں رہیں اور کسی ایجنٹی کو گھر میں پناہ نہ دیں۔ خلاف ورزی کرنے والا ملک دشمنوں کا ساتھی شمار ہوگا۔“ مائیکروفون چھوڑ کر وہ ڈرون آپریٹر سے مخاطب ہوا۔

”کیا رپورٹ ہے؟“

”سراڈخٹوں کے سبب راکٹ نٹانے پر نہیں لگا۔ وہ

لوگ وہیں موجود ہیں۔“

ابھی گفتگو جاری تھی کہ کرل کمال نے ٹینکوں سی لیزر آسان پر لہرائی دینی۔ اگلا لمحہ حیرت ناک تھا۔ لیزر دھم پر آڑے البرق کے پھلے حصے سے ٹکرائی۔ لختہ پھر کوشٹے سے پٹکے اور پھر زوردار دھماکے سے ڈرون فضا میں بکھر گیا۔ یقیناً اس کی تیز تر تباہی کا سبب لیزر سے زیادہ اس کے اپنے ہتھیار تھے۔ ڈرون کے ٹکڑے جلتے ہوئے ادھر ادھر گرے اور کئی گھروں میں آگ بھڑک اٹھی۔ خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے افراد بچوں کو اٹھا لے جلتے ہوئے گھروں سے باہر نکلنے لگے۔

کرل کمال نے بے بسی سے سر جھکا مگر جلد ہی یہ بے بسی مسرت آمیز جوش میں بدل گئی۔ جب وہ مطلوبہ احاطے کے قریب پہنچا تو دو طرفہ فائرنگ شروع ہو چکی تھی۔ ڈرون کے حملے میں بچ جانے والوں کو احاطے میں ہی پھیر لیا گیا تھا۔ ہلائی گوار کے ایجنٹس ہر طرف موجود تھے۔ کرل کمال کو ایک ماتحت نے بریف کیا کہ یہ احاطہ دراصل ایک بزرگ عورت کا حصار تھا اور مقامی افراد کی عقیدت اس سے جڑی تھی۔

ڈرون کے چند ٹکڑے مزار والے احاطے میں بھی

گرے تھے اور وہاں آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ فائرنگ کا جواب اندر سے مسلسل آرہا تھا۔ کرل کمال نے اپنے لوگوں کی پوزیشنیں بدلیں اور فائرنگ روکنے کا حکم دے دیا۔ فائرنگ رکی تو اندر سے بھی فائرنگ کا سلسلہ ختم کیا۔ احاطے میں ہزے کی کثرت تھی جس کے سبب آگ کے پھیلنے کا خطرہ نہیں تھا۔ اس دوران آگ بجھانے والی گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے تھے۔ لگتا تھا کسی نے ایمرجنسی نمبر پر کال کی تھی جس کے نتیجے میں قریبی پولیس سے بڑی سرعت کے ساتھ گاڑیاں بھیجی گئی تھیں۔ کرل کمال نے ان گاڑیوں کو نشان زدہ احاطے سے دور رہ کر اپنا کام کرنے کے احکامات جاری کیے اور پھر دوبارہ پور بچل لاؤڈ اسپیکر سنبھال لیا۔

”تم لوگوں کو دوبارہ سے گھیرا جا چکا ہے۔ ہتھیار پیچیک دو اور سرنڈر کر دو ورنہ اس احاطے کو آگ کے سمندر میں بدل دیا جائے گا۔“ لگائی وقت کے بعد اس نے دوبارہ کہا۔ ”تمہارے پاس صرف دو منٹ ہیں۔ میں سیکنڈ گننا شروع کر رہا ہوں۔“ لگتی کے ساتھ ہی اس نے مخصوص اشارہ کیا۔ یہ اشارہ آگے بڑھتا رہا اور درجن بھر ہاتھوں میں سینڈ گرنیٹر پھیلنے لگے۔

لگتی پوری ہونے سے پہلے ہوا میں تیز سرسراہٹ کے ساتھ کچھ بلند ہوا۔ سرسراہٹ متعدد دفعہ ابھری۔ بدھم ہوتے شعلوں کی روشنی میں کرل کمال نے متعدد راکٹس کو فضا میں بلند ہوتا دیکھا۔ یہ راکٹس جیسے نظر آتے تھے مگر راکٹ تھے نہیں۔۔۔۔۔ ایک تو ان کے پھلے حصے سے شعلے نہیں نکل رہے تھے۔ دوسرا ان کی رفتار راکٹ کے مقابلے میں بے حد کم تھی۔ ایک مخصوص بلندی پر پہنچتے ہی ان کے پر پھیلے اور وہ ڈرون میں بدل گئے۔ کرل کمال کھلے بھر کو بھوت ہو گیا۔ اسرائیلی ٹیکنالوجی کا ایک اور شاہکار سامنے تھا۔ ایک ڈرون نے غوطہ مارا۔۔۔۔۔ کرل کمال نے سرعت سے ایک طرف چھلانگ لگائی اور گولیوں کی تیز تر اہٹ کے ساتھ ڈرون اس کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔

اگلے چند منٹ کرل کمال کے لیے کسی بھیما تک خواب سے کم نہ تھے۔ برتیکنا لوجی کے شاہکار ان نئے نئے ڈرونز نے ہر طرف تباہی پھیلا دی تھی۔ مجرموں کو گھیرنے والے اس کے لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگے پھر رہے تھے۔ بے بسی آمیز اشتعال نے کرل کو دیوانہ سا کر دیا۔ اس نے بھاگ کر چھلانگ لگائی اور احاطے کے دوسری طرف جا کر۔۔۔۔۔ آگ و آہن کے اس گھل میں مقامی افراد کے

پہنچنے، چلانے کی آوازیں جیسے اس پر مار پانے کے مانند برس رہی تھیں۔ بچے کرتے ہی اس نے تربیت کے ذریعہ گھاس پر تھلا بازی کمانی اور حوازن ہو گیا۔ اس کے ہاتھوں میں مخصوص قسم کی جدید رائفل تھی۔ سامنے اسے سبک فٹنگ مزار کی عمارت نظر آئی۔ اس نے فوراً سٹون کی آڑ لی۔ اسی وقت فوراً ہی اس پر فائرنگ ہوئی۔ احاطے میں پیچھے ہٹ کر پوری طرح سے چمک تھے۔

کرل نے فائرنگ کی سمت کا اندازہ لگایا۔ دھتوں کے ایک جھنڈ اور دھو خانے کے اطراف سے فائر آیا تھا۔ اس نے بھی فوراً اسی سمت ایک مختصر سا برست جھونک دیا۔ اسی وقت اس کے آپریشن پر اطلاع ملی کہ پھر اٹری فورس کے دسے نیشاپور پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ پھر اٹری کے مقامی کمانڈر سے فوراً ہی کرل کا رابطہ ہو گیا۔ کمانڈر کو اس نے تیزی سے ہدایت دی۔ اچانک اس نے ایک ڈرون کو غوطہ کھاتے دیکھا۔ ڈرون کا رخ اسی طرف تھا۔ کرل نے اس پر گولیوں کی پوجھا کر دی مگر وہ برقی رفتار سے پیٹرا بدل گیا۔ اس دوران اس کا ہتھکڑا فائرنگ کر رہا تھا جس کے مزار کی عمارت کے اوپر سے گزر کر نہ جانے کس چیز سے ٹکرایا تھا۔ کرل نے زوردار دھماکے اور گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ یقیناً کوئی عمارت یا دیوار اس دھماکے سے منہدم ہوئی تھی۔

اس دوران ایک ڈرون ہٹ ہو گیا تھا اور جلتا ہوا احاطے میں آگرا تھا۔ اس سے نکلے تیز ٹینکوں شعلوں میں کرل نے ایک پرانے ماڈل کی لینڈ کرور کو احاطے کے مرکزی سلاخ دار گیٹ کے قریب رکھتے دیکھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ ڈرون کا دباؤ بھی زیادہ تر گیٹ کے اطراف تھا۔ اس کے دل نے کہا کہ مجرم بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ ساتھ ہی اسے اندازہ ہوا کہ موساد کا ایران ڈیک اس کی توقع سے زیادہ مضبوط، فعال اور بڑا تھا۔ مجرموں کے لیے بیرونی مدد بھی دستیاب تھی۔ وہ آپریشن پر چلا گیا۔

”مجرم ایک پرانے ماڈل کی سیاہ لینڈ کرورز میں بھاگ نکلنے کی کوشش کر سکتے ہیں۔ لینڈ کرورز مزار والے احاطے کے مرکزی دروازے پر موجود ہے۔ اسے ہر صورت میں روکنا ہے اور۔۔۔۔۔“

اسی وقت ایک ڈرون گولیاں برساتا اس کے اوپر سے گزرا۔ کرل کو مجبوراً سٹون کی گولی آڈیلین پڑی۔ دوبارہ سر ٹکلا اور ڈرون جھپٹ چکا تھا۔ کرل کو صرف خود کو پھنڈ فرس پر کرانے کی مہلت ملی۔ زبردست چکا چوند کے ساتھ

دھماکا ہوا اور قمارت لرز اٹھی۔ مجرموں کی طرف سے بھی قاتلنگ ہوئی۔ کرنل فرس پر رول کرتا ہوا دیوار کی جڑ کی طرف ہو گیا۔ شدید قاتلنگ نے اسے سر اٹھانے کی مہلت نہیں دی۔ کرنل بخوبی جانتا تھا کہ یہ کور قاتلنگ تھی۔ مجرم بھینچا اپنی یونٹ میں بدل رہے تھے اور زیادہ قوی امکان تھا کہ فرار ہونے کی کوشش میں تھے۔ گولیاں سنسناتی ہوئی اس کے اوپر سے گر کر دیوار سے ٹکرائیں تھیں اور دیوار کا ملبہ قوت سے ٹکرائیں۔ کوئی بھی گولی اس کی کھوپڑی پر نہیں لگی تھی۔ اس نے دریا بدلا اور دیوار کے ساتھ دونوں باؤں بٹھائے ہوئے خود کو پوری قوت سے دھکیلا۔ فرس پر گھر کے بل اسکڑ کرتا ہوا وہ ایک ستون کے قریب پہنچا اور پھر برق کے ساتھ تڑپ کر اس نے ستون کی آؤ لیتے ہوئے تختے کے بل سے رائل سیدی کی کمرچیاں بیشر کھیت چک چکی تھیں۔ سیاہ لینڈ کروزر کا دروازہ تیزی سے بند ہوا۔ کرنل نے بے درجہ باقی امانہ میگزین خالی کر دیا۔ سلاح دار گیت پر چنگریاں کی چوٹیں مگر لینڈ کروزر ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

کرنل دوڑتے ہوئے آپریشن پر چلا گیا۔ دونوں کے سب تر بتر ہلائی کوار کے ایجنٹوں کے سامنے غارت ہو گیا تھا۔ گھر اس ٹارگٹ کے اطراف اور آگے، پیچھے دوڑتے تباہی پھیلاتے ہوئے اسے بھر پور تحفظ دے رہے تھے۔

بھاگتے ہوئے کرنل نے اپنی رائل کے ساتھ دوسرا میگزین اٹھ لیا۔ تنگ اور خم دار راستوں کے سبب لینڈ کروزر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ کرنل نے ٹانگوں کی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے قاصد گھٹایا اور پھر لینڈ کروزر کے ٹائروں کو نشانہ بنایا۔ اٹھالچھر حرکت اٹھیز تھا۔ ٹائروں سمیت وہ قدیمی لینڈ کروزر ربلٹ پروف تھی۔

کرنل کی قاتلنگ کے ساتھ ہی ایک ڈرون اس کی طرف چھپا مگر اس دفعہ رائل پہلے سے تیار تھی۔ کرنل نے ایک کور قاتلنگ کی اور ڈرون آگ کے گولے میں تبدیل ہو کر ایک مکان پر جا گرا۔

دھیرے دھیرے لینڈ کروزر اور کرنل کا قاصد مزید کھٹنے لگا۔ اس دوران لینڈ کروزر نے اطراف سے ہونے والی قاتلنگ کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ آگ کے شطوں، بارودی ٹوڑا مقامی افراد کی تھج دیکار کے درمیان کرنل لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گیا۔ عتب سے ایک مختصری فوڈاوی سیزمی لینڈ کروزر کی جگہ کو جاری تھی۔ جگہ پر اس کی اسٹیل جگت تھج کی جس کی دھڑکیاں سامان دھیرہ

دھماکا ہوا اور قمارت لرز اٹھی۔ مجرموں کی طرف سے بھی قاتلنگ ہوئی۔ کرنل فرس پر رول کرتا ہوا دیوار کی جڑ کی طرف ہو گیا۔ شدید قاتلنگ نے اسے سر اٹھانے کی مہلت نہیں دی۔ کرنل بخوبی جانتا تھا کہ یہ کور قاتلنگ تھی۔ مجرم بھینچا اپنی یونٹ میں بدل رہے تھے اور زیادہ قوی امکان تھا کہ فرار ہونے کی کوشش میں تھے۔ گولیاں سنسناتی ہوئی اس کے اوپر سے گر کر دیوار سے ٹکرائیں تھیں اور دیوار کا ملبہ قوت سے ٹکرائیں۔ کوئی بھی گولی اس کی کھوپڑی پر نہیں لگی تھی۔ اس نے دریا بدلا اور دیوار کے ساتھ دونوں باؤں بٹھائے ہوئے خود کو پوری قوت سے دھکیلا۔ فرس پر گھر کے بل اسکڑ کرتا ہوا وہ ایک ستون کے قریب پہنچا اور پھر برق کے ساتھ تڑپ کر اس نے ستون کی آؤ لیتے ہوئے تختے کے بل سے رائل سیدی کی کمرچیاں بیشر کھیت چک چکی تھیں۔ سیاہ لینڈ کروزر کا دروازہ تیزی سے بند ہوا۔ کرنل نے بے درجہ باقی امانہ میگزین خالی کر دیا۔ سلاح دار گیت پر چنگریاں کی چوٹیں مگر لینڈ کروزر ایک جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

کرنل دوڑتے ہوئے آپریشن پر چلا گیا۔ دونوں کے سب تر بتر ہلائی کوار کے ایجنٹوں کے سامنے غارت ہو گیا تھا۔ گھر اس ٹارگٹ کے اطراف اور آگے، پیچھے دوڑتے تباہی پھیلاتے ہوئے اسے بھر پور تحفظ دے رہے تھے۔

بھاگتے ہوئے کرنل نے اپنی رائل کے ساتھ دوسرا میگزین اٹھ لیا۔ تنگ اور خم دار راستوں کے سبب لینڈ کروزر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ کرنل نے ٹانگوں کی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے قاصد گھٹایا اور پھر لینڈ کروزر کے ٹائروں کو نشانہ بنایا۔ اٹھالچھر حرکت اٹھیز تھا۔ ٹائروں سمیت وہ قدیمی لینڈ کروزر ربلٹ پروف تھی۔

کرنل کی قاتلنگ کے ساتھ ہی ایک ڈرون اس کی طرف چھپا مگر اس دفعہ رائل پہلے سے تیار تھی۔ کرنل نے ایک کور قاتلنگ کی اور ڈرون آگ کے گولے میں تبدیل ہو کر ایک مکان پر جا گرا۔

دھیرے دھیرے لینڈ کروزر اور کرنل کا قاصد مزید کھٹنے لگا۔ اس دوران لینڈ کروزر نے اطراف سے ہونے والی قاتلنگ کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ آگ کے شطوں، بارودی ٹوڑا مقامی افراد کی تھج دیکار کے درمیان کرنل لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گیا۔ عتب سے ایک مختصری فوڈاوی سیزمی لینڈ کروزر کی جگہ کو جاری تھی۔ جگہ پر اس کی اسٹیل جگت تھج کی جس کی دھڑکیاں سامان دھیرہ

دھیرے دھیرے لینڈ کروزر اور کرنل کا قاصد مزید کھٹنے لگا۔ اس دوران لینڈ کروزر نے اطراف سے ہونے والی قاتلنگ کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ آگ کے شطوں، بارودی ٹوڑا مقامی افراد کی تھج دیکار کے درمیان کرنل لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گیا۔ عتب سے ایک مختصری فوڈاوی سیزمی لینڈ کروزر کی جگہ کو جاری تھی۔ جگہ پر اس کی اسٹیل جگت تھج کی جس کی دھڑکیاں سامان دھیرہ

دھیرے دھیرے لینڈ کروزر اور کرنل کا قاصد مزید کھٹنے لگا۔ اس دوران لینڈ کروزر نے اطراف سے ہونے والی قاتلنگ کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ آگ کے شطوں، بارودی ٹوڑا مقامی افراد کی تھج دیکار کے درمیان کرنل لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گیا۔ عتب سے ایک مختصری فوڈاوی سیزمی لینڈ کروزر کی جگہ کو جاری تھی۔ جگہ پر اس کی اسٹیل جگت تھج کی جس کی دھڑکیاں سامان دھیرہ

دھیرے دھیرے لینڈ کروزر اور کرنل کا قاصد مزید کھٹنے لگا۔ اس دوران لینڈ کروزر نے اطراف سے ہونے والی قاتلنگ کا جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ آگ کے شطوں، بارودی ٹوڑا مقامی افراد کی تھج دیکار کے درمیان کرنل لینڈ کروزر کے قریب پہنچ گیا۔ عتب سے ایک مختصری فوڈاوی سیزمی لینڈ کروزر کی جگہ کو جاری تھی۔ جگہ پر اس کی اسٹیل جگت تھج کی جس کی دھڑکیاں سامان دھیرہ

ساتھ سوال دہنتے تھے۔ چھلاوے جیسا وہ کھس کھس کھنکھناتے تھے۔ ان کے الفاظ کی گونج جیسے کاسرے سر میں گونج رہی تھی۔ "تمہارے لیے میں انٹری ہوں" پہلے جملے کے تاثر میں اس نے خود کو دوست کہا تھا۔

کرنل شش و پنج کا شکار ہو گیا۔ خود کو دوست کہنے والے کے پیچھے جانے یا ایک طاقتور اور ملاوت دشمن کا قاتل کیا جانے مضبوط دماغ نے دشمن کے ہتھے جانے کا فیصلہ کیا۔ اس چھلاوے کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے آپریشن پر توجہ دی۔ افرادی قوت اور فرسودہ ہتھیار جدید ترین ٹیکنالوجی کا مقابلہ نہیں کر پائے۔ نئے نئے جدید ڈرونز اور گیس لینڈ ہتھیاروں کا استعمال کرتے ہوئے مجرم۔ ہلائی کوار اور پھر اٹھارے نوکس کا گھیرا توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

☆☆☆

انٹری آخری لمبے لینڈ کروزر کے ساتھ ایک چپ چپکانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس کی مدد سے جب وہ ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچا تو ایک ست روئی کے کنارے مطلوبہ لینڈ کروزر آگ کے شطوں کی نذر ہو چکی تھی۔ اس کا ایک دفعہ پھر بے نشان ہو چکے تھے۔ انٹری نے ہونٹ کھینچ لیے اور پھر لانگ ریج آپریشن پر کرنل کمال کو پکارا۔ یہ آپریشن اس نے ہلائی کوار کے ایک ایجنٹ سے چھینا تھا۔

اس کی آواز نے کرنل کمال کو مزید حیران کر دیا۔ پھر انٹری کی خواہش پر وہ اکیلا ہی ایک جیب لے کر پہاڑی کے دامن میں پہنچ گیا۔ اس کے آگے تک لینڈ کروزر کا شخص آہنی ڈھانچا ہی بچا تھا جس میں شعلہ دھک رہے تھے اور ناگوار بدبو نے قدرتی ماحول کی فضا کو مسموم کر دی تھی۔

جیب سے اترتے ہوئے کرنل کمال نے سگتے آہنی ڈھانچے پر نظر ڈالی اور پھر ماحول کا قدموں سے سیاہ پوش کی طرف بڑھا۔ سیاہ پوش نے مصالحوں کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"میں اپنا تعارف کروا چکا ہوں۔"

کرنل نے اس کا مضبوط ہاتھ تھما۔ "میرے خیال میں تو مجھے بھی بخوبی جانتے ہو مسٹر انٹری!" ساتھ ہی اس نے سگتے ڈھانچے پر دوبارہ نظر ڈالی۔ "غالباً یہ وہی لینڈ کروزر ہے جس میں مجرم فرار ہوئے تھے؟"

انٹری بولا۔ "ہاں، وہ لوگ اس دفعہ پھر روپوش ہو چکے ہیں۔"

"کہاں تک بھاگیں گے۔۔۔ ان کا دقت پورا ہو چکا جاسوسی ڈائجسٹ 213 اگست 2024"

یہ کہتے ہوئے کرنل نے زنجی گھروں سے انٹری کو دیکھا۔ "تم جیسا کہ تعاقب میں ہو؟"

انٹری نے کندھے اچکائے۔ "کامیاب ہے۔"

"آئی ایس آئی سے ہو؟"

جواب میں انٹری خاموش رہا۔

کرنل نے سبکی محسوس کی۔ "جواب نہیں دے چکا ہے؟"

انٹری کی بے تاثر آواز ابھری۔ "ایک ہاپ ریک ہمیشگی جانب سے یہ استدلال چھانچ گیا۔"

کرنل کو کھلی کا احساس ہوا۔ "معدرت چاہتا ہوں مگر میرے حریف جباری کرنے کی درخواست کے ساتھ ہی تم یہاں موجود ہو۔ اس بات نے مجھے حیران کر دیا ہے۔"

انٹری نے اس کی چپ کی جانب قدم بڑھائے۔ "مکن ہے میں پہلے سے یہاں موجود ہوں۔" ساتھ ہی اس کا لہجہ بدلا۔ "کیا تم بات کے اس پیر میرے لیے گرم چائے اور اسکیس کا بندوبست کر سکتے ہو؟"

کرنل کے چہرے پر حیرت آئی۔ "بڑی خوشی ہے۔"

☆☆☆

یوحنا اور الما جید میگزینوں کے ایک بہت بڑے فارم کے زمین دوز کرے میں تھے۔ یہ فارم موساد کے سیف ہاؤسز میں سے ایک تھا۔

الما جید، اسرائیلیوں سے مرعوبیت کی آخری حدوں کو چھونے لگا تھا۔ کوہ ایل کے دامن کے بعد وہ مجرمے بڑے شہر سے بھی نہ صرف خود محفوظ طریقے سے نکلے تھے بلکہ الما جید کو بھی ساتھ نکال لائے تھے۔

الما جید کی آنکھوں میں رت چکے کی سرخی تھی مگر یوحنا مکمل طور سے جان وچہ بند نظر آرہی تھی۔ وہ بولی۔

"تمہارے لیے ایران کی زمین خطرناک ہوتی جارہی ہے۔ تمہیں آج رات ہی پاکستان روانہ کر دیا جائے گا۔"

الما جید چونکا۔ "میں حاضر ہوں مگر میرا ٹارگٹ کیا ہے؟"

یوحنا کی سانپ جھکی آنکھیں اس کے چہرے پر آجئیں۔ "بلوچستان میں ہمیں اور ہماری حلیف طاقتوں کو جاننا کا بڑا سٹارٹو روس پونڈ نہیں آ رہا۔ چائیز فٹھ تیز زور دیکر افراد کا جینا دیکر روس کو، تمہارا ٹارگٹ یہی ہے۔ ان لوگوں کو مارو۔ اتنا خوف زدہ کر دو کہ یہ لوگ خودی خوف زدہ

جاسوسی ڈائجسٹ ————— 218

قی ماندہ کام نمٹا کر اناڑی جیسے گفٹ کے ساتھ یہاں سے
 اگست 2024ء

جاسوسی ڈائجسٹ ————— 9

۱۰ اگست ۲۰۲۴ء

دی تھی۔

یوحنا نے حیرت انگیز طاقت کا ظاہر کرتے ہوئے کرٹل کی لاش کو افکار ہاتھ میں ڈالا اور پھر سارے قتل کھول دیے۔ اس کے بعد اس نے کانسی کے جیسے کو صاف کر کے اپنی جگہ پر رکھا اور ایک کیسٹل کی مدد سے قالین پر سے خون کے دبے صاف کر دیے۔

خواب گاہ کا قاتلانہ نظروں سے جائزہ لیتے ہوئے وہ ساتھ لایا بیگ لے کر ہاتھ روم میں آگئی۔ ہاتھ بھر چکا تھا اور پانی جزل کے خون سے سرخ ہو چکا تھا۔ چکی گھوڑی سے بھری مائل مغز جھانک رہا تھا اور یہ منظر بے حد خوف ناک تھا مگر یوحنا کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔ وہ ایک غیر معمولی عورت تھی۔ اس نے بیگ کھول کر اس میں سے دو بڑی بڑی سرخ رنگ کی ٹیو بڑ کالیں اور انہیں ہاتھ تک میں خالی کر کے کل بند کر دیے۔

ٹیو بڑ میں سے پیلے رنگ کا خلل کھل کر پانی میں شامل ہوا تھا اور ان کواری بدبو کے ساتھ شب میں بڑے بڑے پیلے بننا شروع ہو گئے تھے۔ یوحنا ہاتھ روم کا دروازہ باہر سے بند کر کے خواب گاہ سے بھی باہر نکل آئی۔ اس نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ اس کے پاس ابھی پچیس منٹ تھے۔ جزل قتل کا چھوٹا سا خوب صورت بنگلا تھا۔ چنانچہ فوج میں تھا اور اپنی ٹیم کے ساتھ ٹیگھ رہتا تھا۔ دو بیٹیاں

بیابانی ہوئی تھیں۔ دونوں میاں، بیوی کو ملازمین کی بھیڑ پسند نہیں تھی۔ ناشاد غیرہ جیلہ کی ذمے داری تھی۔ صفائی وغیرہ اور پودوں کی دیکھ بھال کے لیے روزانہ دو افراد صبح نو بجے آتے تھے اور چار بجے واپس چلے جاتے تھے۔ اس ساری صورت حال سے یوحنا نے خوب فائدہ اٹھایا تھا۔

پندرہ منٹ بعد وہ دوبارہ ہاتھ روم میں داخل ہوئی تو ہاتھ تک میں پیلے ہی پیلے نظر آرہے تھے۔ انتہائی حیرت انگیز طور پر جزل کی لاش اس کیسٹل کے اثر سے ہڈیوں سے کل کر مائع شکل اختیار کر چکی تھی۔ ہاتھ روم باگوار بدبو سے بھرا ہوا تھا۔

یوحنا نے ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے پہلے ایگزامٹ آن کیا پھر وائٹنگ ٹب کے اخراج والے والو کھول دیے۔ تو وہی دی ریم میں ہاتھ روم بھی مکمل طور سے صاف ہو چکا تھا اور جزل کا نام و نشان بھی مٹ گیا تھا۔

یوحنا نے ایگزامٹ بند کیا۔ ہاتھ روم میں اتر فریئر جزل کا اور اپنے بیگ میں کھانسی کے پھول دو تھے۔ اس کے کپڑے تھے کہ پھر سے دھو کر دے گی۔ اس کے عقبی حصے

سے ہوگوشادیز ضروری سامان کے ساتھ برآمد ہوا تھا۔ یوحنا نے اپنا بیگ ٹک میں پیسٹک دیا۔ ان کے مشن کا اہم ترین مرحلہ کامیابی سے مکمل ہو گیا تھا۔

☆☆☆

الماجد، پاکستان پہنچ چکا تھا۔ موساد کی کرم فرمائی کے سبب اس کے بھڑے ہوئے سارے ساتھی یکجا ہو کر دوبارہ سے ایک پہلے سے زیادہ طاقتور دہشت گرد گروپ کی صورت اختیار کر چکے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے سربراہ کا شاندار استقبال کیا تھا۔

دو دن جشن کے نام پر خرافات کا بازار گرم رہا۔ تیسرے دن موساد کی جانب سے انہیں کام سونپ دیا گیا۔ اگلے دن انہیں بھاری ہتھیاروں کے ساتھ ایران کی دوا اہم سرحدی پوسٹوں پر حملہ کرنے کا ناسک دیا گیا تھا۔

الماجد یہ ہدایت سن کر اُلٹ گیا۔ پہلے اسے چائیز پر حملہ کرنے کا ناسک دے کر پاکستان بھیجا گیا تھا۔ اب یہ نیا حکم آ گیا تھا۔ نہ جانے موساد کیا کھیل کھیلنے جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر الجھتا رہا پھر اس نے معاملے کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ وہ حکم کا غلام تھا۔ جسے حکم بجالا تھا۔

الماجد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ حملے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ کرٹل کمال کی جھنجھلاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ مجرم، اس کی سرزمین پر دندناتے پھر رہے تھے۔ ہر جگہ من چاہی کارروائی کے بعد غائب ہو جاتے تھے اور وہ حرکت ناک ٹوئیاں مارتا رہ جاتا تھا۔

ماسک سامنے آنے کے بعد اوپری سطح پر پلچل مچ گئی تھی۔ باہرین نے ان ماسک کا جائزہ لینے کے بعد انہیں حیرت انگیز ایجاد قرار دیا تھا۔ یہ ماسک ڈیموں پر لگا کر دیکھے گئے تھے اور پھر ان چروں کو کھینچ کر انہیں کے ریکارڈ سے ملا گیا تھا۔ وہ چہرے کسی سے قچ نہیں ہوئے تھے۔

اس کا مطلب تھا کہ انہیں صرف شناخت چھپانے کی غرض سے استعمال کیا جا رہا تھا۔

باہرین نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ اگر ایسے ماسک معروف شخصیات کے تیار کر کے ان افراد کی جگہ دشمن ایجنٹ لے لیں تو بڑی خوفناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا۔

یہ سن کر کرٹل کی بے چینی سوا ہو گئی تھی۔ اسے یقین ہو

گیا کہ ہوگوشادیز ان ماسک کا کوئی خوفناک استعمال کرنے والا تھا۔ اس نے فوراً کلیدی عہدوں پر فائز سول فوجی حکام کو چیک کرنے کے احکامات جاری کر دیے۔

اس دوران ایک خوفناک اور پریشان کن صورت حال سامنے آئی تھی۔ پاک و ایران سرحد پر دہشت گردوں نے ایرانی پوسٹوں پر بھاری ہتھیاروں سے حملہ کیا تھا جس میں جانی نقصان بھی ہوا تھا۔

اتفاق سے اس حملے کے وقت جزل قتل بارڈر سب ہیز کوارٹر میں ہی موجود تھا۔ جس کی ہدایت پر دہشت گردوں کا سرحد پار تاقب کیا گیا تھا اور تقریباً سرحد سے چالیس کلومیٹر اندر دہشت گردوں کے مشتبہ ٹھکانوں کو بھی ڈرو زور راکٹوں کی مدد سے نشانہ بنایا گیا تھا۔

سرحد پار اس کارروائی کی کونج عالمی میڈیا میں بھی سنائی دی تھی۔ اس حوالے سے پاکستان کا سخت موقف و احتجاج سامنے آیا تھا اور حالات اس قدر کشیدہ ہو گئے تھے کہ دونوں ممالک کی افواج آئے سانسے تھیں اور پاکستان نے اپنا سفیر احتجاجاً واپس بلا لیا تھا۔

ایرانی ہائی مکن نے جزل قتل کے بروقت فیصلے کو سراہا تھا۔ دہشت گردوں کے حوالے سے ایرانی حکومت کی پالیسی بے حد سخت تھی۔ اس موقع پر پاکستانی افواج کے ساتھ ایک جھڑپ بھی ہوئی تھی جس کے بعد جزل قتل نے میڈاں لالچ کرنے کے احکامات جاری کر دیے تھے۔ فی الحال کشیدگی کے اس ماحول میں کسی بھی وقت کوئی سانحہ ہو سکتا تھا۔

کرٹل کمال پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹپل رہا تھا کہ اچانک ایک خیال جھٹکے مانند اس کے دماغ میں چکا۔ اناڈی کی لوکیشن جاننے کا واحد ذریعہ اس کے پاس موجود آپریشن تھا جو یقینی طور پر اب مجرموں کے قبضے میں تھا۔ اگر آپریشن سلامت تھا اور کسی جیمہ کے زیر اثر اس آپریشن کی لوکیشن معلوم نہیں ہو رہی تو ایک طریقہ آزمایا جا سکتا تھا۔

یہ سوچتے ہوئے کرٹل پرجوش ہو گیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر کے آپریشنل روم میں پہنچ گیا جہاں ایک ٹیمکیم نے اس کی بات سننے کے بعد کہا۔ ”یہ بالکل ممکن ہے۔ جیمہ کو یقیناً ایک ٹرک سپلائی کی ضرورت تھی۔ اگر برقی رو معطل ہو جائے اور جیمہ کے پاس کوئی بیگ آپ نہ ہو تو وہ بیکار ہو سکتا تھا۔ ایسی صورت میں ہم بمشکل نوے سیکنڈ میں آپریشن کی لوکیشن ٹریس کر لیں گے۔“

”یہ مارا۔“ کرٹل نے سرخوشی کے عالم میں ایک کرسی پر ہاتھ مارا۔

ایران میں برقی رو معطل ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسی سبب ایک آپ جزیئر بھی برائے نام ہی تھے۔ امید تھی کہ یہ طریقہ کار ثابت ہوگا۔

کرٹل نے پانچ منٹ کے لیے پورے صوبے کی برقی رو معطل کرنے کے انتظامات کی طرف توجہ مرکوز کر دی۔ دو گھنٹے کی جدوجہد کے بعد وہ مجازا قمار کی کورضامند کر سکا تھا۔

☆☆☆

اناڈی کو آرام کرسی پر عضو معطل کی طرح پڑے کئی دن ہو گئے تھے۔ اسے سیال خوراک دی جا رہی تھی اور ایک اینڈنٹ آکر اس کی صفائی وغیرہ بھی کر دیتا تھا۔ وہ اینڈنٹ ایک مقررہ وقت پر اس کی گردن میں ایک انجکشن گھونپ دیتا تھا۔ جس کے بعد اس کی زبان اور گردن بھی تھمد ہو جاتے تھے پھر رفتہ رفتہ دونوں حرکت کرنے لگ جاتے تھے مگر گردن کے نیچے کا جسم مفلوج ہی رہتا تھا۔ ایک دن اینڈنٹ کو آنے میں قدرے تاخیر ہو گئی تو اناڈی کے پورے جسم پر چھوٹیاں سی رینگنے لگی تھیں۔ خود وقت گزر جاتا تو اناڈی کو یقین تھا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل ہو جائے گا مگر یہ حسرت دل ہی میں رہی کیونکہ اینڈنٹ انجکشن لیے آدھکا تھا۔

پہلے دن کے بعد سے اس کی ہوگوشادیز سے پھر ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس نے متعدد دفعہ اینڈنٹ سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر بے سود۔... اینڈنٹ نے جیسے قسم کھا رکھی تھی کہ وہ زبان کا استعمال بالکل نہیں کرے گا۔

اناڈی غیر معمولی توت ارادی کا مالک تھا۔ وہ صبر و اطمینان کے ساتھ یہ مشکل وقت گزار رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ خدا نے اس کے لیے کوئی نہ کوئی لمحہ ضرور محفوظ رکھا ہے۔ اسے اس لیے کا انتظار تھا۔ فگر بھی تو صرف یہی کہ ہوگوشادیز بڑی تیزی سے اپنا کھیل بڑی کامیابی سے جاری رکھے ہوئے تھا۔ رات کا نہ جانے کون سا پھر تھا۔ وہ انجی سوچوں میں غلطان تھا کہ اسے چیت پر کسی کے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ پھر گولیوں کے دھماکے ہوئے۔... ایک قحچ اور پھر خاموش رات فائرنگ کے شور سے کونج اٹھی۔

اناڈی کے دل کی دھڑکن خفیف سی بڑھ گئی۔ لگتا تھا عدو آہٹ تھی مگر وہ خود ذرا بھی حرکت کرنے کے قابل نہیں

تھا۔ من پسند مکمل کامیابان سہا اور وہ بڑے سے بھی قاصر تھا۔ باپ کی اور بے بسی کے احساس سے وہ مطلوب ہو کر رہ گیا۔

اسی وقت ایک دور دراز جگہ کے سے عمارت لرز اٹھی۔ دھماکے کی شدت اتنی شدید تھی کہ انارڈی آرام جیسے سے بیٹھے جا کر اسی وقت دور دراز جگہ سے کھلا اور انیشنٹ ہو گئے کے مانند کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں چھب سی وضع کا پتل تھا۔ اس پتل کی نال بے حد ہار یک ہی اور نال کی جڑ کے پاس ہے وہ قدرے پھولا ہوا تھا۔

یہ بڑا بے بسی کا لمحہ تھا۔ انیشنٹ فرشتہ اہل کے مانند انارڈی پر چبھ چکا تھا۔ چھب وضع کے پتل کی نال کا رخ انارڈی کی طرف ہوا۔ بے بسی کی موت سانسے بھی۔ پھر موت کے فرشتے کے عقب میں سیاہ پر چھائی ہی لہرائی اور اس سے نکلا گئی۔ انیشنٹ بے توازن ہو کر انارڈی کے قریب گرا۔ انارڈی سے اور کچھ نہ ہو سکا، انیشنٹ کا کان اس کے منہ کے بے حد قریب تھا۔ انارڈی نے بے درجہ دانتوں سے اس کا کان دبوچ لیا۔

انیشنٹ کے منہ سے جھجھکی لہروں میں بھی انارڈی کو آدم خور جارڈن یاد آ گیا۔ جس سے آئندہ راڈ کی جان اس نے بچا لی تھی۔ آوارگی خیالات پر وہ دل ہی دل میں ہنسا۔ اس کے کانوں میں کرل کمال کی آواز پڑی۔

”اے قابو کرو، کان چبانے سے کیا ہوگا۔“ اس دوران انیشنٹ کی تباہ کن کھنکی کی ضرب انارڈی کی پیلیوں میں گئی تھی مگر بے حس جسم کے سبب اسے تکلیف کا ذرا بھی احساس نہیں ہوا۔ انارڈی نے جواب میں کان چھوڑ کر چیخ کر کہا۔ ”میرا جسم مطلوب ہے۔ اے خودی قابو کرو۔“ کرل فرسٹ سے اٹھتے انیشنٹ پر سیاہ تیندوے کے مانند چھپنا اور اسے رگید کر رکھ دیا۔ انیشنٹ جو یقیناً تربیت یافتہ اسرائیلی ایجنٹ تھا، بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کرل نے اسے بے دم کر دیا۔

اچانک فضا میں گمن شب کی گڑگڑاہٹ کوئی اور پھر فضا میں بھاری شین گن گرجنے لگی۔ کرل نے بے سدھ انیشنٹ کے ہاتھ، پاؤں جب سے ایک سیاہ ڈوری نکال کر باندھتے ہوئے فائرنگ کے شور کے سبب چیخ کر کہا۔

”تمہارا جسم مطلوب کیوں ہے؟ کیا ہوا؟“ انارڈی کی نظر لیزر پتل پر جمی رہ بولا۔ ”کسی ایجنشن کے ذریعے مجھے مطلوب کیا گیا ہے۔ اگلے آٹھ گھنٹوں میں اس کا جسم کو بجائے ہوئے یہ پتل اس کے لیے ہونا چاہیے۔“

کرل نے چونک کر مائل کی طرف دیکھا اور پھر اسے اٹھاتے ہوئے مٹی خیز انداز میں کہا۔ ”اس حالت میں بھی تمہیں کام کی لگ ہے۔“

ظاہر ہے، میں لاپرواہی پر ہوں اور یہ تو بڑے کام کی چیز ہے۔ اس دوران کرل کی پریس پر ٹھکانا ہانے لگا تھا۔ کرل نے دور دراز سے قریب پہنچان سنہالی اور پھر اپنے لوگوں کو ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران اس نے دو دلہ فائرنگ بھی کی تھی۔

گمن شب کی گمن کرنج اور جدید ترین ہتھیاروں کے ساتھ رات کی تاریکی میں مارا کیا شب فحون کامیاب رہا تھا۔ انارڈی کو سلامت چھڑ دیا گیا۔ نین اسرائیلی اور دو مقامی سہولت کار مارے گئے تھے۔ ایک اسرائیلی زندہ ہاتھ آیا تھا۔

کرل کمال خود انارڈی کو کندھے پر لا کر جیس تک لایا تھا۔ مجرموں کی کینن گاہ سے روانہ ہوتے ہوئے کرل نے انارڈی کو سیٹ بیٹھ میں بکڑ دیا اور خود راڈیو تک سیٹ سنہالی لی۔ انارڈی نے مختصر آپ جیتی سنائی تو کرل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سمجیر انداز میں کہا۔ ”تمہیں ایک خوفناک خبر سناؤں؟“

انارڈی نے کہا۔ ”پہلے جان بچانے کے لیے تمہارا شکریہ ادا کر دوں۔ اس کے بعد جو سنا ہے سناؤ، ویسے تمہارا انداز بھی کم خوفناک نہیں ہے۔“

کرل نے کھلے بھر کی سمجیر خاموشی کے بعد کہا۔ ”میرا اور تمہارا ملک ایک خوفناک جنگ کے دہانے پر کھڑے ہیں۔“

انارڈی حقیقی معنوں میں پریشان ہو گیا۔ ”یہ کیسے ممکن ہے؟ کیا ہوا ہے؟“

کرل نے اسے پہلے کی تفصیل بتانے کے بعد کہا۔ ”چند گھنٹے پہلے تمہاری طرف سے بھی اسرائیلنگ ہوا ہے۔ ظاہر ہے یہ ہمارے حملے کا ہی رد عمل ہے۔ تمہارے آئی ایس بی آر نے تو کہا ہے کہ یہ حملہ سرحد پار بلوچستان کی ملحد کی حالی ایک دہشت گرد جماعت کے ٹھکانوں پر کیا گیا ہے مگر درحقیقت دو پوسٹوں اور سب ہیڈ کوارٹر کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ جزل گئی اس حملے میں بال بال بچا ہے اور اس وقت جو ایجنٹ ملری ہیڈ کوارٹر میں اس حملے کا بھرپور جواب دینے کے لیے ”گرم میٹنگ“ جاری ہے۔“

انارڈی نے سر ہٹام لیا۔ ”ایسا تمہاری طرف سے ہوئی ہے۔ ظاہر ہے جواب آتا تھا نہیں تو انارڈی ایسی کارروائیاں کے لیے تیار بیٹھا ہے۔“

کرل نے قدرے رخ انداز میں کہا۔ ”یہ بحث کا وقت نہیں ہے۔ مجھے کسی خوفناک حادثہ کی خبر آ رہی ہے۔“

دلوں نے ایک وقت سر کھمایا۔ دلوں کی کالی کالی اور جیسے ایک دوسرے کے خیالات پڑھ لیے۔ انارڈی نے کہا۔ ”اسرائیلی؟“

کرل نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”مت بہو لو کہ ہو کہ شادی پوری طرح سے سرگرم ہے اور ہماری پہنچ سے دور ہے۔ مجھے یہ پیشانی پوری ہے۔ جزل گئی بے حد برہم ہے۔ فوری اور طاقتور جواب دینے کے لیے اس کے ساتھ چند اور حالی بھی ہیں۔“

انارڈی چوٹا۔ یادداشت کا غائب متحرک ہوا۔ ایک مہیات فردش کے الفاظ یاد آئے۔ اس نے وہی جزل گئی تو نہیں۔ جسے ایران میں امریکا کے ”چھوٹا سلطان“ کہا جاتا ہے؟“

کرل دھیرے سے ہسا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”ہاں، مگر تم نے یہ بات کہاں سے سنی؟ وہ پاسداران انقلاب کے کانڈروں میں سے ہے اور بہت سے لوگ ایران میں اسے سخت گیر اقدامات کے سبب پسند نہیں کرتے۔“

انارڈی نے طویل سانس لی۔ ”فی الحال اسے چھوڑو اور تم اپنے قیدی کی زبان کھلواد اور میں اپنے ہیڈ کوارٹر بات کرتا ہوں۔ حالات سنگین تر نظر آ رہے ہیں۔ ہماری جانب بھی یقیناً متوقع جواب کا رد عمل دینے کی تیاری عمل ہو گی۔“

کرل نے ہونٹ پیچھے، پاؤں کا دباؤ اور کھلے کھڑے بڑھا دیا۔

تھوڑی دیر بعد انارڈی مطلوب جسم کے سبب ایک بددگار کے ذریعے اپنی ایجنسی کے نائب چیف سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ”میرا میں ”ہالی کوار“ کے فٹلی ہیڈ کوارٹر میں موجود ہوں۔ ہائی رپورٹ بعد میں کر دوں گی۔ فی الحال مجھے یہ بتائیں گے کہ ہمارے اور ایران کے درمیان یہ تنازع کس وجہ سے شروع ہوا ہے؟ اس طرف کا موقف میں سن چکا ہوں۔“

نائب چیف نے تلخ انداز میں کہا۔ ”ایسا ایران کی

جانب سے ہوئی ہے۔ دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے لیے ان لوگوں نے سرحد سے چالیس گھنٹہ اندھ ہماری تین ات کو نشانہ بنایا ہے۔“

نائب نے دلی آواز میں کہا۔ ”اس سرحدی خطے میں لیتیم کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں۔ یعنی پرائیویٹ سیکٹر ہماری سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ تعمیرات، چینی انجینئر اور دیگر گروں کے لیے زمینیں۔ فکر ہے وہ لوگ ابھی آئے نہیں تھے۔ وہ لوگ ہر گئے ہیں۔ اور ایک بہت بڑا معاہدہ کھائی میں پڑ گیا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی نائب چیف کے انداز میں دوبارہ گئی در آئی۔

”اس سارے واقعے کا ذمے دار جزل گئی ہے۔ اس نے یہ بار اٹھل رہ چاہا ہے۔ ایران میں ایک ایسی ہے جو اس سرحدی پٹی کو متاثر نہ کرتی ہے۔ گناہے جزل گئی ایسی لالی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اس ایرانی کارروائی کے بعد ہماری جو کچھ ہوئی ہے، ہماری میڈیا نے پرائیویٹ کے طوقان پر پاکیا ہوا ہے۔“

انارڈی نے بات کاٹ کر کہا۔ ”میرا اسرائیلی سازش ہے۔ فی الحال فیکری قیادت تک میری نو ماہ درخواست پہنچا میں کرل کا مظاہرہ کیا جائے۔ میں چند گھنٹوں میں دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔“

نائب نے کہا۔ ”تمہارے وزن کی ایک اہمیت ہے مگر اسرائیلی سازش کہاں سے آئی۔“

انارڈی نے اس کی بات کاٹی۔ ”مت بھولیں کہ ہو کہ شادی اپنے کردہ عزائم اور برتر صلاحیتوں کے ساتھ ایران میں موجود ہے، کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں سازش پکڑنے کے بہت قریب ہوں۔ پلیز آپ میری درخواست پر عمل درآمد کروائیں۔“

نائب لمحہ بھر چپ رہا پھر بولا۔ ”فیک ہے مگر تمہاری کال کا انتظار رہے گا۔“

انارڈی نے شکریہ ادا کر کے اپنے مددگار سے کہا۔ ”کرل کمال کو فوراً بلاؤ۔“

کرل آیا تو اس کے منے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے انارڈی نے پوچھا۔ ”کیا ہوا؟“

”اکھوتے قیدی نے خودکشی کر لی ہے۔ ہم دوبارہ سے بندگی میں ہیں۔“

”مگر کہہ۔“

”میڈیکل ٹیم چیک کر رہی ہے۔ بظاہر تو زہر خوردانی

لگ رہی ہے۔ تھوڑی دیر میں صورت حال واضح ہو جائے گی۔

اناڑی نے سر ہٹا کر کہا: "جو ابعد میں دیکھیں گے۔ لی اہل جو سبکین مسئلہ سامنے ہے، اسے تو حل کریں۔" ساتھ ہی اس نے اپنے نائب چیف سے ہونے والی گفتگو کا خلاصہ کر کے کڑی گزار کر دیا۔

کرل کے چہرے پر ابھرنے لگی۔ "یہ کیسے ممکن ہے؟ جزل قلی سوچ پر موجود تھا اور اسی کی کمان میں یہ کارروائی ہوئی ہے۔ اتنی غیر رستے داری کا اس کا عہدہ متقاضی نہیں ہے۔"

کرل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اناڑی نے ٹھوس انداز میں کہا: "تو پھر جزل قلی کو کھٹکالنے کی ضرورت ہے۔ دالست پانا دالست اس نے دشمن کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا ہے۔"

اچانک کرل کو حیرت انگیز مامک کا خیال آیا۔ اس نے اس بارے میں اناڑی کو بتایا تو اناڑی نے کہا: "ہوگو شادیز نے پورے عہدے میں مجھے شکرا کر کہا۔ اس کا بہروپ اس قدر حقیقی تھا کہ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں ہو سکا۔" ساتھ ہی وہ کرل کو دبانے پر ہنسنے کی بھی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے سز دیا۔

"میرا ذاتی خیال ہے کہ جو ہم سوچ رہے ہو وہ صرف ہالی ووڈ کی فلموں میں ہی ممکن ہے۔ ایسے مامک کے ذریعے کسی خاص شخص کا حلیہ دہار بھی لیا جائے تو بھی بہت سی مشکلات ہیں۔ آواز، انداز، گفتگو..... خیال، ڈھال اور قد و قامت..... اس خیال کو بھول کر جزل کی تلاشی لینے کی کوشش کرو۔"

کرل نے اٹھتے ہوئے طویل سانس لیا۔ "ٹھیک کہہ رہے ہو۔ تھوڑی دیر میں ایک ڈاکٹر نہیں دیکھنے آ رہا ہے۔ امید ہے تمہاری معذوری آٹھ گھنٹے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ یہ بڑا اہم وقت ہے۔ ہوگو شادیز کے ساتھ الما جد تک رسائی بھی بہت ضروری ہے۔"

کچھ دیر بعد ایک اوجیز مرڈاکٹر اور نازک سی نرس کی آمد ہوئی۔ اناڑی کو بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ اس کی زبان پر تارہ لکنا آ گیا جو نرس نے اپنے نازک ہاتھوں سے اناڑی کو کھانا کھانے پر مجبور کیا۔

جاسوسی ڈائجسٹ 224

کھڑے کر دیے۔ "بہتر ہے نامعلوم دوا کا خود ہی اذیت ہونے کا انتظار کیا جائے۔"

کرل خاصی تاخیر سے واپس آیا۔ اس وقت تک اناڑی کے جسم پر چھ پٹیوں کا رینگنا شروع ہو چکا تھا۔ کرل کے چہرے پر سسکی بے حد واضح تھی۔ آتے ہی وہ بولا: "تم غلط تھے۔ وہ کم بخت ہوگو شادیز..... جزل قلی کا روپ دھارنے ہوئے تھا۔ اس کے علاوہ اس کی ایک اور سائی بھی جزل کی بیوی کی خاص خادمہ کے بہروپ میں تھی۔"

"بڑی حیران کن بات ہے۔ وہ دونوں گرفت میں آگئے؟" اناڑی نے بے تابگی سے پوچھا۔

کرل نے ٹھوس سے ہاتھ تلے ہوئے کہا: "ہوگو شادیز کی ساتھی عورت ڈی حالت میں ہاتھ لگی ہے۔ ہوگو شادیز نے اس کا مامک رہا ہے۔" کرل نے مزید تفصیل بتائی۔ "ان دونوں کو یقیناً ہمارے کامیاب شب خون کی خبر مل گئی تھی۔ وہ کم بخت بینک ادھوری چھوڑ کر اپنے ہتھکڑے پر آیا تھا۔ میں ملٹری پولیس کے ساتھ ہتھکڑے پر پہنچا تو دونوں بھاگ نکلے اور زبردست مقابلے کے بعد وہ عورت ہاتھ لگی ہے۔"

اناڑی نے بازو کو حرکت دینے کی کوشش کی۔ لڑش کے ساتھ بازو حرکت کرنے لگا تو اس نے کہا: "خیال کرنا وہ عورت بھی خود کی نہ کرے۔"

"میرے ذہن میں یہ اندیشہ تھا۔ پہلے والے مجرم کی خودکشی کی وجہ دہر بلا کپسول چھپانا سامنے آئی ہے۔ اس عورت کے کھوکھلے دانت سے زہریلا کپسول نکالا جا چکا ہے۔"

اناڑی میرے دیرے دیرے اٹھ بیٹھا۔ تم نے زبردست کارکردگی دکھائی ہے کرل! میں دوبارہ اپنے ہیڈ کوارٹر کال کرنا چاہوں گا۔ اس کے بعد اس عورت کو دیکھتے ہیں۔ وہ بھی ضرور کوئی خاص ہستی ہوگی۔"

کرل نے کہا: "میرے خیال میں دھوری رابطے کی جنہیں ضرورت نہیں ہے۔ وزارت خارجہ کی طرف رابطہ بحال ہو چکا ہے۔ معاملات تیزی سے سنبھل رہے ہیں۔ میرا خیال ہے پہلے اس عورت کو دیکھ لیتے ہیں۔"

اناڑی نے اس سے اتفاق کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں ایک سیٹ دیواروں والے کمرے میں تھے۔ ایک چھوٹی سی فرش میں نصب فولادی میز کے زبردستی جانب ایسی ہی ایک کرسی پر بوسنا

جاسوسی ڈائجسٹ 224

جیسی ہوئی تھی۔ وہ اپنے اصل طبع میں تھی۔ اس کے چہرے اور جسم پر متحدہ پٹیاں نظر آ رہی تھیں۔

میز کے دوسری طرف ایک اضافی کرسی بھی رکھ دی گئی تھی۔ اناڑی کا کام تھا کہ کرل کے ساتھ اضافی کرسی پر بیٹھ گیا۔ بوسنا نے ہراس زدہ نظران دونوں پر ڈالی۔ کرل نے سرد انداز میں کہا: "ہوگو شادیز اور الما جد کہاں ہیں؟"

بوسنا نے سیٹ انداز میں کہا: "میں نہیں جانتی۔" اناڑی نے کافی کا ایک گھونٹ لیا اور بولا: "زبان کھول دو تو بہتر ہے۔ یقیناً وہ دونوں ایران سے بھاگنے کی فکر میں ہو گئے۔ تعاون کرو تو تمہارے ساتھ نرمی کا سلوک کیا جائے گا۔"

بوسنا کی آنکھوں میں نفرت نمایاں نظر آئی۔ "تمہارے نرم سلوک پر لعنت بھیجتی ہوں۔ جو کرنا ہے کرو، لیکن یاد رکھنا میرا بدلہ لیا جائے گا اور یہ بدلہ ایسا ہوگا کہ تمہاری ٹھیس بھی یاد نہیں کی۔"

کرل نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے اناڑی سے کہا: "میری کسر ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔ تم ڈڈگری کے بغیر گزار نہیں ہے۔" اگلے پندرہ منٹ بوسنا کی زندگی کے بدترین لمحے تھے مگر اس نے زبان نہیں کھولی۔ آخر کار اس کے عورت ہونے کا لحاظ ایک طرف رکھ کر اذیت کی جگہ میں پیسا گیا تو اس کی زبان کھل گئی۔ وہ بولی تو پھر بولی ہی چلی گئی۔

ان دونوں کے لیے یہ اطلاع بڑی حیران کن تھی کہ الما جد نہ صرف پاکستان پہنچ چکا تھا بلکہ اپنے ساتھیوں سمیت حرکت میں بھی آ چکا تھا۔ وہ الما جد اور اس کے پاکستان میں ٹھکانوں کے بارے میں بھی جانتی تھی۔

اناڑی کا اندازہ بالکل درست تھا کہ ہوگو شادیز اب ایران سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ بھاگتا تو پھر بھاگتا تو اس کے ساتھ ہی تھا مگر اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔

آبنائے فارس میں ایک آئل ٹینکر ان کا شہر تھا۔ آئل ٹینکر تک لے جانے والی بوٹ بھی تیار تھی۔ وہ دونوں اس خاص کمرے سے باہر نکلے تو کرل نے مایوسی سے کہا: "مشکل ہے۔ وہ گرگوبارداں دیدہ اب بھلا اس پلان پر کہاں مکمل کرے گا۔ وہ جانتا ہے اس کی ساتھی ہمارے پاس ہے۔"

جاسوسی ڈائجسٹ 225

"نہیں۔ اناڑی نے ٹھوس انداز میں کہا۔ "وہ جہاں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ فراہم کار اور کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔ تم بھول رہے ہو کہ اسے یہیں ہوگا کہ زبان کھولنے کے مقابلے میں اس کی ساتھی خودکشی کو ترجیح دے گی۔"

کرل کے چہرے پر امید بھلی۔ "خدا کرے تم صبح ہو۔"

ایک خیال آنے پر اناڑی نے کہا: "بہتر ہے زہر ملا کپسول اس عورت کے منہ میں ڈال کر اس کی خودکشی کی خبر بتی اور کپسول دود۔" کرل نے جان لیا کہ اناڑی کیا چاہتا ہے۔ اناڑی کو پتہ نہ تھا کہ وہ واپس مڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

اناڑی اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ ایک ملاج کے روپ میں ہوگو شادیز جال میں الجھا بری طرح سے کسمارہا تھا۔ اناڑی نے جال کی ڈوری بوٹ کے کنڈے سے باغی اور اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"میرے خیال میں تمہارے بدلے میں تمہاری نام نہاد حکومت بہت سے بے گناہ قتل کیے بغیر ضرور رضامند ہو جائے گی۔"

یہ سن کر بے بسی سے پھر پھڑپھڑاتے ہوگو شادیز کی آنکھوں میں زندگی کی چمک نمودار ہوئی مگر وہ نہیں جان پایا کہ اناڑی نے اسے دانہ ڈالا ہے تاکہ وہ خودکشی سے باز رہے اور اناڑی اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔

ہوگو شادیز کے ہاتھ آتے ہی پاکستان میں الما جد کے ٹھکانوں پر بھی بلا بول دیا گیا تھا۔

ہوگو شادیز کو بری طرح جکڑنے کے بعد اس کے کھوکھلے دانت سے زہریلا کپسول نکال لیا گیا تھا۔

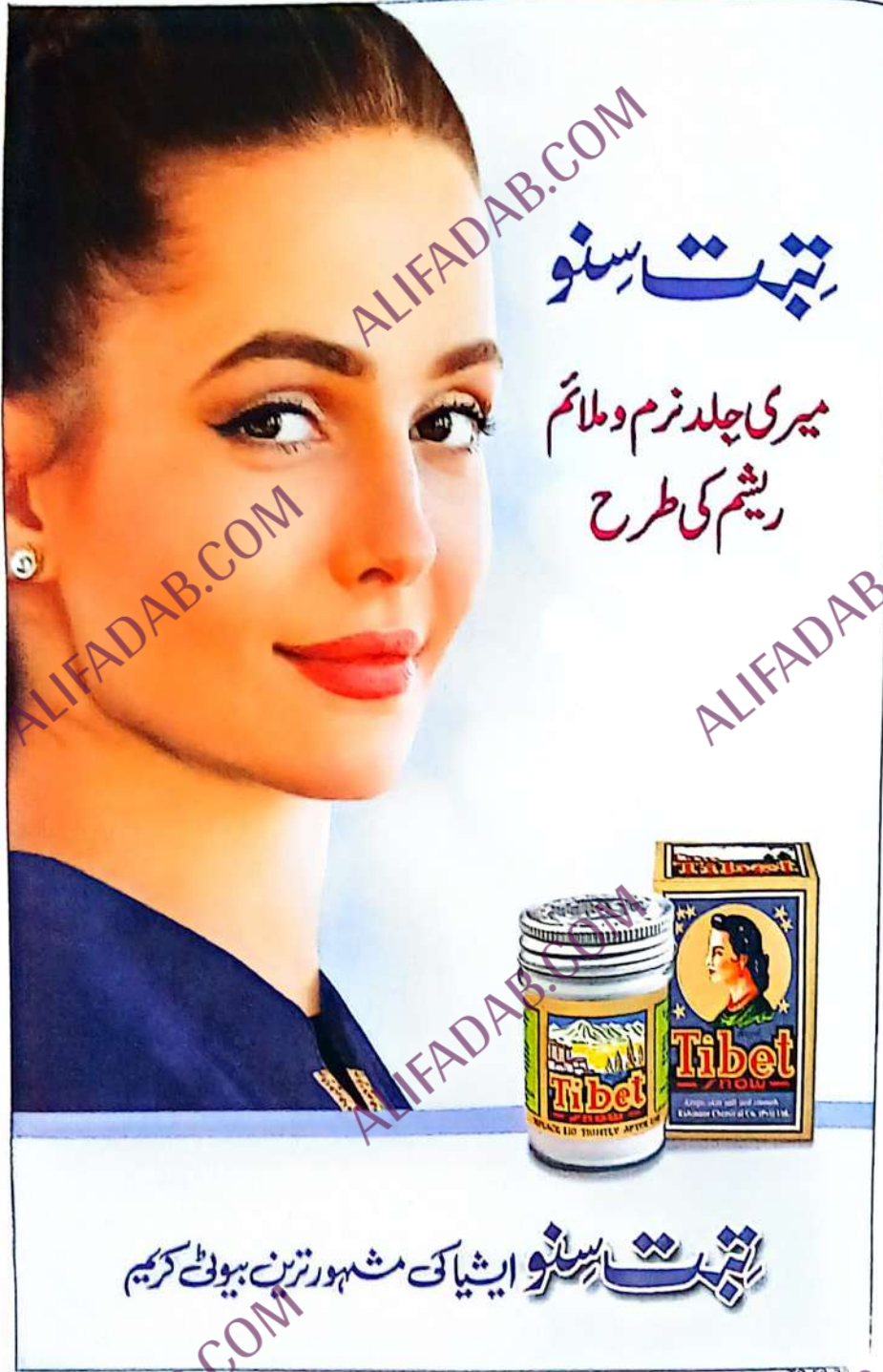
اناڑی نے جب کرل کمال سے ہوگو شادیز کو مانگا تو اس نے اچھے سے اناڑی کو دیکھا اور کہا: "تم غیر ضروری طور پر جذباتی ہو رہے ہو۔ وہ ہمارے لیے زندہ.... زیادہ فائدہ مند ہے۔ سمجھ لو کہ اسرائیل کی حکومت ہمارے ہاتھ میں آگئی ہے۔"

اناڑی نے اسے غصے سے جھڑکی خاموشی کے بعد کھوکھلے ہوئے انداز میں کہا: "وہ شخص سیرٹ ایجنٹ ہوتا تو میں ایسی درخواست ہی نہ کرتا۔"

کرل نے ابھی ہوئی نظروں سے اناڑی کی طرف دیکھا۔ اناڑی نے اپنی بات جاری رکھی۔

"وہ شخص مسلمانوں سے ذاتی طور پر بھی بغض رکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ سیکڑوں بے گناہ قتل کیے بغیر خون سے

جاسوسی ڈائجسٹ 224



تبت سنو
میری چلد نرم و ملائم
ریشم کی طرح

تبت سنو ایشیا کی مشہور ترین بیوٹی کریم

TS-58-21

میزبان کے طور پر تمہارا خنجر ہوں گا۔“
کرل نے اس کی دعوت قبول کرتے ہوئے جلد آنے کا وعدہ کر لیا۔

☆☆☆

چند دن بعد انڈی نے پاکستان میں ایک دور دراز کے علاقے میں ایک خاص تقریب میں شرکت کی۔ اس تقریب میں اس کے علاوہ بیسیوں مرد و زن تھے۔ یہ ان معصوم بچوں کے والدین تھے جنہیں الما جید اور اس کے گرد بچے اسکول میں گھس کر شہید کر دیا تھا۔ یہ تقریب ان کے بچوں کے قاتلوں کو پھانسی دینے کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ عدالتیں ان لوگوں کو پہلے ہی پھانسی کی سزا سنات چکی تھیں۔ اب اس مزاحم پر عمل درآمد باقی تھا۔

جب الما جید کو پھانسی کے تختے پر کھڑا کیا گیا تو اس کا رنگ بالکل مٹی ہو چکا تھا وہ بیس وزن اٹھانے سے انکاری تھیں۔ اسے دو بالکل بازوؤں سے تھام کر لائے تھے۔ اس موقع پر انڈی اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

”تمہیں وہ معصوم بچے تو یاد ہو گا جس کی پیشانی پر نال رکھ کر تم نے پوچھا تھا۔ تمہارا باپ کیا کرتا ہے؟“
الما جید نے سہراٹھا کر دیکھا۔ موت اس کی آنکھوں میں زردی بن کر نمودار ہونا شروع ہو چکی تھی۔

الما جید کی خاموشی طویل ہونے لگی تو انڈی نے کہا۔
”اس معصوم نے موت کے خوف کو ایک طرف رکھتے ہوئے دلیری سے کہا تھا کہ اس کا باپ آری میں ہے اور تم نے یہ جان کر اسے گولی مار دی تھی۔“
الما جید کا سر خود بخود جھک گیا۔

انڈی کی جذبات سے لرزتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔
”آج دیکھو۔۔۔ وہی لڑکی تمہارے سامنے ہے۔ تم بھی دلیری کا مظاہرہ کرو اور اور پھانسی کا چنڈا اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈال لو۔“
جو لوگ یہ مکالمہ سن رہے تھے وہ دہائیوں مار کر رونے لگے۔

الما جید کو موقع دیا گیا کہ وہ خود پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالے مگر اس میں اتنی دلیری کہاں تھی۔ اس کے بعد پھندا اس کے گلے میں ڈالا گیا اور لیور کھینچنے سے پہلے اس کا پیٹھ بٹھا ہوا تھا۔

انڈی بے عمل دل اور قدموں سے پھانسی والے چہرے سے اتر آیا۔

❖❖❖

آلودہ ہیں اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم فلسفنی حریت پسند کو یادگار بنانا چاہتا ہوں۔“
تفصیل جانتے ہی کرل کمال کی آنکھوں میں آنسو جھللا اٹھے۔ اس نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔
”لے جاؤ اسے۔“

انڈی ہوگو کو جب میں لاد کر روانہ ہوا تو ہوگو شادیز کو اس کے عزائم کا کچھ اندازہ ہو گیا۔ اس نے چلا کر کہا۔
”تم نے خود کو آزمانے کا موقع ملا تھا۔ اب موقع تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تو آ جاؤ مردوں کے مانند آسنے سامنے۔ مرنے سے پہلے تمہاری گردن تو کم از کم مردہ ہی دون گا۔“

انڈی نے مسکراتے ہوئے گردن پر ہاتھ پھیرا۔
”مجھے اپنی گردن عزیز ہے اور بطور جوئیر فیروزہ بانی ہونا میں نے تم سے ہی سیکھا ہے۔“

ہوگو نے اس کی اسے خونی نظروں سے گھورنے لگا۔
انڈی نے اس پر مسکراتے نظر ڈالی۔ ”ویسے بھی تم ساری زندگی ناقابل تغیر رہے ہو۔ میں آخری وقت پر تم سے یہ اعزاز نہیں چھیننا چاہتا۔“

جواب میں ہوگو ہڈیاں اٹھا کر اس میں بھونکنے لگا۔ انڈی نے اس کی طرف سے کان بند کر لیے۔
یوڑھے فلسفنی حریت پسند نے جب بے بس ہوگو شادیز کو دیکھا اور انڈی کی بات سنی تو خوشی سے اس کے چہرے کے عضلات کا پھٹنے لگے۔ اس نے لرزتی آواز میں انڈی کا شکریہ ادا کیا اور اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”تم نے ایک عظیم بیٹے کا حق ادا کیا ہے۔“
بعد میں ہوگو شادیز کا گلا چاقو سے کاٹ کر اس کا خون چہرے پر پھرتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ انڈی بھی گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
چاندروں کا یہ طویل ہوگو شادیز کا قیامت تک کا ٹھکانا ہے گا۔

سرحد پر انڈی کو گرم جوشی سے الوداع کہتے ہوئے کرل کمال نے خاموشی سے لیور پھل اس کے گوت کی جیب میں ڈالتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔
”یہ ہمیشہ تمہیں میری یاد دلا رہے گا۔“

انڈی نے بھی محبت سے اسے چمکا۔ ”اس کے بغیر بھی تمہاری قربانی نے مجھے خوب سیکھا۔“

Watermarkly